عصرِ حاضر کا سماجی انتشار
اور
اسلام کی رہ نمائی

مولانا سلطان احمد اصلاحی

عصر حاضر کا سماجی انتشار
اور اسلام کی رہ نمائی

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۱۸۶

نام کتاب : عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی

مصنف : مولانا سلطان احمد اصلاحی

صفحات : ۳۱۶

اشاعت : اکتوبر ۲۰۱۱ء

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت : ۱۲۵/- روپے

ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸

E-Mail : mmipublishers@gmail.com
Website : www.mmipublishers.net

مطبوعہ : ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲

ASRE HAZIR KA SAMAJI INTESHAR
AUR ISLAM KI RAHNUMAI (Urdu)
By : Maulana Sultan Ahmad Islahi
Pages: 316
Price: Rs. 125.00

ترتیب

حرفِ آغاز

موجودہ دور کا ایک سنگین المیہ یہ ہے کہ انسانی معاشرہ شدید انتشار اور بحران کا شکار ہے۔ اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں اور باہمی تعلقات خود غرضی اور مفاد پرستی کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ خاندان کا ادارہ بھی اس کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ افرادِ خاندان، جن کے درمیان عام انسانوں کے مقابلے میں زیادہ قریبی تعلقات ہوتے ہیں اور انھیں ایک دوسرے کا ہم درد و غم گسار ہونا چاہیے، وہ نہ صرف یہ کہ دوسروں کے حقوق کی ادائی سے بے پروا ہیں، بلکہ ان پر ظلم ڈھانے اور ان کے حقوق غصب کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ اس طرح انسانی معاشرہ حیوانی سماج کا منظر پیش کر رہا ہے۔ یہ صورت حال عالمی سطح پر بھی ہے اور ہمارے ملک کا منظر نامہ بھی اس سے قطعی مختلف نہیں ہے۔ اس صورت حال میں اسلام مظلوم اور سسکتی بلکتی انسانیت کے حقیقی ہم درد کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ وہ سماج کے تمام افراد کے حقوق بیان کرتا اور ان کی ادائی پر زور دیتا ہے، خاص طور سے وہ افرادِ خاندان کے درمیان الفت و محبت کے جذبات پروان چڑھاتا ہے اور اسے مستحکم رکھنے کی تدابیر بتاتا ہے۔ اس کی تعلیمات اور بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرکے پہلے بھی ایک پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آچکا ہے اور موجودہ دور میں بھی ان کے ذریعے سماجی اور خاندانی انتشار و اضطراب کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں انھی موضوعات پر شرح و بسط کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ انسانی سماج کے مختلف پہلوؤں کی منظر کشی اعداد و شمار اور واقعات کی روشنی میں کی گئی ہے، ان میں

بے اعتدالی، فساد اور انتشار کو نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی اصلاح اور درستگی کے لیے اسلامی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں عام انسانی سماج کے ساتھ خاندان کو بھی خاص طور پر موضوعِ بحث بنایا گیا ہے اور موجودہ دور میں اس کی ابتری اور انتشار واضح کرنے کے ساتھ اسلام کے مطلوبہ نظامِ خاندان کے خدّوخال نمایاں کیے گئے ہیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی کو سماجی موضوعات سے دل چسپی رہی ہے اور انھوں نے اپنی تصانیف میں وقت کے نازک سماجی مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل پیش کیا ہے۔ اس سے قبل مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے ان کی دیگر کتب کے علاوہ سماجی موضوعات پر 'اسلام کا تصورِ مساوات'، 'بچوں کی مزدوری اور اسلام'، 'بندھوا مزدوری اور اسلام'، 'کم سنی کی شادی اور اسلام'، 'مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام' جیسے عناوین سے کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور انھیں علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ موصوف نے پینتیس (۳۵) سال سے زائد عرصہ ملک کے معروف علمی وتحقیقی ادارہ — ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ — سے وابستہ رہ کر تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کتاب بھی ادارہ کے منصوبہ کے تحت لکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ ادارہ، مکتبہ اور مصنف کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی مقبولیت حاصل ہوگی اور اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا جائے گا۔

۲۹ر ستمبر ۲۰۱۱ء

محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند

باب اول

سماجی ناہمواری

سماجی ناہمواری آج کی ترقی یافتہ دنیا کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ بلاشبہ یورپ اپنی تاریخ کے ایک خاص مرحلے سے گزر کر[1] آج دنیا میں آزادی، انصاف، سماجی عدل اور انسانی مساوات کا بڑا علم بردار ہے۔ اور بلاشبہ مذاہب کے بچے کھچے اثرات[2] اور اپنے تجربے سے اس نے آزادی و مساوات کا جو سبق سیکھا، بہت بڑے پیمانے پر اس نے دنیا کو بھی اس سے روشناس کیا ہے۔ اور اس سے فیض اٹھانے والوں میں سرفہرست ہمارے عزیز ملک ہندستان کو کہا جاسکتا ہے، جسے بلاشبہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آزادی کے پچاس سال بعد اپنی ترقی کے دوسرے پہلوؤں کے علاوہ سماجی ناہمواریوں کے ازالے میں اس ملک نے بڑی قابل لحاظ پیش رفت کی ہے۔ بہت سی کھائیوں کو پاٹا ہے اور بہت ساری رکاوٹوں کو عبور کیا ہے۔ لیکن ابھی بھی ہندستان اور امریکہ کی سطح پر اس سلسلے میں بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ دنیا کے باقی حصے کی صورت حال ان دونوں سب سے بڑی جمہوریتوں سے مختلف نہیں ہے۔ اس سلسلے میں چھ ہزار سے اوپر برادریوں پر مشتمل ہمارا ملک ہندستان اس وقت ایک خاص مرحلے سے گزر رہا ہے۔ آزادی کے بعد اس ملک میں ہزاروں سال سے دبائے اور پسے ہوئے سماج کے پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے طبقوں اور برادریوں کو جو کچھ پڑھنے لکھنے، کمانے اور ابھرنے کا موقع

---

(۱) ان مراحل کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' کا باب اول۔ مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

(۲) یورپ کی سائنسی ترقی میں تو مسلمانوں کے علمی ورثے سے استفادہ کا اعتراف عام ہے۔ لیکن اس کی سماجی ترقی میں اسلامی تعلیمات کے اثرات کا اعتراف نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب کہ یہ تحقیق کا ایک مستقل موضوع ہے، جس پر ہمارے مسلمان محققین کو توجہ دینی چاہیے۔

ملا ہے تو ان کے احساس محرومی میں شدت آجاتی اور بعض یا بسا اوقات وہ جارحانہ رخ اختیار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری طرف نام نہاد اعلیٰ اور اونچے طبقوں اور برادریوں کا حال ہے کہ آزادی سے پہلے کی ان کی نیند کا خمار ابھی بھی نہیں ٹوٹ رہا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ رسی جل تو گئی ہے لیکن ابھی اس کا بل نہیں جا رہا ہے۔ چناں چہ ابھی تازہ ترین اطلاع ہے کہ راجستھان کے راجس منڈ (Rajasmand) ضلع کے گاؤں جیتاوس (Jeetawas) میں وہاں کی اونچی برادری کے لوگوں نے نیچی کہی اور سمجھی جانے والی موچی (Cobbler) برادری کے ایک دولہے کو، جو بارات میں گھوڑے پر سوار تھا، زبردستی گھوڑے کی پیٹھ سے اتار دیا اور اسے پیدل چلنے کے لیے مجبور کیا۔ بعد میں پولیس کی مدد سے یہ دولھا کسی طرح پھر گھوڑے پر بیٹھ کر اسی گاؤں میں اپنی ہونے والی دلہن کے مکان تک پہنچ سکا۔ اس خبر کو ختم کرنے کے بعد اخبار کا رپورٹر لکھتا ہے کہ اسی طرح دولہوں کو سواریوں سے اتار دینے کے واقعات راجستھان میں بہت عام ہیں:

Such incidents of ans eating of the bridegrooms are very common in Rajasthan.(1)

اور معاملہ صرف سواری سے اتار دینے تک کا نہیں۔ ملک کی راجدھانی سے لگے اس صوبے میں اس طرح کی بارات اور اس کے دولہے پر اونچی ذات والوں کی طرف سے پتھر زنی کے واقعات عام ہیں چناں چہ ابھی زیادہ دور نہیں ۲۲/جنوری ۱۹۹۹ء ہی کا واقعہ ہے کہ صوبائی دارالحکومت جے پور ضلع کے گاؤں سنادلا (Sunadla) میں ایک ایسے ہی دولہے اور اس کے رشتہ داروں کو اونچی ذات والوں کی طرف سے پتھر زنی کا نشانہ بنایا گیا۔ اسی موقعے پر اخبار لکھتا ہے کہ سنادلا گاؤں کا یہ کوئی منفرد واقعہ نہیں ہے۔ یہاں ہر سال ایسے سیکڑوں واقعات ہوتے ہیں، جن کی نہ کوئی اطلاع ہوتی ہے نہ پریس میں ان کا کوئی تذکرہ آتا ہے۔ اس سے بھی آگے اس صوبے میں چائے خانوں تک میں اونچی اور نیچی ذات کا یہ فرق و امتیاز اسی طرح قائم ہے۔ چائے

---

(۱) ملاحظہ ہو۔ دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰/اپریل ۱۹۹۹ء، خبر بعنوان: Cobbler groom forced of the horse. موچی دولہے کو گھوڑے سے اتار دیا گیا۔ اسی صوبے کے ضلع بنڈی (Bundi) کے گاؤں شیرپور (Shirpur) کا ایسا ہی دوسرا تازہ واقعہ ہے، جس میں ایک دلت دولہے کو گھوڑی سے اتار کر اسے رسوا کیا۔ دیکھیے دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۴/مئی ۱۹۹۹ء، خبر زیر عنوان: Another Dalit bridegroom humiliated in Rajasthan. (راجستھان میں ایک اور دلت دولہے کو رسوا کیا گیا)۔

کی دکان کا مالک نیچی ذات کے لوگوں کو الگ گلاسوں میں چائے دیتا ہے، جو ہمیشہ واش بیسنوں کے پاس کنارے رکھے ہوتے ہیں۔ اور اس پر بھی ستم یہ کہ چائے پینے کے بعد ایسے لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے گلاسوں کو خود دھو کر رکھ کر جائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ اخبار اطلاع دیتا ہے کہ صوبے کے چالیس ہزار گاؤں میں سے نوے فی صد ٪۹۰ میں چھوا چھوت کا عام رواج ہے۔ اور اس سلسلے میں دیہات اور شہر کا بھی کوئی خاص فرق نہیں ہے۔[۱] اسی صوبے کے ضلع کوٹہ کا تیسرا واقعہ ہے جہاں ایک دلت نوجوان کے اعلیٰ ذات کے نوجوانوں کے سامنے پان کھالینے کی جرأت بیجا پر ان لوگوں نے اس کو بری طرح پیٹا۔ ساتھ ہی اس کو دھمکی دی کہ آئندہ اس طرح کی حماقت اس سے بہت برے نتائج کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ بعد میں بڑی مشکل سے اس واقعے کی رپورٹ تھانے میں درج کرائی جاسکی۔[۲] ملک کی راجدھانی سے قریب ایسے ہی ایک دوسرے صوبے ہماچل پردیش کا حال راجستھان سے مختلف نہیں ہے۔ جہاں پڑھ لکھ لینے کے بعد بھی پچھڑے طبقے کے افراد کو چھوا چھوت کی لعنت سے نجات نہیں مل پائی ہے۔ یہ دلت اساتذہ کا طبقہ ہے، جو پورے ہماچل پردیش میں شہر سے لے کر دیہات چھوا چھوت کا ستم خوردہ ہے۔ چناں چہ کسی اور کی نہیں یہ ہماچل پردیش شیڈول کاسٹس، شیڈول ٹرائبس اور او بی سی ایمپلائیز ویلفیر ایسوسی ایشن کا بیان ہے کہ اعلیٰ طبقے کے لوگ نہ صرف یہ کہ ان اساتذہ سے نفرت کرتے ہیں بلکہ انھیں نیچی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس تنظیم کے صدر ڈاکٹر اوم کر سنگھ بھاٹیا (Dr. Omkar Singh Bhatia) کا کہنا ہے کہ صوبے کے دور دراز علاقوں میں ان دلت اساتذہ کو دلت حجام تلاش کرنے پڑتے ہیں اس لیے کہ مقامی حجام (ہیر ڈریسر) ان کا کام کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ صدر موصوف کا کہنا ہے کہ کسی دلت استاد کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ اونچی ذات کے لوگوں سے مکان، دودھ اور پانی جیسی بنیادی ضرورت کی چیزیں حاصل کرسکے۔ بلکہ یہ لوگ ہم لوگوں سے اس طرح سے معاملہ کرتے ہیں جیسے کہ ہم کوئی دوسرے درجے کے شہری ہوں۔

---

(۱) اخبار مذکور ۲۹ر جنوری ۱۹۹۹ء خبر زیر عنوان: Untouch ability being Practiced with impunity in 90 Pc of Rajasthan villages. (راجستھان کے ۹۰ فی صد دیہاتوں میں چھوا چھوت کا دھڑلے سے چلن)۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی، ۴ر نومبر ۱۹۹۸ء خبر زیر عنوان: Dalit youth thrashed for chewing paan. (پان کھانے کے جرم میں دلت نوجوان کو بری طرح پیٹا گیا)۔

اسی رپورٹ کے مطابق مزید براں پس ماندہ برادریوں سے تعلق رکھنے والے اساتذہ کو عام ہوٹلوں میں کھانا کھانے اور کنویں سے پانی لینے سے بھی بلا تکلف روک دیا جاتا ہے۔(۱)

اس سلسلے کی مزید مثالوں سے ہم قارئین کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ اسی آئینے میں وطن عزیز کے دیگر حصوں کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ اور معاملہ صرف ترقی پذیر ہندستان کا نہیں، ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ کا حال اس سلسلے میں ہندستان سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ آیئے اس کی بھی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔ پہلی دنیا کے ان ملکوں کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ پر ان کا قبضہ ہے۔ اسی بہ دولت وہ ساری دنیا کی خبر لیتے اور ایک ایک کر کے ان کے کم زور پہلوؤں کو طشت از بام کرتے ہیں۔ لیکن میڈیا کی اسی طاقت سے وہ خود اپنے گھر کا حال کسی کے سامنے نہیں آنے دیتے۔ صرف وہی چیزیں باہر جانے دیتے ہیں جس کے باہر چلے جانے سے ان کو کوئی خاص نقصان نہ ہو۔ تاہم چھن چھنا کر کچھ حقائق منظر عام پر آ ہی جاتے ہیں اور گھر کے راز باہر نکل آتے ہیں۔ اسی کے حوالہ سے دوسرے پہلوؤں کے علاوہ سماجی مساوات و برابری کے لحاظ سے بھی یورپ اور امریکہ کا حال کچھ بہت اچھا نہیں ہے۔

امریکہ کا حال

سب سے پہلے امریکہ پر نظر ڈالنی چاہیے، جو بزعم خود نئے عالمی نظام (New World Order) کا علم بردار ہے۔ لیکن یہ محض اس کا دعویٰ اور صرف خواب ہے۔ عملی طور پر حقوق انسانی کے لحاظ سے اس کا حال خراب ہے۔ اور وہ اپنے عوام کو بلا لحاظ رنگ و نسل آزادی و مساوات فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ چناں چہ اسی ملک کی حقوق انسانی کی ایک تنظیم (ہیومن رائٹس یو ایس اے) کے ایک جائزے کے مطابق جس میں اس مقصد سے ایک ہزار چار افراد سے رائے لی گئی، ان میں سے ۴۹ فی صد کا کہنا تھا کہ امریکی معاشرہ میں تفریق و امتیاز کا انھیں بہ ذات خود تجربہ ہوا ہے، جب کہ ۵۲ فی صدی کے مطابق اس ملک میں حقوق انسانی کا معاملہ کافی سنگین ہے۔

(۱) حوالہ سابق۔ زیر عنوان: Untouchability hards Teachers (چھوا چھوت کے حملے سے اساتذہ پریشان)۔

۶۳ فی صد کا یہ کہنا تھا کہ تفریق کا سب سے زیادہ سامنا غریبوں کو کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ ۶۱ فی صد کے مطابق معذور لوگ تفریق و امتیاز کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ دریں حالے کہ ۸۱ فی صد افراد کا کہنا تھا کہ امریکہ میں سیاہ فاموں کے ساتھ باقاعدہ طور سے تفریق برتی جاتی ہے۔(۱) سماجی نابرابری اور مسلمہ انسانی حقوق سے محرومی کی یک قطبی دنیا کے سپر پاور امریکہ کی یہ تصویر عمومی ہے، جس میں وہاں کے باشندوں نے گورے کالے کے فرق کے بغیر عمومی طور پر اپنے ساتھ ہونے والی بے انصافی اور تفریق کا تذکرہ کیا ہے۔ جہاں تک اس ملک کی سیاہ فام آبادی کا تعلق ہے، اس کے ساتھ روا رکھی جانے والی زیادتی اور امتیاز ایسا کھلا ہوا راز ہے، جس سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ جس کے تذکرے سے الکٹرانک میڈیا نہ سہی تو پرنٹ میڈیا کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اور مختلف عنوان سے اس کی خبریں آئے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح کے ایک مطالعہ کے مطابق 'امریکہ کے تمام بڑے شہروں میں وہاں کی سیاہ فام آبادی کو مختلف طرح کے نسلی امتیازات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رہائشی طرز زندگی میں اس طرح کے امتیازات زیادہ نمایاں ہیں جہاں سفید فام لوگوں سے ان کے میل جول کی ممانعت ہوتی ہے۔ اس تفریق و امتیاز کے لیے امریکہ کے جو شہر سب سے زیادہ بدنام ہیں ان میں بالٹی مور، شکاگو، کلیو لینڈ، ڈٹرائٹ گیری، انڈیانا، لاس اینجلز، ملواؤ کی نیو جرسی، سینٹ لوئی اور فلاڈلفیا کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی مطالعہ کے مطابق سیاہ فام آبادی کی شرح اموات بھی دوسروں سے زیادہ اور ان کی اوسط عمر سفید فام آبادی سے کم ہے۔ خیال رہے کہ یہ مطالعہ بھی کسی باہری ملک کے ادارے یا ایجنسی کا نہیں بلکہ اسی ملک کے پروفیسروں کا ہے، جو اس کی مختلف جامعات اور مراکز سے وابستہ ہیں' (۲) اس طرح یہ 'شہد شاہد من اہلہا' کے مصداق ہے۔

لیکن امریکہ میں اس کی سیاہ فام آبادی کی مظلومیت کی داستان اس سے طویل ہے۔ چناں چہ ایک سے زائد اطلاعات مظہر ہیں کہ یہاں سزاؤں کے معاملے میں بھی سیاہ فام آبادی کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور اس نئی دنیا میں انصاف کی آخری امید گاہ عدالتیں

---

(۱) ملاحظہ کیجیے روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۲؍دسمبر ۱۹۹۷ء جائزہ بہ عنوان: امریکہ: دیگراں را نصیحت، خود را فضیحت

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۸؍اگست ۱۹۸۹ء۔ بہ عنوان: امریکہ میں سیاہ فام اب بھی نسلی امتیاز کے شکار

بھی ظلم و ناانصافی کے مراکز ہیں اور اس کے ججوں اور منصفوں کی نگاہوں پر جانب داری اور ظلم کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کوئی اور نہیں یہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ ہے کہ ۱۹۹۳ء میں امریکہ میں جتنے لوگوں کو سزائے موت دی گئی ان میں آدھے یا تو کالی نسل کے لوگ تھے یا لاطینی امریکی تھے۔ اور ان میں ۸۸ فی صد لوگوں پر خاص طور پر سفید فاموں کے قتل کے الزامات تھے۔[۱] ایمنسٹی کی ایسی ہی دوسری رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۴ء میں امریکہ کی بارہ ریاستوں میں جن لوگوں کو موت کی سزا سنائی گئی ان کی اکثریت غریب، اقلیتی اور ذہنی طور پر بیمار لوگوں کی تھی۔ نیز یہ وہ لوگ تھے جو اپنے لیے مناسب قانونی امداد حاصل کرنے سے قاصر تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ ساری خصوصیات اس ملک کی سیاہ فام آبادی کی ہیں جن کا تذکرہ صراحت سے کرنے سے شاید ایمنسٹی کو شرم آتی ہے۔ اسی رپورٹ میں ۱۹۹۷ء کی تفصیلات بھی ہیں۔ اس کے مطابق اسی سال میں یہاں جن قیدیوں کو موت کی سزا دی گئی ان میں ۸۴ فی صد پر گوروں کے قتل کے الزام تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان سزا پانے والے ان کے قاتل سیاہ فاموں کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اخبار نے اپنی سرخی میں اس کی صراحت بھی کر دی ہے۔[۲]

واشنگٹن کی وکیلوں کی انسانی حقوق کی تنظیم کو بھی شکایت ہے کہ امریکہ کا عدالتی نظام نسل پرست ہے اور کالوں کے ساتھ امتیاز برتتا ہے۔ امریکہ کے ایک وکیل ولیم مانٹ کے مطابق حالاں کہ امریکہ میں کاغذی طور پر ہر قسم کی غلامی اور چھوت چھات کو ختم کر دیا گیا ہے پھر بھی نسلی امتیاز اب بھی جاری ہے۔[۳] نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ اس جنت ارضی کا ایک نامور وکیل اٹھتا ہے اور پے در پے نسلی اور مذہبی اقلیت کے افراد کو پے در پے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالتا ہے۔ یہ امریکی شہر پٹس برگ (Pitts burgh) کے چونتیس سالہ راہ داری (Immigration) اور بین الاقوامی تجارت کے وکیل رچرڈ اسکاٹ بان ہمرس (Richard Scott Banhammers) کا

---

(۱) دیکھیے: سہ روزہ دعوت نئی دہلی یکم اپریل ۱۹۹۴ء، زیر عنوان: امریکہ میں سزائے موت پانے والوں میں سیاہ فاموں کی اکثریت۔

(۲) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی، ۲۴ مارچ ۱۹۹۵ء۔ جائزہ بہ عنوان: امریکا میں سزاؤں کے معاملہ میں بھی نسلی امتیاز۔ موت کی سزا پانے والوں میں سیاہ فاموں کی اکثریت۔

(۳) راشٹریہ سہارا دہلی ۱۵ اپریل ۲۰۰۰ء زیر عنوان: امریکہ کا عدالتی نظام نسل پرست ہے: ولیم مانٹ

واقعہ ہے، جو مجنونانہ اپنی جیپ پر سوار ہوتا ہے۔ اور اپنے سامنے کے یہودی پڑوسی سمیت چینی، ہندستانی اور افریقی ـــــ امریکی نسل کے پانچ افراد کو اندھا دھند اپنی گولیوں سے بھون ڈالتا ہے۔[1] ملازمت کے میدان میں بھی امریکہ کی سیاہ فام آبادی امتیازی سلوک کا نشانہ ہے۔ فوج اور سول انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں کو چھوڑیے صنعتی ملازمتوں میں بھی کسی سیاہ فام اعلیٰ عہدے پر پہنچنا آسان نہیں ہے۔[2] سیاسی طور پر بھی سیاہ فام آبادی کے وزن کو زیادہ سے گھٹانے اور اس کے ووٹوں کی طاقت کو بے اثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[3] فوج میں اس کے ساتھ امتیاز کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۹۰ء کی خلیجی جنگ میں شریک کل امریکی فوجیوں میں سیاہ فاموں کی تعداد تیس فی صد تھی جب کہ امریکہ کی مجموعی آبادی میں سیاہ فاموں کا تناسب صرف تیرہ فی صد ہے۔ اسی خبر میں امریکہ میں سفید فاموں کے مقابلے میں بے روزگار سیاہ فاموں کی تعداد دوگنی ہے، مزید، ان کی آمدنی کا تناسب بھی سفید فاموں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔[4] یہی نہیں اس وبا سے امریکی جامعات کے کیمپس بھی محفوظ نہیں ہیں۔ جنس پرستی کے ساتھ، نسل پرستی کے رجحان سے ان کی فضا مسموم ہے۔[5] اس پہلو سے امریکہ میں مسلمانوں کا حال بھی کچھ بہت اچھا نہیں ہے، زندگی کے مختلف معاملات میں قدم قدم پر انھیں امتیازات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[6] امریکہ ہی کے ایک خود مختار حصے 'کناڈا' کی صورت حال بھی امریکہ سے مختلف نہیں ہے۔ امریکہ کی طرح کناڈا بھی جو

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰ر اپریل ۲۰۰۰ء خبر بہ عنوان: Indian among five Killed in US raeial shooting rampage (امریکہ کے نسلی گولی باری کے تانڈو میں مارے گئے پانچ لوگوں میں ہندستانی بھی شامل)۔

(۲) دی ٹائمس آف انڈیا، نئی دہلی ۲۵ر مارچ ۱۹۹۵ء۔ خبر زیر عنوان: No room at the Tap in Us for blacks. (امریکہ میں اعلیٰ عہدہ پر سیاہ فام آبادی کے لیے کوئی جگہ نہیں)۔

(۳) دی ٹائمس آف انڈیا، نئی دہلی، ۲۷ر جون ۱۹۹۶ء۔ زیر عنوان Black Churches are burning in America. (امریکہ، جہاں کالی آبادی کے چرچ جل رہے ہیں)۔

(۴) سہ روزہ دعوت نئی دہلی۔ ۱۹ر فروری ۱۹۹۱ء۔ خبر بہ عنوان: امریکی سیاہ فام جنگ کے خلاف۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کے ساتھ ہونے والے تفریق و امتیاز کی مزید تفصیل کے لیے: ہری کرشن (हरिकृष्णा निगम) کا مضمون: मानव अधिकार हनन: अमेरिका कटघरे में (حقوق انسانی کی خلاف ورزی، امریکہ کٹ گھرے میں) مطبوعہ ہندی روزنامہ دینک جاگرن، آگرہ ۱۹ر نومبر ۱۹۹۸ء

(۵) دی انڈین اکسپریس، نئی دہلی، ۲۸ر جون ۱۹۹۰ء زیر عنوان: Racism, Sexism Plague Campuses (نسل پرستی اور جنس پرستی سے کیمپوں کی فضا مسموم)۔

(۶) قومی آواز نئی دہلی، ۳ر اگست ۱۹۹۷ خبر بہ عنوان: امریکا میں مسلمانوں سے بہت بدتر سلوک کیا جارہا ہے۔

مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا ملک ہے۔ یہاں بھی نسل پرستی اپنے عروج پر ہے۔ اور یہاں کی اقلیتوں کو اکثریت کی بڑھتی ہوئی عدم رواداری سے شدید خطرات لاحق ہیں[۱]

برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی صورت حال

سماجی نابرابری میں امریکہ کی اس حالت کے آئینے میں پورے یورپ اور پوری مہذب دنیا کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس حوالے سے کچھ نمونے ترقی یافتہ یورپ کے بھی دیکھنے چاہئیں۔ اس کے لیے یورپ کے تین ملکوں برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی صورت حال پر ایک نظر ڈال لینی کافی ہے۔ بقیہ یورپ اور ترقی یافتہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے احوال کو انھی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے برطانیہ کو لیجیے جو حالات کی تبدیلی سے آج سپر پاور امریکہ کا پچھلگو اور اس کا حاشیہ بردار ہے، لیکن تاریخی حقیقت کے طور پر ترقی وتہذیب کے معاملے میں وہ امریکہ کا پیش رو اور اس کا معلم ہے۔ یہیں کی ہجرت کردہ آبادی سے یہ نئی دنیا آباد ہوئی ہے اور امریکی سماج کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس پہلو سے امریکہ پر اپنے تفوق اور برتری کے باوجود جہاں تک انسانی حقوق اور سماجی برابری کا معاملہ ہے، کبھی کے عظیم برطانیہ کا حال آج امریکہ سے بہت زیادہ اچھا نہیں ہے۔ اس خبر کے لحاظ سے ہندستان کے صوبے مہاراشٹر سے اٹھ کر پچیس سال قبل برطانیہ میں بس جانے والے اور اس وقت مشرقی لندن کے کونسلر جناب مادھو پاٹل کے مطابق ہندستانی برادری کی نسبت سے برطانیہ میں نسل پرستی کا رجحان (Racism) روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ جہاں آئے دن اسے سفید فام فاشسٹوں کی طرف سے حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس سے اس ملک میں ان کا مستقبل خطرے کا شکار ہے۔ یہاں تک کہ لندن شہر کے مختلف حصوں اور اس سے باہر بھی ہندستانیوں کا تنہا نکلنا محفوظ نہیں ہے[۲] اگر وہ اپنی حفاظت چاہتے ہیں تو ٹولیوں

---

(۱) دی انڈین اکسپریس، نئی دہلی ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۰، خبر زیر عنوان: Racism on the rise in Canada (کناڈا: نسل پرستی کا رجحان اپنے عروج پر)۔

(۲) تازہ ترین اطلاع کے مطابق نہ صرف یہ کہ برطانیہ میں نسلی حملوں کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ بل کہ ان مقامات سے بھی اب اس کی اطلاعات آنے لگی ہیں جہاں اس سے پہلے نسل پرستی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ زیر نظر حوالے میں اس کا شکار ایک ۴۲ سالہ ایشیائی نژاد تاجر سنتوکھ سنگھ سندھو (Santokh Singh Sandhu) ہوا ہے جسے لندن کے علاقے جنوبی ویلس میں گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ ملاحظہ ہو: دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۸ر اپریل ۲۰۰۰ء خبر زیر عنوان: .No end to racial attacks in UK (برطانیہ جہاں نسلی حملے رکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں)

میں ہی نکل سکتے ہیں۔ اس عمومی صورت حال کے علاوہ ہندستانی جو اس حوالہ کی تاریخ تک برطانیہ میں آٹھ لاکھ کی تعداد میں ہیں، جناب پاٹل کے اسی بیان کے مطابق، انھیں خاص طور پر رہائش، ملازمت اور ترک وطن (Immigration) کے معاملے میں امتیازی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جناب پاٹل کو یہ اندیشہ بھی ہے کہ آنے والی دہائیوں میں یورپ کے سیاسی اتحاد کے نتیجے میں اس نسل پرستی کے رجحان کو مزید بڑھاوا مل سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر جگہ ہندستانیوں کے مقابلے میں یورپ کے اصل باشندوں کو بالادستی حاصل ہوگی۔(۱)

۳۴ سالہ ایشیائی نژاد سکھ جیت پرما (Sukhjit Parma) کی داستان اس سے مختلف نہیں ہے۔ جسے فیکٹری کی اپنی ملازمت کے دوران محض نسلی بنیاد پر طرح طرح سے ستایا اور ذلیل کیا گیا۔ جس کی تفصیلات بتاتے ہوئے وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا اور زار و قطار رونے لگا۔ خیر سے اس کمپنی نے لندن کی ملازمتی ٹریبونل کے سامنے اس کی مظلومیت کو تسلیم کرلیا ہے۔(۲)

اسی طرح کی ایک دوسری رپورٹ میں اس سلسلے میں برطانیہ عظمیٰ میں انتظامیہ اور عدلیہ کا حال بھی اچھا نہیں ہے، جو کھلے بندوں سفید فام غیر سفید فام اور برطانوی اور غیر برطانوی کے درمیان صریح جانب داری اور بے انصافی کو روا رکھتی ہیں۔ اس کا اندازہ صرف اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ اس حوالہ کے لحاظ سے برطانیہ کی کل آبادی میں غیر سفید فام طبقے کی تعداد صرف پانچ فی صد ہے جب کہ ملک کی جیلوں میں ان کے قیدیوں کا تناسب سولہ فی صد ہے۔ اسی سلسلے کے ایک مطالعہ کے مطابق ملک کی تیس جیلوں میں قیدیوں کی چوتھائی تعداد سے زیادہ غیر سفید فاموں پر مشتمل ہے۔ اسی خبر کے مطابق اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ غیر سفید فاموں کے یہاں جرائم کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ قانون شکن ہوتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملک کے مجسٹریٹ اور جج بے انصاف ہیں۔ جو غیر سفید فاموں کے معاملے میں کھلی جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ذرا ذرا سے بہانے سے انھیں قانون کے شکنجے میں کسنے کے لیے مستعد

---

(۱) دیکھیے: انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۴/ اگست ۱۹۹۰ء زیر عنوان: Attack on Indians in UK on the rise (برطانیہ میں ہندستانیوں پر حملے روز افزوں ترقی پذیر)

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۵/ ستمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: Asians in UK are victims of racial hatred. (ایشیائی نژاد جو برطانیہ میں نسلی تنفر کا بری طرح شکار ہیں)

رہتے ہیں۔ اسی خبر کے مطابق اس وقت برطانیہ کی ساڑھے پانچ کروڑ سے اوپر کی آبادی میں غیر برطانویوں کی تعداد قریب چھبیس لاکھ ہے۔[1] برطانیہ میں رہائش (Housing) کے معاملے میں تفریق و امتیاز کی بات اوپر آئی ہے، دوسرے موقع پر اس کی تفصیل ہے۔ اس کے مطابق برطانیہ میں کسی ایشیائی نژاد اور سیاہ فام کے لیے اپنی پسند کی رہائش ملنی بہت مشکل ہے۔ یہ اسی ملک کے کمیشن برائے نسلی مساوات (Commission for Racial Equality: CRE) کا انکشاف ہے کہ برطانیہ کی ہر پانچ ہاؤسنگ ایجنسیوں میں سے ایک، ایشیائی نژادوں اور سیاہ فاموں کے تئیں رہائش کے لیے جگہ نکالنے کے معاملے میں امتیازی رویے کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اسی طرح کے ایک اور ادارے ایلنگ نسلی مساوات کونسل (Ealing Race Equality Council) سے وابستہ مارک جیفری کا بیان ہے کہ یہ ایک عام بات ہے کہ اگر کسی ایشیائی نژاد یا کسی سیاہ فام کی طرف سے رہائش فراہمی (accommodation) کی درخواست آئے تو ذمے داروں کی طرف سے اکثر و بیشتر یہی کہا جاتا ہے کہ وہ دستیاب نہیں ہے۔ لیکن اسی کا مطالبہ کسی سفید فام کی طرف سے آئے تو ہاتھ ہاتھ یہ جگہ دستیاب ہو جاتی ہے۔[2] تفریق و امتیاز کے دوسرے دائروں کا بھی اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ برطانیہ میں نسل پرستی کے اس رجحان کی تصویر کس قدر بھیانک ہوتی جارہی ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس عظیم ملک میں اسکول جاتے بچے بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں ہیں۔ ملک کی راجدھانی لندن کی یہ حالت ہے کہ گھر سے ایک میل دور کے فاصلہ تک بھی بچے اگر بند بسوں کے اندر نہ جائیں تو نسلی حملوں سے ان کے محفوظ رہنے کی ضمانت نہیں رہتی ہے۔[3] اس حوالے سے برطانیہ میں مسلمانوں کا حال بھی اچھا نہیں ہے۔ یہ کسی اور کا نہیں اس ملک کے موجودہ وزیر اعظم جناب ٹونی بلیر کا اعتراف ہے۔ آج سے چند ہی ماہ قبل برطانوی مسلم کونسل میں تقریر کرتے ہوئے ان کا صاف طور پر کہنا تھا کہ برطانیہ میں مسلمانوں

---

(۱) انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۱۱ر ستمبر ۱۹۹۰ء، بہ عنوان: UK magistrates colour biased (برطانیہ کے مجسٹریٹ بھید بھاؤ کے شکار)

(۲) ملاحظہ ہو: انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۱۸ر ستمبر ۱۹۹۰ء زیر عنوان: Preference to whites in UK Housing (برطانیہ میں رہائش کے معاملے میں سفید فاموں کو کھلی ترجیح)

(۳) انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۱۷ر ستمبر ۱۹۸۹ء، بہ عنوان: Racial conflict growing in UK (برطانیہ میں نسلی آویزش روز افزوں)

کے ساتھ وسیع پیمانے پر تعصب برتا جاتا ہے۔ اسی موقع پر انھوں نے یہ شکایت بھی کی کہ 'پندرہ لاکھ برطانوی مسلمانوں کا ملک کی تعمیر و ترقی میں غیر معمولی کردار ہے اس کے باوجود ان کو نسلی تعصب کا نشانہ بنایا جاتا ہے'۔[۱] عام مسلمانوں سے ہٹ کر اس کی زد سے ان کی طالب علم برادری بھی محفوظ نہیں ہے۔ برطانوی اسکولوں میں عام طور پر مسلمان بچے نسلی تعصب کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ ایک جائزے کے مطابق اس کی وجہ سے ۶۷٪ فی صد بنگلہ دیشی اور ۱۷٪ فی صد پاکستانی مسلمان طلبہ اپنی تعلیم مکمل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔[۲]

نسل پرستی کے معاملے میں فرانس کی صورت حال بھی برطانیہ سے کچھ بہت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ جہاں کھلے بندوں غیر فرانسیسی نژاد کا ایکسیڈنٹ کرادینا اور اس کو گولی سے اڑادینا ایک عام بات ہے۔ عوام کے ساتھ اس شرم ناک عمل میں حکومت کی پولیس بھی اسی طرح شریک رہتی ہے۔ جس کے متعین واقعات زیر نظر جائزے میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس نسل پرستی کا نشانہ تمام تر ایشیا اور افریقہ کے سانولے رنگ کے لوگ (dark skinned) اور مسلمان ہیں، جسے دوسرے لفظوں میں غیر سامی اقوام بھی کہا جاسکتا ہے اور یہ نسل پرستی انھی کے خلاف ہے۔ اس سلسلے کے بڑھتے ہوئے واقعات کے پیش نظر ایک رپورٹ کا کہنا ہے کہ 'فرانس میں نسل پرستی کالے سیلاب کی طرح ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل چکی ہے'۔ دوسرے مسلمانوں کے علاوہ اس نسل پرستی کے شکار مسلمان عرب بھی ہیں۔ جنھیں اپنی مسجدیں بنانے اور اسلامی لباس پہننے میں بھی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[۳] جرمنی کا حال ایک پہلو سے فرانس سے بھی گیا گزرا ہے، جہاں اس وقت یہودی قوم بڑے پیمانے پر اپنے کو عدم تحفظ کا شکار محسوس کرتی ہے۔ ہٹلر کے دور کے مظالم کو ابھی یہ قوم بھول بھی نہ پائی تھی کہ اس کا دوبارہ آغاز اسے اپنے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ ہٹلر کے دور حکومت میں یہودی عبادت گاہوں پر حملے عام بات تھی۔ اس کی پھر شروعات ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی حالیہ برسوں میں جرمنی میں یہودیوں کی قبرستانوں پر بھی

---

(۱) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ رمئی ۱۹۹۹ء، خبر بہ عنوان 'برطانیہ میں مسلمانوں کے خلاف وسیع تعصب کا اعتراف'۔

(۲) انگریزی ماہ نامہ مسلم ہیرالڈ، ہانگ کانگ جلد ۲۱۔ شمارہ ۱۰۔ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق مارچ ۱۹۹۹ء۔ زیر عنوان: Racism in a Birtish School (برطانوی اسکولوں میں نسل پرستی کا دور دورہ)۔

(۳) انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۳؍ اپریل ۱۹۹۰ء، زیر عنوان: Racism on the rise in France (فرانس میں نسل پرستی دن بہ دن زیادہ)

حملے ہو رہے ہیں۔ مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کے دوبارہ متحد ہونے کے بعد اس ملک میں یہودیوں کے خلاف جذبات بڑی تیزی سے پھیلے ہیں اور یہاں نازی ازم دوبارہ سر اٹھا رہا ہے۔[۱] اسی طرح جرمنی میں ترک نژاد آبادی کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے جسے عام طور پر مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔[۲] اٹلی کا حال جرمنی سے مختلف نہیں ہے جہاں نسل پرستی مختلف انداز سے اپنے پر پرزے نکال رہی ہے۔ اس کا ایک تازہ مظاہرہ ملک کی راجدھانی روم میں ہوئے ایک فٹ بال میچ کے دوران ہوا ہے، جس میں نسل پرست اطالوی باشندوں کی طرف سے سیاہ فام فٹ بالروں کو طرح طرح سے پریشان کیا گیا۔[۳] اس سلسلے میں پوری دنیا کا حال عیسائیوں سے مختلف نہیں ہے۔ چناں چہ اسرائیل میں دکھانے کے لیے کسی سیاہ فام یہودی کا خون لے بھی لیا جائے تو اسے استعمال نہیں کیا جاتا۔ ایسی بوتل پر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ استعمال کے لیے نہیں ہے جس کا اصلی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ پھینکنے کے لیے ہے۔ اس پر سیاہ فام اور سفید فام یہودیوں کے امتیاز کی دوسری صورتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔[۴]

بردہ فروشی

معاصر دنیا کے بڑے بڑے مسائل ہیں۔ لیکن اس کے چھوٹے مسائل کی فہرست بھی کم طویل نہیں ہے۔ اس میں سر فہرست بردہ فروشی اور انسانوں کی تجارت کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہ ظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ رسمی طور پر دنیا سے غلامی کا خاتمہ ہو جانے اور اس کے خلاف قانون قرار پا جانے کے باوجود دنیا میں انسانوں کی تجارت کا سلسلہ باقی رہے۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ اس اشرف المخلوقات کی خرید و فروخت کا سلسلہ معاصر دنیا میں پوری بے رحمی سے اور بدترین صورت میں موجود ہے۔ اور اس میں جوانوں اور بالغوں کے ساتھ کم سنوں اور نابالغوں کی تجارت کا استثناء نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر اس لعنت کا شکار طبقہ نسواں ہوتا ہے، جسے بردہ فروشی کے

---

(۱) سہ روزہ دعوت نئی دہلی، یکم اپریل ۱۹۹۴ء۔ خبر بہ عنوان: جرمنی کے یہودیوں میں عدم تحفظ کا احساس۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی، ۲۲ رنومبر ۱۹۹۳ء، اداریہ زیر عنوان: فسطائیت کا عروج۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس دہلی ۱۸ رفروری ۲۰۰۰ء اداریہ بعنوان Racism on the graound (نسل پرستی جس کی جڑیں ہنوز بہت گہری ہیں)

(۴) ماہ نامہ الرسالہ نئی دہلی ستمبر ۱۹۹۸ء ص ۴۰۔ سرپرست رسالہ مولانا وحید الدین خاں کا سفر امریکہ قسط دوم۔

بعد عام طور پر جسم فروشی کے دھندے میں لگا دیا جاتا ہے۔ چناں چہ امریکہ کے مشہور جریدہ نیوز ویک کی ۴ر مئی ۱۹۹۱ء کی اطلاع ہے کہ 'اقوام عالم کے اس دعویٰ کے باوجود کہ دنیا میں اب کہیں بھی انسانوں کو غلام بنانے کا رواج نہیں ہے، دنیا بھر میں تقریباً دس کروڑ لوگ آج بھی غلامانہ زندگی بسر کرنے کے لیے مجبور ہیں'۔ اسی جریدہ کے چار نمائندوں نے ۱۹۹۱ء کا پورا سال یورپ، ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں غلام مردوں، عورتوں اور بچوں سے پوچھ تاچھ کرتے ہوئے گزارا، جس کی روداد جریدہ مذکور کی اشاعت بالا میں شائع ہوئی ہے۔ اسی جریدے کے مطابق دنیا کے بعض دوسرے خطوں کے علاوہ چین کے صوبہ سیچوان سے ہر سال دس ہزار عورتوں اور بچیوں کو اغوا کر کے بیچ دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد انھیں تھائی لینڈ کے شمالی صوبوں میں طوائفوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح افریقہ کے ملک موزنبیق کی عورتیں دلہن کی حیثیت سے جنوبی افریقہ میں فروخت کی جاتی ہیں اور لڑکیاں گایوں کے عوض خرید کر ہندستان لائی جاتی ہیں، جس کے بعد ان کے جسم کلکتہ اور ممبئی کے 'لال بتی' والے علاقوں میں کرائے پر چلائے جاتے ہیں۔ برائے نام پیشگی بڑی اجرتوں کے ساتھ دنیا بھر میں جو جبری مزدوری کا رواج ہے اسے بھی اسی بردہ فروشی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے[1] یعنی کہ دوسرے لفظوں میں بندھوا مزدوری اور بال بندھوا مزدوری جس کی تفصیلات اپنے مقامات پر کی جا چکی ہیں[2] پڑوسی ملک نیپال کا حال اس معاملے میں اس سے بھی خراب ہے۔ چناں چہ ایک اندازے کے مطابق ہر سال قریب دو لاکھ نیپالی عورتیں اور لڑکیاں قحبہ گری کے لیے ہندستان میں بیچ دی جاتی ہیں۔ جن میں سے کوئی چالیس ہزار دس سے چودہ سال کی عمر کی ہوتی ہیں۔ یہ اندازہ کٹھمنڈو میں مقیم حقوق اطفال کے کارکن جناب گوری پردھان (गौरी प्रधान) کا ہے جن کا کہنا ہے کہ ان میں سے اکثر لڑکیاں ممبئی پہنچا دی جاتی ہیں[3] وطن عزیز میں معاملہ صرف بردہ فروشی کی درآمد کا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی برآمد کا بھی

---

(۱) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۲۸ر اپریل ۱۹۹۲ء۔ زیر عنوان: غلامی و بردہ فروشی کی لعنت دنیا میں آج بھی موجود۔ چین میں عورتوں اور بچوں کی تجارت سے تعلق مزید تفصیلات کے لیے راشٹریہ سہارا دہلی ۲۶ر اپریل ۲۰۰۰ء زیر عنوان: عورتوں اور بچوں کی تجارت کے خلاف چین کی کارروائی۔

(۲) ہمارے دو رسالے 'بندھوا مزدوری اور اسلام' اور 'بچوں کی مزدوری اور اسلام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

(۳) راشٹریہ سہارا (ہندی) نئی دہلی ۱۴ر جون ۱۹۹۷ء زیر عنوان: प्रतिवर्ष चालीस हजार नेपाली बच्चियाँ भारत में बेच दी जाती हैं (ہر سال ۴۰ ہزار نیپالی بچیاں ہندستان میں فروخت کر دی جاتی ہیں)۔ مزید ملاحظہ ہو قومی آواز نئی دہلی ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۵ء زیر عنوان: بھولی بھالی نیپالی لڑکی ممبئی کے کوٹھے پر پہنچ کرے کا رہو گئی۔

یہاں ایسا ہی سلسلہ ہے۔ چناں چہ دنیا کے مختلف ملکوں کو یہاں سے عورتوں اور لڑکیوں کی عملاً فروخت کا جو سلسلہ ہے، اس سے ہٹ کر ملک کی راجدھانی میں بردہ فروشوں کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جو مردوں کو ملازمت کا چھانسا دے کر عملاً انھیں برطانیہ اور دوسرے یورپی ملکوں میں فروخت کرنے کے کاروبار میں لگا ہوا ہے۔ یہ انگریزی اخبار 'سنڈے ٹائمس' کی ایک ٹیم کی تحقیقاتی رپورٹ ہے، جس کے مطابق اس مقصد سے ان کے لندن، فرنیک فرٹ اور یوکرین میں مراکز قائم ہیں۔ اور یہ ہزاروں ایشیائی نژاد لوگوں کو ملازمت کے نام پر برطانیہ کو اسمگل کرتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر یہ بیچارے مہاجرین عملاً غلاموں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اور انسداد کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ کاروبار رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔[۱] امریکہ کا حال اس معاملے میں برطانیہ سے مختلف نہیں ہے۔ یہ کسی اور کی نہیں بلکہ 'شهد شاهد من ایلیا' کے مصداق امریکہ کی سنٹرل انٹلی جینس ایجنسی (C.I.A) کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک ٹائمس کی رپورٹ ہے، جس کے مطابق تقریباً ہر سال ۵۰ ہزار خواتین اور بچے ورغلا کر امریکہ میں لائے جاتے ہیں۔ یہ خواتین اور بچے جو زیادہ تر ایشیا، لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے عام ملازمت اور خدمت گاری کے علاوہ زبردستی جسم فروشی اور بچہ مزدوری جیسے پیشے بھی کرائے جاتے ہیں۔[۲] کسی وقت کا سپر پاور روس بھی اس لعنت سے اچھوتا نہیں ہے۔ حقوق انسانی کی ایک ممتاز جماعت کی رپورٹ کے مطابق موجودہ روس اور اس کی سابقہ سوویت یونین کی ریاستیں قحبہ گری کے مقاصد سے دنیا کی سب سے بڑی عورتوں کی برآمد کنندہ ہیں۔ یہ کاروبار عملاً کچھ مافیا گروہوں کے ہاتھوں میں ہے جو زیادہ سے زیادہ تعداد میں عورتوں اور بچوں کو ایشیا، یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مختلف مقامات کو برآمد کرتے ہیں۔ جس میں اپنے ملک کے بدعنوان افسروں کے ساتھ میزبان ملکوں کے ایسے ہی بدعورتوں کا بھرپور تعاون حاصل ہوتا ہے۔ اس غیر قانونی کاروبار کے خاص مراکز جاپان، جرمنی، سوئزرلینڈ، اٹلی، اسرائیل، ترکی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی کوریا اور چین ہیں۔ لیکن حقوق انسانی کی مذکورہ جماعت کا کہنا ہے کہ یہ انھی ملکوں کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روسی عورتوں کو قریب انھی حالات میں

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۷ / ۲ اپریل ۱۹۹۸ء۔ تحت عنوان: 'Delhi a Centre of Slave Trade to UK. (دہلی برطانیہ کے لیے بردہ فروشی کا ایک مرکز)

(۲) راشٹریہ سہارا دہلی ۳/ اپریل ۲۰۰۰ء زیر عنوان: ۵۰ ہزار خواتین اور بچے غلامی کرنے پر مجبور۔

دنیا کے ہر ملک میں جنسی کلبوں، شراب خانوں (Bars) اور مالش پارلروں میں اسی طرح کام کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔(۱)

اس یونین سے الگ ہونے والی ایک ریاست 'یوکرین' کی تفصیلات الگ سے دستیاب ہیں۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق سوویت یونین سے آزاد ہونے والی اس ریاست کے ایک پرانے شہر آٹو انوفرنیک وسک سے تقریباً روزانہ ایک چارٹر بس نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں کو لے کر یورپ کے مختلف حصوں کے لیے روانہ ہوتی ہے۔ سرحدی اندازوں کے مطابق سالانہ تقریباً پانچ لاکھ عورتیں ان ملکوں میں پہنچتی ہیں جو کہنے کو تو روزگار کی تلاش اور اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے وہاں جاتی ہیں۔ لیکن عملاً یہ جنسی صنعت کے خام مال کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال یوکرین سے تقریباً دو لاکھ عورتیں یورپی ملکوں میں پہنچ کر جسم فروشی کی صنعت میں داخل ہوجاتی ہیں جنھیں منظّم جرائم گروپ چلاتے ہیں۔ اور اس طرح نتیجے کے طور پر وہ طوائف بننے کے لیے مجبور ہوجاتی ہیں۔(۲)

کبھی کے سوویت بلاک میں شامل مشرقی یورپ کے ملک بلغاریہ کا حال سوویت یونین کی انھی ریاستوں جیسا ہے۔ جہاں سے بڑے پیمانے پر عورتوں اور لڑکیوں کی تجارت ہوتی ہے۔ زیادہ تر لڑکیاں قبرص، یونان، اٹلی، پولینڈ، چیک جمہوریہ، فرانس اور ہالینڈ بھیجی جاتی ہیں۔ اشتہاری فہرست میں ان عورتوں کو بیرون ملک ماڈل کے طور پر کام کرنے کے لیے بھرتی کرتی ہیں۔ لیکن اصلیت میں انھیں گھریلو خادماؤں کا کام ملتا ہے یا پھر وہ سیکس انڈسٹری کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اس کاروبار کے نتیجے میں ایک اندازے کے مطابق ابھی تک دس ہزار بلغائی عورتیں جسم فروشی کے جال میں پھنس چکی ہیں۔ جب کہ بہت سی لڑکیوں کو ان کے والدین کھلم کھلا فروخت کردیتے ہیں۔(۳)

اطفال بردہ فروشی

جہاں تک خالص اطفال بردہ فروشی کا سوال ہے اس کے اعداد وشمار اور بھی دل دہلا دینے والے ہیں۔ چناں چہ ماہرین کی ایک جماعت نے خبردار کیا ہے کہ بدکاری اور ناجائز

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۴ر جنوری ۱۹۹۸ء خبر بہ عنوان: International trafficking in women, children on the rise. (بین الاقوامی سطح پر عورتوں اور بچوں کی تجارت کا کاروبار زوروں پر)

(۲) راشٹریہ سہارا نئی دہلی یکم جولائی ۲۰۰۰ء زیر عنوان: یوکرین کی دو لاکھ عورتیں یورپ کے مختلف حصوں میں جسم فروشی پر مجبور۔

(۳) راشٹریہ سہارا دہلی ۲۳ر مارچ ۲۰۰۰ء زیر عنوان: بلغاریہ میں بے روزگاری کا قہر، کم سن لڑکیاں جسم فروشی پر مجبور۔

استعمال کے لیے تیسری دنیا کے بچوں کی بین الاقوامی تجارت زوروں پر ہے۔ اطلاعات کے مطابق ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے جنھیں جنسی ہوس پوری کرنے کے لیے ایک سے دوسرے براعظم کو منتقل کیا جا رہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ بچے زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں سے لائے جاتے ہیں جن کی عمر ۱۲ سے ۱۳ سال تک ہوتی ہے۔ تیسری دنیا کے یہ لڑکے اور لڑکیاں یا تو بہلا پھسلا کر یا اغوا کر کے یا خرید و فروخت کے ذریعہ جنسی ہوس پرستوں کو فراہم کیے جاتے ہیں اور بین الاقوامی جرائم کا گروہ اور افراد اس جنسی تجارت میں ملوث ہیں، جس میں نابالغ بچوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اقوام متحدہ میں غلامی کی موجودہ شکلوں کے متعلق ایک ورکنگ گروپ کو پیش کی ہوئی ایک حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کے بچے یورپ، امریکا، جاپان اور وسط مشرق کے ترقی یافتہ اور مال دار ملکوں کو فروخت کیے جاتے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کی یہ ناجائز تجارت لاطینی امریکا سے یورپ، جنوب مشرقی ایشیا سے شمالی یورپ، جنوبی ایشیا سے مشرق وسطیٰ اور افریقہ سے یورپ کے راستوں سے ہو رہی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ پڑوسی ملکوں سے بھی بچے حاصل کیے جاتے ہیں۔ چناں چہ میانمار (برما) کے بچے تھائی لینڈ کو اور نیپال اور بنگلہ دیش سے ہندستان بھیجے جاتے ہیں۔ مزید براں اسی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ بدکاری کی لعنت کئی ایشیائی ملکوں میں بھی پھیلتی جا رہی ہے، جہاں غریب گھرانے حالات سے مجبور ہو کر اپنے بچے بڑھتی ہوئی ٹورسٹ صنعت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے جنسی تجارت میں فروخت کر دیتے ہیں۔ لیکن جنسی ہوس پرستوں کا جال پوری دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے اور یہ لعنت اب ایک بین الاقوامی شکل اختیار کر گئی ہے، کیوں کہ جنسی ہوس پرستوں کی وسعت پذیر تعداد کی وجہ سے بدکاری کے مقصد سے بچوں کی مانگ بڑھنے میں مدد ملی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض اوقات جنسی ہوس پرست لوگ یتیم خانوں اور بچوں کی پرورش گاہوں کے بھیس میں بھی اپنی ہوس پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[1]

دیگر اطلاعات سے بھی اسی صورت حال کی تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ اس کے باوجود کہ بین الاقوامی سطح پر اس طرح کے بہت سے سمجھوتے موجود ہیں جو اس کی ممانعت کرتے ہیں،

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۹ راپریل ۱۹۹۲ء زیر عنوان: لڑکوں لڑکیوں کی بین الاقوامی تجارت، غریب ملکوں کے بچے مال دار ملکوں کو فروخت کیے جا رہے ہیں۔

اس کے باوجود عالمی سطح پر بچوں کی خرید وفروخت کا دھندا پوری طرح جاری ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس سلسلے سے اب تک دو لاکھ بچے بیچے جا چکے ہیں۔ یہ اطلاع اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کمیشن کے لیے تیار کی گئی ایک رپورٹ میں دی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق بچوں کی یہ بکری انھیں گود لینے، شادی، جنسی استحصال یا ان کے اعضاء کو پیوند کاری کے لیے استعمال کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ سرغنہ مجرموں کے ذریعہ انجام پانے والا یہ غلط کام امریکہ جیسے خوش حال ملکوں میں بھی جاری ہے۔ مزید براں، جنوبی امریکہ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں اگرچہ بچوں کو گود لینے کے لیے ان کو فروخت کرنے کی ممانعت کی تجویز آ چکی ہے لیکن ایسے اشارے ملے ہیں کہ پوربی یورپ کے کچھ حصوں بالخصوص قدیم سوویت یونین میں یہ کاروبار غیر قانونی طور پر جاری ہے۔[1]

اس سلسلے کا یہ عمومی عالمی منظر نامہ ہے۔ وطن عزیز کا حال بھی اس سلسلے میں کچھ اچھا نہیں ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ راجدھانی دلی کا حال ہی اس معاملے میں بے حال ہے۔ یہاں اس رپورٹ کے وقت حکومت سے منظور شدہ بچہ گود دینے کی سات تنظیمیں ہیں جن میں بچہ گود دینے سے متعلق تمام ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر بچہ گود دینے کے نام پر روپیہ کمانے کا دھندا پھل پھول رہا ہے۔ بچہ گود لینے والے ہندستانی جوڑے چوں کہ عام طور پر زیادہ پیسے نہیں دے سکتے اس لیے اکثر وبیشتر ان کی طلب کو نظر انداز کرتے ہوئے باہری جوڑوں کو بچے گود دیے جاتے ہیں۔ اس کے اوسط کا ایک اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ان تنظیموں کے ذریعہ ۴۲۰ بچوں کو گود دیا گیا ان میں سے ۱۷۴ باہری جوڑوں کے حصے میں رہے۔ جب کہ ۱۹۹۳ء میں ان کا اوسط ۵۱۵ میں ۲۴۲، ۱۹۹۴ء میں ۳۳۲ میں ۱۴۳ اور ۹۵ء میں صرف جون کے مہینے تک یہ اوسط ۱۱۶ میں ۵۵ بچوں کا تھا جو ملک سے باہر چلے گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایسے تمام باہری جوڑے ان بچوں کا لازمی استحصال ہی کرتے ہیں۔ لیکن اس رپورٹ کے مطابق اس کی مثالیں کم نہیں ہیں کہ ان بچوں کو آسٹریلیا کے فارموں میں غلاموں کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ دوسری صورتوں میں ان میں سے صحت مند بچوں کو باہر لے جا کر ان کے مختلف اعضاء کو

---

(۱) ہندی روزنامہ امر اجالا آگرہ ۷ رمئی ۱۹۹۳ء تحت عنوان: बच्चों की खरीद फरोख्त (بچوں کی خرید وفروخت)

اونچے داموں پر بیچ دیا جاتا ہے[1] دوسری مثال بدھ مرکز مقدس ''گیا'' کی ہے جہاں سے ۱۲، ۱۳ سال کے نابالغ نادار بچوں کو عملاً فروخت کر کے غلامی کی لعنت میں ڈھکیلا جا رہا ہے۔ طرفہ ستم ہے کہ اس کاروبار میں تبّتی بدھ ملوث ہیں جو بنگلور میں مستقل قیام پذیر ہو گئے ہیں۔ بنگلور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ان سے انتہائی معمولی مزدوری پر کام کرایا جاتا ہے۔ گیا کے سرکاری افسران کے نزدیک یہ کاروبار جائز ہے اور اس پر ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے یہ سب کچھ ان بدقسمت بچوں کے مجبور والدین کے ذریعہ ان کی مرضی اور پسند سے کیا جاتا ہے۔ اسی رپورٹ میں ایسے کچھ بچوں کے نام ان کی ولدیت اور مقام کی تفصیل کے ساتھ فراہم کیے گئے ہیں[2] دوسری اطلاع کے مطابق ملک میں ہر سال پانچ تا بارہ سال کی عمر والی چودہ ہزار سے زائد لڑکیاں فروخت کر کے کوٹھوں پر بٹھا دی جاتی ہیں۔ قومی کمیشن برائے خواتین کی رکن مونیکا داس کے مطابق نابالغ لڑکیوں کی خرید و فروخت کے اس کاروبار میں سر فہرست آندھرا پردیش ہے، اس کے بعد بہ ترتیب راجستھان، مدھیہ پردیش اور بہار کا نمبر ہے[3] بہار کے سلسلے میں یہ اطلاع بھی باعث تشویش ہے کہ غریب والدین شادی کے نام پر عملاً اپنی کم عمر لڑکیوں کو فروخت کر رہے ہیں۔ وہ متعین رقم لے کر ان لڑکیوں کو لوگوں کے نکاح میں دے دیتے ہیں اور پھر پلٹ کر ان کا حال دریافت نہیں کرتے ہیں۔ راقم السطور کی ذاتی واقفیت میں ضلع اعظم گڑھ اور اس کے اطراف میں اس وقت اس کا عام چلن ہے اور کسی رکاوٹ کے بغیر یہ کاروبار جاری ہے۔

اطفال بردہ فروشی - بیرون ہند میں

لیکن یہ تیسری دنیا کے غریب ملک صرف ہندستان کا ہی معاملہ نہیں ہے۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی یہ وبا اسی طرح پھیلی ہوئی ہے جن میں امریکہ اور چین جیسے ترقی یافتہ ممالک بھی شامل ہیں۔ پڑوسی ملک سری لنکا تعلیم اور ترقی میں ہندستان سے بہت آگے ہے۔

---

(۱) ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمس نئی دہلی ۳۱/ اگست ۱۹۹۵ء، زیر عنوان: परदेसी गोदों में चले गए देसी बच्चे (پردیسی گودوں میں چلے گئے دیسی بچے)

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۹/ فروری ۱۹۹۹ء بہ عنوان: There Parents Sell their children for PattryRs.1000/= to earn Rs.150 a month (جہاں والدین اپنے بچوں کو ماہانہ ۱۵۰ روپے کمانے کے لیے صرف ایک ہزار کی معمولی رقم میں فروخت کر دیتے ہیں)۔

(۳) قومی آواز نئی دہلی ۲۱/ مارچ ۱۹۹۲ء زیر عنوان نابالغ لڑکیوں کی فروخت۔ آندھرا پردیش سر فہرست۔

لیکن یہاں بھی غیر ملکی جوڑوں کو بچوں کی فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں ایسے نجی اداروں کی بہتات ہے جو غریب ماؤں سے ان کے نوزائیدہ بچوں کو ایک ہزار روپے (۲۵ر ڈالر) میں خرید کر غیر ملکی جوڑوں کو ۲۵ر ہزار روپے (۶۰۰ ڈالر) میں فروخت کرتے رہتے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۹۲ء یعنی کہ اس رپورٹ کی اشاعت کے وقت تک غیر ملکی لوگ سری لنکا سے گیارہ ہزار پانچ سو (۱۱۵۰۰) بچے گود لیے جا چکے ہیں۔ صورت حال کی اسی سنگینی کو دیکھتے ہوئے سری لنکا کی پارلیمنٹ نے اس کے خلاف متفقہ قانون پاس کیا ہے۔ ساتھ ہی اس کے غیر موثر ہونے پر مزید سخت قانون بنانے کے عزم کا اظہار کیا ہے[۱] تھوڑے دور کے پڑوسی ویتنام کا معاملہ اس سے بھی آگے ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق یہاں کے ایک شہر ہوچی مینہ (Hochi Minh) میں ایک زیر زمین بازار ہے جہاں اولاد کے خواہش مند بے اولاد جوڑے حاملہ عورتوں سے ان کے بچوں کو خرید سکتے ہیں۔ بچے کی جنس نیز سرکاری پیدائش سرٹی فیکیٹ ہونے نہ ہونے سے ڈالر میں ان کی قیمت 215 سے ۱۰۷۰ تک ہوتی ہے۔ اسی رپورٹ کے حوالے سے اس بازار میں عام طور پر ۴ سے لے کر سات تک حاملہ عورتیں ہر وقت موجود ہوتی ہیں، جو پیدائش کے بعد اپنے بچوں کی فروخت کی آرزومند ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض عورتوں کا کھلا اعتراف تھا کہ اس سے قبل وہ ایک سے زائد بار اپنے ہونے والے بچوں کو فروخت کر چکی ہیں[۲] اس خصوص میں چین کا معاملہ ویتنام سے بہت آگے ہے۔ جہاں اخبار کی سرخی کے مطابق بچوں کی خرید و فروخت سبزیوں کی طرح ہو رہی ہے۔ ملک کی راجدھانی بیجنگ میں بچوں کی خرید و فروخت کا کاروبار علانیہ جاری ہے، جس میں غریب والدین اپنے بچوں کو بڑے شہروں کے دولت مندوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔ البتہ لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کا دام یہاں کافی کم ہے۔ یہ صرف ۱۹۴ ڈالر میں مل جاتی ہیں جب کہ ایک صحت مند بچے کا دام عام طور پر اس سے چار گنا زیادہ ہوتا ہے۔ غربت کے علاوہ اس خرید و فروخت کی گرم بازاری کا دوسرا سبب یہاں 'ون چائلڈ فیملی' ہر خاندان کے لیے صرف ایک بچہ کا اصول ہے، جس کی خلاف ورزی پر ۴۲۱

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۲۳ر فروری ۱۹۹۲ء۔ زیر عنوان: غیر ملکی جوڑوں کو بچوں کی فروخت۔ سری لنکا میں ممانعت کا قانون۔

(۲) انگریزی روزنامہ دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۷ ۲ر نومبر ۱۹۹۸ء تحت عنوان: Infant Market (بچوں کا بازار)

ڈالر کا جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جس سے بچنے کے لیے اکثر اوقات چوری چھپے ایسے بچوں کو فروخت کر کے بے جا دینے کے الٹے کمائی کر لی جاتی ہے۔[۱] پہلی دنیا میں بھی سرفہرست سپر پاور امریکہ بھی اس برائی کے معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ چناں چہ اطلاع ہے کہ امریکہ میں ہر سال جنوبی امریکہ کے بیس ہزار سے زیادہ بچوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ان بچوں کو ناجائز کاموں میں لگا دیا جاتا ہے۔ نیز ان کے جسم کے حصے نکال کر مریضوں کو فروخت کر دیے جاتے ہیں۔ میکسیکو شہر کے اخبار 'الدیا' کی طرف سے کیے گئے ایک سروے سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ ان بچوں کو اسمگلنگ کے کام میں لگانے کے علاوہ ان کے اعضاء کو نکال کر فروخت کیا جاتا ہے۔ کچھ بچوں کو گود بھی لے لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا سب سے تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ اس غیر انسانی کام میں وکلاء، رضا کار تنظیمیں اور مذہبی ادارے تک ملوث ہیں۔ اس خبر کے مطابق میکسیکو کے کئی صوبوں میں بے بی فارم قائم ہیں جہاں اسی مقصد سے بچوں کو رکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کو ناجائز کاموں میں لگانے کے لیے ہی ان کی پرورش کی جاتی ہے۔ ان فارموں میں سلواڈور اور نکارگوا کے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان بچوں کو فروخت کر کے متعلقہ فرمیں اپنے لیے لاکھوں ڈالر کی کمائی کا انتظام کرتی ہیں۔[۲] جب اس وقت کی زمینی جنت امریکہ کا یہ حال ہے تو اس حوالے سے اب دوسرے ملکوں کی مزید مثالوں سے اس بحث کو مزید بوجھل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قحبہ گری

مسائل سے بھری یہی دنیا ہے، جس میں بردہ فروشی اور مردوں اور عورتوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کی تجارت کے ساتھ صاف اور صریح قحبہ گری (Prostitution) کی لعنت موجود ہے۔ یوں تو بردہ فروشی کی صورت میں بھی، جیسا کہ پچھلی سطروں میں آپ نے دیکھا، بہت سی عورتیں اور لڑکے اور لڑکیاں انجام کار جسم فروشی اور جنسی استحصال کی نوع بہ نوع شکلوں میں ڈھکیل دیے جاتے ہیں۔ لیکن اس اتفاقی صورت کے علاوہ جسم فروشی اور قحبہ گری کا مستقل پیشہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ادھر دن پر دن سماجی معیارات اور اخلاقی قدروں میں جو گراوٹ آ رہی ہے اس کے ایک مظاہرے میں تحریر و تقریر اور پرنٹ میڈیا اور

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۹ رمئی ۱۹۹۹ء تحت عنوان: چین میں بچوں کی خرید و فروخت سبزیوں کی طرح ہو رہی ہے۔

(۲) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ رفروری ۱۹۹۳ء زیر عنوان، امریکہ میں ہر سال ہزاروں بچوں کی فروخت۔

الکٹرانک میڈیا ہر ایک میں بعض ایسی اصطلاحات کا بے محابا استعمال ہو رہا ہے جس کو آج سے دس بیس سال پہلے چشم تصور میں بھی لانا محال تھا۔ انھی میں سے ایک بدنام زمانہ جسم فروشی اور قحبہ گری ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں دوسری بہت سی صنعتوں کے ساتھ اسے بھی ایک صنعت کا درجہ دیا گیا ہے۔ چناں چہ پورے دھڑلے سے اس ننگ انسانیت پیشے کے لیے جنسی صنعت (Sex Industry) کی اصطلاح استعمال کی جارہی ہے اور جو لوگ اس پیشے سے وابستہ ہیں انھیں باقاعدہ جنسی مزدور (Sex workers) کے نام سے یاد کیا جارہا ہے۔ رشتہ ازدواج سے باہر غیر عورتوں سے جنسی تعلق اور زنا کاری اور بدکاری کی برائی دنیا میں قدیم سے رہی ہے لیکن آج کے دور میں اس مقصد سے گاؤں دیہات اور قصبے سے لے کر ہر بڑے شہر میں اس کے لیے الگ محلے اور علاقے، جنھیں اصطلاح میں ریڈ لائٹ ایریا ز کہا جاتا ہے، اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حقوق انسانی، عظمت نسواں اور نصف بہتر کے کاز کی چمپین آج کی نئی دنیا میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کی ترقی اور وسائل حیات کی بہتری اور فراوانی میں اضافے کے ساتھ ایسا لگتا ہے کہ اس پیشے نے بھی نئے دائرے اور نئے طرز و انداز اختیار کر لیے ہیں۔ بیوٹی پارلرس اور مساج سنٹرس اس برائی کے ابھرتے نئے مراکز تو ہیں ہی، دولت اور اقتدار کے گلیاروں اور پانچ ستارہ ہوٹلوں جیسی جگہوں میں تو آج شراب اور کباب کی طرح باقاعدہ انسانی جسم کی بھی سپلائی ہو رہی اور کھانے کے مینو کے ایک حصے کی طرح اسے بھی اسی طرح ساتھ سجا کر پیش کیا جارہا ہے۔ اس پیشہ کی اس ترقی یافتہ اور زیر گردش حصے سے ہٹ کر پہلے اس سے وابستہ مستقل قیام پذیر طبقے کی ملک و بیرون ملک صورت حال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ پہلے عزیز وطن ہندستان کو لیتے ہیں۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس وقت ملک میں باقاعدہ جسم فروش عورتوں کی تعداد تیئیس لاکھ، اسی طرح ان کے بچوں کی تعداد اکیاون لاکھ ہے۔ یہ جسم فروش عورتوں اور ان کے بچوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے سرگرم ایک تنظیم کا سروے ہے، جس کے مطابق ملک میں ایک ہزار ایک سو ریڈ لائٹ علاقے ہیں جہاں جسم فروشی کا کاروبار کرنے کی اجازت ہے۔ اسی سروے کے مطابق ہر سال پچیس ہزار لڑکیاں جسم فروشی کے پیشے میں داخل ہو رہی ہیں جن میں سارک کے ممبر ملکوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ سروے کے مطابق جسم فروش عورتیں اور ان کے بچے انتہائی گندے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں اور مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں۔

دوسرے حوالے میں اس تنظیم کی تفصیل اور دوسری معلومات کا اضافہ ہے۔ یہ طوائفوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی کل ہند تنظیم 'بھارتیہ تپسیا اڈھار سبھا' ہے جس کے صدر جناب خیراتی لال بھولا کے مطابق ملک میں تقریباً تئیس لاکھ عورتیں ہیں جو اپنا جسم فروخت کرکے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔[۱] ان کے ساتھ اکیاون لاکھ بچے ہیں جو دو لاکھ پچھتر ہزار کوٹھوں پر رہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی ان کا کہنا ہے کہ پورے ملک میں ایک ہزار ایک سو علاقے ہیں جن کی شناخت ریڈ لائٹ علاقوں کے طور پر کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسی سے کہیں زیادہ کال گرلس ہیں جو پوش کالونیوں اور مہنگے رہائشی علاقوں میں رہتی ہیں اور جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں۔ جناب خیراتی لال کا کہنا ہے کہ ہر سال اس دھندہ میں ڈھائی ہزار لڑکیوں کو جبراً ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ جن میں سارک ممالک کی بدنصیب لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں سالانہ دس لاکھ نوجوان لڑکیوں کو اس پیشہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جناب خیراتی لال کے مطابق پوری دنیا کے اقوام متحدہ میں شامل ممبر ممالک کے ۱۸۹ میں سے ۱۷۶ ممالک ایسے ہیں جن کے یہاں ریڈ لائٹ علاقے معروف ہیں۔ اسی بیان میں اس تنظیم کے ذریعہ قابل لحاظ تعداد میں لڑکیوں کو اس پیشہ سے نجات دلائی گئی اور ان کی باز آبادکاری کی گئی ہے۔[۲] یہ اس حوالے سے ملک کی مجموعی صورت حال ہے۔ الگ الگ صوبوں کی نسبت سے صوبہ دہلی میں کم و بیش نئی اصطلاح کے مطابق ۳۵۰۰ (تین ہزار پانچ سو) جنسی مزدور (Sex workers) ہیں۔ مدھیہ پردیش میں ان کی تعداد ۲۶۰۰۰ (چھبیس ہزار) اور راجستھان میں ۶،۱۱۹ (چھ ہزار ایک سو انیس) ہے۔ جب کہ اڑیسہ کو ملا کر ان چاروں صوبوں میں ہجڑوں کی کل تعداد ۳۳۰۰۰ (تینتیس ہزار) ہے۔[۳] مدھیہ پردیش کے بنچھارا (Banch hars) اور بیدیا (Bedias) قبائل میں جو اس صوبہ کے اکیس اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں اس پیشے کو

(۱) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۶ر اپریل ۱۹۹۹ء زیر عنوان: ہندستان میں جسم فروش عورتوں کی تعداد ۲۳ لاکھ ہے۔

(۲) راشٹریہ سہارا دہلی ۷ر دسمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی ۲۳ ر لاکھ خواتین بنیادی سہولیات سے محروم۔ رضا کار تنظیم "بھارتیہ اڈھار سبھا" کے صدر خیراتی لال بھولا کا اظہار تشویش۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰ر نومبر ۱۹۹۸ء بہ عنوان: Sex workers & eunuchs Untapped or Bogus Vote bank. (جنسی مزدور اور ہجڑے: ان کے ووٹ یا تو پڑتے ہی نہیں، یا ان کے نام پر جعلی ووٹ ڈال دیے جاتے ہیں)۔

ایک طرح کا خاندانی استناد حاصل ہے اور یہ ان کی موروثی روایت ہے۔ تاہم غربت و افلاس اور بے روزگاری بھی رپورٹ کی اصطلاح کے مطابق اس تجارت (Trade) سے وابستہ ہونے کا بڑا سبب ہے۔[۱] اس سلسلے میں راجستھان کا حال مدھیہ پردیش سے مختلف نہیں ہے جہاں اس کے بنجارا، راجھٹ، کنجر، بیدیا اور ڈہریدار، قبیلوں کا بچہ طوائفی ایک طرح سے خاندانی پیشہ ہے، جو راجدھانی سے متصل ملک کے اس صوبے میں پورے دھڑلے سے جاری ہے۔ پورے ملک میں اگر لڑکی بچہ طوائفوں (Girl child Prostitutes) کا اوسط تین فی صد ہے تو اس صوبہ میں ۴۵ تا ۵۵ فی صد ہے۔ مزید اس سلسلے میں کیے گئے مطالعہ سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت ۱۴ رسال کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی اس پیشے سے وابستہ کردی جاتی ہے۔[۲] اس سلسلے میں سب سے برا حال ملک کی سب سے زیادہ خواندہ ریاست کیرلا کا ہے۔ ممبئی، کلکتہ اور دہلی کے برعکس ملک کی یہ واحد جگہ ہے جہاں ریڈ لائٹ ایریاز یا مستقل چکلوں (Brothels) کی سہولت نہیں ہے۔ چناں چہ کیرلا کی ان جنسی مزدوروں (Sex workers) کو کھلے آسمان کے نیچے گلیوں اور سڑکوں پر ہی کام چلانا پڑتا ہے۔[۳] صوبہ میں اس پیشے (Profession) میں لگی عورتوں کا کوئی باقاعدہ سروے تو نہیں ہے جس سے ان کی متعین تعداد کا اندازہ کیا جاسکے تاہم ایک عام اندازے کے مطابق صوبہ کیرلا کے چار بڑے شہروں میں جنسی مزدوروں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ مزید براں کیرلا کے ان بڑے شہروں کی جنسی مزدوروں کی اکثریت کا تعلق جھگی

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی، ۱۳ر مئی ۱۹۹۹ء۔ تحت عنوان: Sex workers being Rehabilitated in M.P. (جنسی مزدور جن کی مدھیہ پردیش میں نو آبادکاری کی کوشش کی جارہی ہے)۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳ر نومبر ۱۹۹۸ء۔ تحت عنوان: Child Prostitution a family business among nomads. (بچہ طوائفی خانہ بدوشوں کا خاندانی پیشہ)

(۳) اس صوبے میں معلوم ریڈ لائٹ ایریاز نہ ہونے کا دوسرا نقصان ہے کہ بے چاری طوائفیں اس کی وجہ سے دلالوں اور بچولیوں کی گرفت میں ہوتی ہیں۔ جو انھیں طرح طرح سے پریشان کرتے اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ پولیس والے اس میں سرفہرست ہیں جو جسمانی اور مالی دونوں طرح ان طوائفوں کا استحصال کرتے ہیں۔ دی ٹائمس آف انڈیا لکھنؤ ۱۵ر فروری ۲۰۰۰ء زیر عنوان: Sex workers too demand minimum wages. (جنسی لذت گزاروں کی طرف سے بھی کم سے کم اجرت کا مطالبہ)۔ اس خبر کے مطابق یہ مطالبہ فی عمل سو روپے کا ہے۔

جھونپڑیوں (Slums) سے ہے۔ نیز یہ کہ ان میں سے اکثر کی عمریں ۱۸ سال سے لے کر ۳۵ سال کے درمیان ہیں[1] صوبوں سے نکل کر اب ذرا ملک کے بڑے شہروں کی طرف چلتے ہیں۔ یہ کم سنی کی عصمت فروشی پر سنٹرل ایڈوائزری کمیٹی کی ایک رپورٹ ہے، جس کے مطابق ممبئی، کلکتہ، مدراس، دہلی، بنگلور اور حیدر آباد جیسے بڑے شہروں میں یہ سماجی لعنت بہت زیادہ ہے جہاں ایک اندازے کے مطابق ستر ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک لڑکیاں اس پیشے سے وابستہ ہیں۔ جن میں ۱۵ فی صد کی عمر ۱۵ سال سے بھی کم ہے جب کہ ۲۴ء۵ فی صد کی عمر ۱۶ سے ۱۸ سال کے درمیان ہے۔ اسی سروے کے مطابق ان بڑے شہروں کی طوائفوں میں ۸۶ فی صد آندھرا پردیش، کرناٹک، تمل ناڈو، مغربی بنگال، مہاراشٹر اور اتر پردیش سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب کہ بقیہ آسام، بہار، گجرات، گوا، مدھیہ پردیش، کیرل، میگھالیہ، اڑیسہ، پانڈیچری، راجستھان اور دہلی کی ہیں۔ اس سروے سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ان طوائفوں میں ۹۴ء۶ فی صد ہندستانی ہیں۔ نیز ان کی غالب اکثریت یعنی ۸۴ء۳۶ فی صد تعداد ہندو ہے۔ مزید براں ملک کی تقریباً ۴۰ر فی صد طوائفیں ۱۸ر سال سے بھی کم عمر میں اس پیشے سے وابستہ کر دی جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ دوسرے اسباب کے علاوہ عصمت فروشی کی بنیادی وجہ غربت اور افلاس ہے[2] اور معاملہ صرف بڑے شہروں کا ہی نہیں۔ چھوٹے چھوٹے مقامات اور چھوٹے چھوٹے شہروں تک یہ وبا اسی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ بہار کا ضلع سیتا مڑھی اس کی ایک مثال ہے۔ اس کا 'بوہا ٹولا' علاقہ تو پہلے سے جسم کی تجارت کے لیے بدنام تھا ہی، ذرائع کے مطابق اس وقت اس کے علاوہ شہر میں قریب دو درجن سے زائد مقامات پر باضابطہ جسم فروشی کا دھندہ پھل پھول رہا ہے۔ جس میں ۱۶ سال سے لے کر ۴۰ سال تک کی خواتین ملوث ہیں۔ اسی اطلاع کے مطابق جسم فروشی کے دھندے میں لگی خواتین قرب و جوار کے علاقوں سے شہر میں آکر ریلوے اسٹیشن، بس اسٹاپ، سنیما ہال سمیت مختلف مقامات پر اس دھندے میں مشغول رہتی ہیں۔ مزید، یہ عورتیں شہر کے بڑے ہوٹلوں میں بھی گاہکوں کی تلاش میں وقت گزارتی ہیں۔ جہاں ان کا آنا دو شفٹ میں ہوتا ہے۔ اور یہ اپنے

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳ر فروری ۱۹۹۹ء زیر عنوان: Sex workers in Kerala to form union (کیرالا میں جنسی مزدوروں کا اپنی یونین بنانے کا ارادہ)۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۲ر اگست ۱۹۹۴ء بہ عنوان: چالیس فی صد طوائفیں سن بلوغیت سے قبل قحبہ خانوں میں پہنچا دی جاتی ہیں۔

خاندان کے افراد کی موجودگی میں بھی اپنے دھندے سے متعلق لین دین کرتی ہیں۔ بسا اوقات ان جسم فروش خواتین کے گاہک اعلیٰ طبقے اور سماج میں اعلیٰ رتبہ رکھنے والے افراد ہوتے ہیں، جو ان کے جسم کے مستقل خریدار ہوتے ہیں۔[1] یہ ایک آئینہ ہے۔ اس میں ملک کے دوسرے ایسے ہی ضلعوں اور شہروں کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔

برائی کو برائی تسلیم کیا جائے تو اس کو دور کرنے اور اس سے چھٹکارا پانے کی امید کی جاتی ہے۔ لیکن وطن عزیز میں اس مسئلے کا سب سے تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے دانش وروں کی ایک جماعت جسم فروشی کے اس دھندے کو باقاعدہ روزگار تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ یہ طوائفوں کی زندگی پر لکھی گئی ایک کتاب 'شبینہ پرندے' (نائٹ برڈس) کی مصنفہ جناب ڈاکٹر کے لکشمی رگھورمیا کے خیالات ہیں جن سے ملک کے ممتاز سیاست داں جناب گوپالا ریڈی کو پورا اتفاق ہے۔ کتاب میں اس بات کی وکالت کی گئی ہے کہ دیگر دھندوں کی طرح جسم فروشی کو بھی ایک مستقل پیشہ تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اس کتاب کی رسم اجرا کے موقع پر جناب گوپالا ریڈی نے مصنفہ کے اس خیال سے اتفاق کیا کہ جسم فروشی کے لیے باقاعدہ لائسنس کا رواج شروع ہو۔ نیز یہ کہ طوائفوں کی طبی جانچ پڑتال کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیے۔ اسی موقع پر موصوف نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جسم فروشی پر قانونی پابندی لگانے سے یہ دھندا چوری چھپے پھیلے گا، جس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اس کو کھلے طور پر جاری رہنا چاہیے۔ اور اس پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا مناسب نہیں ہے۔[2] دوسرے موقع پر طوائفوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم کی طرف سے طوائفوں کو باقاعدہ راجیہ سبھا میں نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اسی موقع پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ کئی مغربی ملکوں نے اپنی پارلیمنٹوں میں طوائفوں کو نمائندگی دے دی ہے تو پھر ہندستان جیسے ملکوں ہی میں انھیں اس سے کیوں محروم رکھا جانا ضروری ہے۔[3] خود طوائفوں کا یہ مطالبہ اس کے علاوہ ہے کہ ان کے پیشے کو باقاعدہ تسلیم کیا جائے اور اس کو باقاعدہ سرکاری تحفظ فراہم کیا جائے۔

---

(۱) راشٹریہ سہارا دہلی ۲/اپریل ۲۰۰۰ء زیر عنوان: سیتامڑھی میں کئی مقامات پر چوری چھپے جسم فروشی کا دھندہ جاری۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی، ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۱ء بہ عنوان: جسم فروشی کو باضابطہ روزگار تسلیم کرنے کا مطالبہ۔

(۳) قومی آواز نئی دہلی، ۲۸/جون ۱۹۹۰ء زیر عنوان: طوائفوں کو راجیہ سبھا میں نمائندگی دینے کا مطالبہ۔

ساتھ ہی ایسے تمام قوانین کو کالعدم قرار دیا جائے جو ان کے جنسی کاروبار کو ناجائز قرار دیتے ہوں(۱)
دوسرے مواقع پر بھی ان کے اسی مطالبے کی بازگشت اسی طرح سنائی دیتی ہے(۲)

جب روحانیت میں ڈوبے اور مذہبیت میں گہری جڑیں رکھنے والے ہندستان کا یہ حال ہے تو مذہب کا لبادہ اتار پھینکنے والے یورپ کے معاملے کو تو اس سے آگے ہونا ہی چاہیے۔ چناں چہ جرمنی کے شہر فرینک فرٹ میں یورپی ممالک کی طوائفوں کی پہلی تین روزہ کانفرنس کے آخری دن مندوبین کی جانب سے یہ اپیل کی گئی ہے کہ ان کے جنسی دھندے کو قانوناً جائز قرار دیا جائے۔ اسی کانفرنس میں مختلف یورپی ممالک سے تعلق رکھنے والی دوسو عورتوں اور مردوں نے ایک قرارداد منظور کی، جس میں کہا گیا ہے کہ طوائف معاشرے کا ایک اہم حصہ ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جنسی دھندے کو قانون کے ذریعہ تسلیم کیا جانا چاہیے۔ کانفرنس کے دیگر مہمانوں میں افریقہ اور تھائی لینڈ کے مشاہدین بھی شامل تھے۔ اس کانفرنس کے شرکاء کا کہنا تھا کہ جنس ایک 'خدماتی صفت' ہے جس کی معاشرے میں بے حد مانگ ہے۔ اس کے باوجود اب تک طوائفوں کو فاحشہ تصور کیا جاتا ہے۔ آخر میں اس احساس کا اظہار کیا گیا ہے کہ طوائفوں کے ساتھ معاشرے کے اس رویے سے طوائفوں کی نفسیات پر گہری چوٹ پہنچتی ہے۔ پڑوسی ملک چین کا حال ہندستان اور یورپ سے مختلف نہیں ہے جہاں اندرون ملک جنسی مزدوروں (Sex workers) کی فراوانی کے ساتھ بیرون ملک ان کی درآمد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اسی سلسلے میں ۵۱ چینی جنسی مزدوروں کی تھائی لینڈ میں گرفتاری عمل میں آئی ہے۔

آسٹریلیا کا معاملہ اس سلسلے میں بوجوہ کچھ زیادہ ہی ترقی یافتہ نظر آتا ہے۔ جہاں جنسی صنعت (Sex industry) کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں مرد گاہکوں کے ساتھ

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۲۰ ر نومبر ۱۹۹۹ء۔ خبر بہ عنوان: طوائفوں کے پیشے کو سرکاری تحفظ دینے کا مطالبہ۔ دہلی کی طوائفوں کی انجمن کلکتہ کنونشن کی قرارداد کی حامی۔ یہ شہر کلکتہ میں منعقد طوائفوں کے قومی کنونشن کا مطالبہ ہے جس کی تائید دہلی کی طوائفوں کی انجمن شوشت مہیلا ادھیکار پراکوشٹ کے ذریعہ کی گئی ہے۔ اسی خبر کے مطابق دہلی کے جی بی روڈ ایریا کی طوائفوں کی تعداد چار ہزار ہے نیز یہ کہ ملک کے تمام بڑے شہروں میں طوائفوں کی حالت اتنی خراب ہے کہ وہ صرف دو روپیہ میں دھندا کرنے کے لیے مجبور ہوتی ہیں۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی، ۳۰ ر اپریل ۲۰۰۰ء۔ زیر عنوان: Sex Workers to hold rallies for rights. (جنسی کامگاروں کا اپنے حقوق کے لیے ریلیاں منعقد کرنے کا منصوبہ)۔

پیشہ ور لڑکیوں کو بھی بالکل ان کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ یہ اس ملک کی راجدھانی سڈنی میں اسی سال ستمبر میں ہونے والے اولمپک کھیلوں کے زمانہ کے پس منظر سے متعلق خبر ہے۔ چوں کہ اس کی مناسبت سے ہزاروں کی تعداد غیر ملکی، انڈین اور مشاہدین کا اس شہر میں ریلا ہوگا اسی لیے ان کی مخصوص ضرورت کی تکمیل کے لیے یہاں کی جنسی صنعت بالکل مستعد ہوگئی ہے۔ اس موقع سے چوں کہ یومیہ قریب ڈیڑھ لاکھ اضافی گاہکوں کا دباؤ ہوگا اس لیے اس ضرورت کو پوری کرنے کے لیے آسٹریلیا کی دوسری ریاستیں اسی طرح بیرون ملک کی طوائفوں کے یہاں لانے کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس شہر میں قریب دس ہزار کی تعداد میں جو جنسی کام گار موجود ہیں وہ چوں کہ اس موقع کے لیے کافی نہیں ہوں گی اس لیے مزید جنسی کام گاروں کی خدمات کا حاصل کیا جانا ضروری ہے۔ تاکہ اس سنہری موقع کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے اور زیادہ سے زیادہ کمائی کی جاسکے۔ ایک پرجوش جنسی کام گار کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ اپنے مجوزہ سفر کو زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنانے کے لیے وقفہ دے کر یومیہ اسے بارہ گھنٹہ کام کرنا ہوگا۔ اس خبر کا اصل زور انگریزی میں ہی دیکھنے کے قابل ہے، دیگر متعلقات کی تفصیل کے ساتھ جس کا صرف حوالہ ہی دیا جاسکتا ہے۔(۱)

---

(۱) دی ٹائمس آف انڈیا، لکھنؤ ۱۵ر فروری ۲۰۰۰ء زیر عنوان: Sydney Sex industry ready for the boom (سڈنی کی جنسی صنعت بھرپور کمائی کے لیے کمربستہ)۔ نمونہ کے لیے قارئین اس خبر کے چند جملے دیکھیں جنھیں عبرت کے لیے نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

The city's legalised sex industry is gearing up to cash on the hundreds of thousands of foreign visitors who will Pour in Sydny for the sport feast. There is no doubt that Sydney's sex industry is going to have a bumper month. The brothels and escort services will have a Potential 150,000 extra clients a day. And to help sydney to cope with tru in flux Prostitutes from other Australian states and abroad are expected to be brought to help meet the demand. There is no doubt extra sex workers will have to be brought in the estimated 10,000 workers in New south wales will not be able to cope.

اسی رنگ میں یہ خبر آخر تک اسی طرح ڈوبی ہوئی ہے۔ اور اس کا جوش آخر تک اسی طرح برقرار رہتا ہے، جسے قلم انداز ہی کیا جاسکتا ہے۔

تھائی لینڈ، سنگاپور اور اس کے پڑوس کے ملکوں میں اس سلسلے کی اس سے آگے کی برائی اس وقت خوب پھل پھول رہی ہے۔ نوجوان لڑکوں کو ان کی ۱۲، ۱۳ سال کی عمر (Teen age) میں آپریشن کے ذریعہ ان کو لڑکیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اور مختلف طبی تدابیر کے ذریعے ان کے دیگر نسوانی علامات اور تقاضوں کو ابھار دیا جاتا ہے۔ بڑے ہوٹلوں میں کھانے کے مینو کے ساتھ یہ مصنوعی لڑکیاں بھی کاونٹر پر اس طرح موجود ہوتی ہیں کہ گراہک کی ان پر نظر پڑے اور وہ اپنی پسند سے کھانے کے مینو کے ساتھ ان میں سے جس کا چاہے انتخاب کر سکے۔ مسلمان ملک ملیشیا میں ان تبدیل شدہ لڑکیوں (Tran Sexuals) کی آمد پر سخت پابندی ہے۔ اور یہ ملک بجا طور پر اپنے دین اور تہذیب کی پاس داری میں اس کے سلسلے میں بے لچک رویے پر اصرار کرتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق اس وقت پوری دنیا میں تقریباً چالیس لاکھ عورتیں ہیں جو جسم فروشی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ جسم فروشی سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرنس میں ماہرین کے انکشافات ہیں۔ اس کے مطابق یورپی یونین کے پندرہ ملکوں میں افریقہ، لاطینی امریکہ ایشیا اور مشرقی یورپ کی لاکھوں عورتیں یہ دھندہ کر رہی ہیں۔ یورپی یونین میں عملاً اس نے باقاعدہ غلاموں کی تجارت کی صورت اختیار کر لی ہے اور یہاں مشرقی یورپ اور ایشیا سے بڑی تعداد میں عورتیں آ رہی ہیں۔ صرف اسپین میں تقریباً تین لاکھ طوائفیں ہیں جن کی ستر فی صد تعداد دوسرے ملکوں سے آئی ہے، جو جسم فروشی کے لیے مجبور ہے۔ جہاں تک اسپین کی رہنے والی طوائفوں کا تعلق ہے ان میں سے صرف پانچ فی صد عورتیں ایسی ہیں جو اپنی مرضی سے یہ دھندہ کر رہی ہیں[1] اس لحاظ سے عملاً یہ اعداد و شمار صرف یورپ کے ہیں۔ ہندستان کی تیئس لاکھ سے زائد طوائفوں کو اس میں شامل کر لیا جائے تو عالمی سطح پر بڑی آسانی سے طوائفوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد بنتی ہے۔

کیا اس پر بھی معاصر دنیا اپنے آپ میں مگن رہنے کو جائز سمجھتی ہے۔ اس کے یہاں ٹھیک ٹھاک ہے۔ اور اپنے دکھوں کے درماں کے لیے اسے کسی نجات دہندہ کی تحریک کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) راشٹریہ سہارا دہلی ۲۸ رجون ۲۰۰۰ء زیر عنوان: دنیا کی چالیس لاکھ عورتیں جسم فروشی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور۔ اسلحہ کے بعد جنسی تجارت دنیا کا سب سے بڑا کاروبار، بین الاقوامی کانفرنس میں ماہرین کا انکشاف۔

اطفال قحبہ گری

ذرا پہلے ’اطفال بردہ فروشی‘ کے زیر عنوان اس کی کافی تفصیل آچکی ہے۔ لیکن یہ ہمارے زمانے اور ہمارے سماج کا بڑا سنگین معاملہ ہے۔ اس لیے اس سے متعلق مزید معلومات اور اعداد وشمار کی فراہمی میں کوتاہ قلمی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ بچوں کے حقوق کا جیسا کچھ تذکرہ اور چرچا آج کے دور میں ہے شاید ہی ماضی میں اس کی کوئی نظیر دیکھی جاسکے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اس سلسلے میں بہت کچھ ہوا بھی ہے اور کیا بھی جارہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود زمینی حقیقت یہی ہے کہ بچوں کی دنیا بڑے بھیانک مسائل سے دوچار ہے۔ اور ایسے نت نئے طریقوں سے ان کے ساتھ زیادتی اور ان کا استحصال کیا جارہا ہے کہ آج سے پہلے کم ترقی یافتہ انسان کا ذہن بھی زیادتی اور استحصال کی ان صورتوں کی طرف نہیں جاتا تھا۔ سرفہرست ان کا جسمانی اور جنسی استحصال ہے، جس نے گویا کہ ایک طرح سے وبا کی صورت اختیار کرلی ہے۔ آئیے اس سلسلے میں ملک وبیرون ملک کی صورت حال پر ایک ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بچوں کی عصمت فروشی جس قدر فلپائن یا سری لنکا جیسے ملکوں میں رائج ہے، ہندستان میں نہیں ہے۔ لیکن اس میں دورائے نہیں ہے کہ اندرون ملک اس دھندے میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ یہ کہنا ہے ایک ہندستانی مندوب جناب کے ٹی سریش کا جس کا اظہار انھوں نے تھائی لینڈ میں ہونے والے اس موضوع پر ایک سیمینار میں کیا۔ ان کے مطابق اس حوالے کے وقت تک ہندستان میں تقریباً بیس لاکھ افراد عصمت فروشی کا دھندا کرتے ہیں جن میں نابالغوں کا اوسط بیس فی صد ہے۔ اور ان کی اس تعداد میں دن پر دن اضافہ ہورہا ہے۔ ان کے مطابق اس دھندے میں لڑکیوں کو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے کو بھیجنا ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کی تعداد ایک وقت کے اندر بیس ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک ریاست سے حاصل کی ہوئی لڑکیوں کو راہ داری کے مرکزوں پر جو عموماً بڑے شہروں کے باہر ہوتے ہیں مویشیوں کی طرح نیلام اور فروخت کیا جاتا ہے۔ راہ داری کے بڑے مرکز آگرہ، وارانسی، کلکتہ اور مورنیا ہیں جب کہ دہلی سب سے بڑی منڈی ہے۔ مزید براں جسم کے اس دھندے میں کم سنی میں شامل ہونے والے افراد کا زیادہ تر تعلق نیپال سے ہے جہاں سے ہر سال تقریباً بیس ہزار کم سن لڑکیاں لائی جاتی ہیں۔ اسی سیمینار میں بچوں کے حقوق کے تحفظ سے متعلق تھائی فاؤنڈیشن کے سربراہ

جناب ڈاکٹر پراولے کا کہنا تھا کہ غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق ایسے بچوں کی تعداد کا اندازہ دس لاکھ کے قریب ہے جن پر ایشیا میں یہ دھندا پھل پھول رہا ہے۔ اسی جائزے کے مطابق بچوں سے جنسی اختلاط کے شائق مردوں کی سب سے زیادہ پسندیدہ منزل تھائی لینڈ ہے۔ جہاں ایک اندازے کے مطابق ساٹھ ہزار قحبہ خانے اور مالش کے مراکز ہیں۔ تھائی لینڈ میں کم سن لڑکیوں کی زیادہ مانگ رہتی ہے جہاں قحبہ خانوں میں کنواری کم سن لڑکیاں منہ مانگی قیمت وصول کرتی ہیں۔ سری لنکا کا معاملہ اس کے برعکس ہے جہاں کم سن لڑکوں کی زیادہ مانگ رہتی ہے جو ہم جنسی کے شائق سیاحوں کی طلب پوری کرتے ہیں۔ سماجی کارکنوں کے مطابق سری لنکا میں ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آخر میں سیاحوں کی آمد میں زبردست اضافہ ہو جانے کے بعد سے وہاں اسپتال جانے والے ایسے کم سن لڑکوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے جو امراض خبیثہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس بات پر بھی تشویش پیدا ہوگئی ہے کہ کم سنوں کے شائق افراد کم سن لڑکوں کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اسی ملک کے ایک صحافی مسٹر مورین سینے کا کہنا ہے کہ سری لنکا میں جسم فروشی کے دھندے میں تقریباً دس ہزار لڑکے ملوث بتائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مزید براں انھی کے مطابق اس عادت خبیثہ کی تسکین کی پسندیدہ منزل ملک کے مغربی ساحل پر وکادھا کی ساحلی تفریح گاہ ہے جہاں سیاح مہینوں قیام کرتے ہیں۔ فلپائن کا حال سری لنکا سے مختلف نہیں ہے۔ یونی سیف کے ایک جائزے کے مطابق وہاں کم سنی میں جسم فروشی کا دھندا کرنے والوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہے جن میں دو تہائی ایسے آوارہ لڑکے ہیں جو ہم جنسی کے شائق سیاحوں کی طلب پوری کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس سمینار میں فلپائن کے مندوبین نے اپنے ملک میں کم سنی میں جسم فروشی کے دھندے میں اضافہ کا سبب 'جنسی سیاحت صنعت' اور طویل عرصے تک امریکی فوجی اڈوں کا جاری رہنا قرار دیا۔ اسی طرح اس سمینار کے شرکاء کا اگرچہ اس پر اتفاق تھا کہ جسم فروشی کو اس دھندے کو تنہا سیاحت سے ہی فروغ نہیں ملا تاہم اسے انھوں نے ضروری خیال کیا کہ 'جنسی سیاحت' کے خاتمے کی مہم شروع کی جائے۔ جب کہ بعض دوسرے شرکاء کا احساس تھا کہ مختلف ملکوں میں غیر ملکیوں کے دوروں کی نوعیت ثقافتی تبدیلی کی نہیں رہ گئی ہے بلکہ اس کا مقصد محض لذت پسندی بن گیا ہے۔[1]

---

(۱) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی۔ ۱۵ مئی ۱۹۹۰ء جائزہ بہ عنوان: کم سنی میں عصمت فروشی کا دھندا ـــــ ایک جائزہ۔

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ایک چار روزہ بین الاقوامی کانفرنس میں بھی کیا گیا جو تھائی لینڈ، سری لنکا، تائیوان اور فلپائن میں بچوں کا جنسی استحصال ختم کرنے کے طریقوں پر غور و خوض کرنے کے لیے منعقد کی گئی۔ یہ کانفرنس جو ایشیائی سیاحت میں بچوں کا جنسی استحصال ختم کرنے والی بنکاک کی تنظیم قائم شدہ جنوری ۱۹۹۱ء کے زیر اہتمام انعقاد پذیر ہوئی، اس میں علاوہ دوسری باتوں کے ایک خاص بات یہ کہی گئی کہ تیسری دنیا کے ان ملکوں میں بیشتر سیاح امریکہ، جرمنی، جاپان اور آسٹریلیا سے آتے ہیں۔ ان ترقی یافتہ ملکوں کو ان اخلاقی مسائل کو حل کرنا چاہیے جن کی وجہ سے ان کے عوام آوارہ بن جاتے ہیں۔ یورپی سماج میں اگر ایک مہذب اور صحت مند صورت حال ہوتی تو اس کی طرف سے بچوں کے جنسی استحصال کے گھناؤنے واقعات رونما نہ ہوتے۔ اس کانفرنس کے مندوبین کے مطابق ان چاروں ترقی یافتہ ملکوں میں ہزاروں بچہ طوائف ہیں جن میں سے کچھ بچیاں ہیں۔ جب کہ ان کی اصل شکار گاہ ایشیا کے وہ ممالک ہیں جن کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔(۱) تھائی لینڈ کے سلسلے میں دوسرے ذرائع کا بھی کہنا ہے کہ بچہ طوائفی کی اس تجارت میں وہاں آٹھ سے لے کر چودہ سال کے لڑکوں کی بھرمار ہے جو کہنے کو تو ایک گراہک سے ۴۰ ڈالر وصول کرتے ہیں لیکن عملاً ان کے حصے میں بارہ ڈالر ہی آتا ہے باقی دلالوں کے پاس چلا جاتا ہے۔ اسی اطلاع کے مطابق ملک کی راجدھانی بنکاک میں ایسے پانچ ہوٹل ہیں جو اس دھندھے کے مرکز کے طور پر کام کرتے ہیں۔(۲) آسٹریلیا کا حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ جہاں جنسی ہوس پوری کرنے اور شہوانی لذت حاصل کرنے کے لیے بچوں کو استعمال کرنے والے پانچ ہزار عیاش طبع لوگ دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہر سال کم و بیش ۳۰ ہزار نابالغ و کمسن لڑکیاں اور گیارہ ہزار بچے ان کی بوالہوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے ذریعہ ان میں سے ۱۰۰ معلوم عیاشوں کی شناخت بھی ہوگئی ہے اور انٹرنیٹ کے ذریعے ان جگہوں کی تفصیلات بھی حاصل ہوگئی ہیں جہاں سمندر پار سے آنے والے اوباش سیاح بچوں اور بچیوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی اطلاع کے مطابق آسٹریلیا میں نابالغ لڑکیوں اور لڑکوں کو کرائے پر چلانے کا کاروبار کا بازار خاصا گرم ہے۔ مختلف زاویوں سے ان کی کھینچی گئی

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۵ / اپریل ۱۹۹۲ء زیر عنوان: ایشیائی ملکوں میں بچوں کے جنسی استحصال میں اضافہ۔

(۲) انگریزی روزنامہ انڈین اکسپریس نئی دہلی ۲۰ / جون ۱۹۹۰ء۔ خبر بہ عنوان: Boys in Prostitution (قحبہ گری میں گرفتار بچے)

برہنہ تصویریں اتنی اونچی قیمتوں پر بکتی ہیں کہ ان کا تصور کرنا محال ہے[1] جہاں تک اپنے ملک ہندستان کا سوال ہے، اس کے سلسلے میں یونی سیف کے ایک جائزے کا کہنا ہے کہ اس کے صرف بڑے شہروں میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ جنسی مزدور ہیں جن میں سے تیس فی صد بچے ہیں۔ دریں حالے کہ پوری دنیا میں ہر سال دس لاکھ سے زائد عورتیں اور بچے بردہ فروشی کی لعنت میں گرفتار ہو کر جسم فروشی کے جال میں پھنس جاتے ہیں[2] دوسرے حوالے سے ہندستان کی کل قریب بیس لاکھ طوائفوں میں بچوں کا اوسط پندرہ فی صد ہے۔ جب کہ اس کے خاصا بڑے شہروں کلکتہ، ممبئی، دہلی، مدراس، بنگلور اور حیدر آباد کی کل طوائفوں کا تیس فی صد بیس سال سے کم عمروں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے انتالیس فی صد طوائفیں جب اس پیشے میں داخل ہوئیں تو ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم تھی۔ یہ کسی اور کی نہیں حکومت ہند کی وزارت فروغ انسانی وسائل کی فراہم کردہ معلومات ہیں جن کا انکشاف ۱۹۹۴ء میں کیا گیا ہے۔ یہ اس کے باوجود ہے جب کہ ہندستان حقوق اطفال سے متعلق متحدہ اقوام کے اس ضابطے کا تصدیق کنندہ ہے جس میں حکومتوں اور حکمراں جماعتوں کی ذمے داری قرار دی گئی ہے کہ وہ بچوں کو ہر طرح کے جنسی استحصال اور جنسی زیادتی سے تحفظ فراہم کریں گی[3] دوسرے موقع پر ہندستان کے چھ بڑے شہروں سے متعلق مذکورہ معلومات پر یہ اضافہ ہے کہ ہندستان کی قریب بیس لاکھ طوائفوں میں سے چار لاکھ کم عمر (Minors) ہیں جن میں سے بیس ہزار سالانہ نیپال سے درآمد کی جاتی ہیں۔ ان جنسی مزدوروں (Sex workers) کے بچے جو مختلف پہلوؤں سے مسائل کی آماجگاہ ہیں ان کی تعداد کا اندازہ کم سے کم تریپن لاکھ ہے۔ پولیس اور غیر سرکاری تنظیموں (NGOS) کی اطلاع کے

---

(۱) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۸ ر ستمبر ۱۹۹۷ء زیر عنوان: رنگا رنگ جسموں کے یہ خریدار، یہ سوداگر۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰ ر اگست ۱۹۹۷ء تحت عنوان: One third of Sex workers are children: Unicef (جنسی مزدوروں کا ⅓ حصہ بچوں پر مشتمل۔ یونی سیف کی رپورٹ)۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۶ ر جنوری ۱۹۹۶ء سنکر سین (Sankar Sen) کا مضمون زیر عنوان: Child Prostitution (اطفال قحبہ گری)۔ خیال رہے کہ دوسری اطلاع کے مطابق صرف کلکتہ شہر کی کل طوائفوں کا ۱۵، ۱۵ سال سے کم عمر کا اور ۲۵ ر فی صد ۱۵ ر سے ۱۸ ر سال کے درمیان کا ہے۔ جب کہ اسی شہر میں کل بچہ طوائفوں کی تعداد پانچ ہزار ہے۔ جن کی اکثریت شہر کے مخصوص علاقوں میں کام کرتی ہے جن کا اس موقع پر نام بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو دی انڈین اکسپریس نئی دہلی ۸ ر مارچ ۱۹۹۷ء بہ عنوان: Minor Sexworkers caught in a vicious cycle (کمسن جنسی مزدوریں جو ایک نہ ختم ہونے والے برائی کے چکر میں گرفتار ہیں)۔

مطابق بعض صورتوں میں آٹھ اور نو سال کے بچوں کو بھی اس بدترین تجارت میں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ دیگر وجوہ کے علاوہ بڑھتی ہوئی اصرافیت (Consumerism) اور نمو پذیر مادہ پرستی (Materialism) جن کو میڈیا کی طرف سے ہر طرح سے بڑھاوا مل رہا ہے، ساتھ ہی اخلاقی قدروں کا زوال، مشترکہ خاندانی لگام کا بکھراؤ اور سڑکوں پر پھیلے بچے نیز آسان طریقے سے پیسہ بنانے کی ذہنیت یہ وہ کچھ مددگار عوامل ہیں جو اطفال قحبہ گری (Child Prostitution) کو بڑھاوا دینے والے ہیں۔ گزشتہ دہائی میں ہندستان میں سیاحت کی صنعت کا فروغ، جس سے باہری پیسے کو ملک میں لانے کا راستہ پیدا ہوتا ہے ہندستان میں جنسی تجارت کے پھیلاؤ کی یہ بھی ذمہ دار ہے[1] مزید براں سماجی ماہرین کے مطابق حالیہ برسوں میں ایشیا میں بچوں کے جنسی استحصال کے ڈرامائی طور پر بڑھ جانے کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ سیاح ان بچوں کو ایڈز کے جراثیم سے محفوظ سمجھتے ہیں[2] جب کہ دوسرے جائزے میں عام طور پر کمسنوں کے جنسی استحصال کا ایک سبب یہ مبنی بر خطا خیال ہے کہ ان کے ساتھ اس عمل میں Human (HIV) Immuno - deficiency virus کے جراثیم سے دوچار ہونے کا خطرہ کم رہتا ہے۔ مزید، بچوں اور کمسنوں کے ساتھ جنسی عمل کو ایڈز کی بیماری کا علاج بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی جائزے کے مطابق بہت سے بچے زور زبردستی کے ذریعہ، اغوا کر کے بیچ کر، دھوکہ دے کر یا ایسے ہی دوسرے طریقوں سے جنسی مراکز کو فروخت کر دیے جاتے ہیں[3] دوسرے موقع پر اطفال قحبہ گری کی شکار لڑکیوں کے سلسلے میں تفصیل ہے کہ کس طرح انھیں گاؤں اور قصبوں سے اغوا کیا جاتا ہے اور ایک بار جب وہ مافیاؤں، دلالوں اور جرائم پیشہ افراد کے ہاتھ لگ کر کوٹھوں پر پہنچا دی جاتی ہیں تو ان کے لیے پھر اس کے چنگل سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے[4] جب ہندستان اور اس سے باہر کی دنیا بچوں کے استحصال کی اس سب سے بھیانک صورت سے دوچار ہو تو اس سے کم تر بچہ

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳؍فروری ۱۹۹۳ء گوری سین (Gouri Sen) کا مضمون: Child Labour in its most depravated form (بچہ مزدوری اپنی بدترین بگڑی ہوئی صورت میں)

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۵؍اپریل ۱۹۹۲ء زیر عنوان: ایشیائی ملکوں میں بچوں کے جنسی استحصال میں اضافہ۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰؍اگست ۱۹۹۷ء تحت عنوان: One third of Sex workers are children جنسی مزدوروں کا ۱/۳ بچوں پر مشتمل)

(۴) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳؍فروری ۱۹۹۳ء، گوری سین کا محولہ مضمون: Child Labour in its most depravated form (بچہ مزدوری اپنی بدترین بگڑی ہوئی صورت میں)۔

مزدوری (Child Labour)، جرائم اطفال (Child delin quency) اور ان سے وابستہ دیگر مسائل کے سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے مسئلہ پر بحمد اللہ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے[۱] جرائم اطفال اور مسائل اطفال پر ان شاء اللہ آئندہ ہم دوسری مناسبت سے تفصیل سے لکھیں گے[۲]

جنسی انارکی

اوپر 'بردہ فروشی' اور 'قحبہ گری' کے زیر عنوان جو کچھ کہا گیا ہے وہ دور حاضر کے جنسی بحران اور جنسی بے اعتدالی کا ایک مخصوص پہلو ہے۔ اس سے ہٹ کر عمومی طور پر معاصر دنیا میں 'جنسی انارکی' اس کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اوپر کی مخصوص صورت سے ہٹ کر یہ جنسی انارکی نت نئی صورتوں میں پھل پھول رہی ہے۔ پوری دنیا ایک طرح سے جنسی انارکی کے طوفان کی لپیٹ میں ہے جو قابو سے باہر ہے۔ اور جس کی وجہ سے انسانیت کا وجود معرض خطر میں ہے۔ اپنے مقام پر اس مسئلے کی تفصیل کی گئی ہے اور اس کی نوع بہ نوع صورتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے[۳] لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس طوفان میں مزید شدت آئی ہے اور اس کی خطرناکی دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔ اس موقع پر اسی پر ایک نظر ڈالنی ہے اور اسی کی ایک جھلک پیش کرنی ہے۔ امریکہ اور یورپ کے حوالے سے یہ بات پرانی ہو چکی ہے کہ انسانی زندگی میں عفت وعصمت کے کوئی معنی نہیں رہ گئے ہیں۔ اور مرد وعورت دونوں کے لیے یکساں طور پر شادی اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے پہلے جنسی تعلق قائم کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کے تجربے ایک دو نہیں لگاتار اور مسلسل کیے جاسکتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ سے ہٹ کر مذہبیت اور روحانیت میں گہری جڑیں رکھنے والے ہمارے عزیز ملک میں بھی اس نظریے کے وکیل موجود ہیں۔ جن کے نزدیک اس طرح کی اخلاق سوزی میں کسی قباحت اور برائی کا پہلو نہیں ہے۔ اسی طرح جنسی تعلق میں مرد وعورت کے فطری اختلاط سے ہٹ کر مرد اور مرد اور عورت اور عورت کے درمیان اس تعلق

---

(۱) ہمارا رسالہ 'بچوں کی مزدوری اور اسلام' جس کے کئی ایڈیشن بحمد اللہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) 'اسلام میں بچوں کے حقوق' کے زیر عنوان آئندہ اسی موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

(۳) ہماری کتاب 'اسلام کا نظریۂ جنس' شائع کردہ: ادارہ علم وادب، علی گڑھ۔

کے قائم کرنے میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے۔ جس کے لیے یہ ترتیب دور جدید کے لغت میں مردوں کی ہم جنس پرستی اور عورتوں کی ہم جنس پرستی کے لیے الگ الگ ترتیب Homo Sexuality اور Lesbianism کی اصطلاحات مروج ہیں۔ جس کو دنیا کے مختلف ترقی یافتہ ملکوں میں باقاعدہ قانونی جواز عطا کیا جاچکا ہے۔ اس کی تفصیلات بھی اوپر کے حوالے میں دیکھی جاسکتی ہیں (۱) لیکن یہاں ہم قارئین کو اس سلسلے میں اس سے آگے کی جو ترقی ہوئی یا انسانیت پر جو زوال آیا ہے، اس سے انھیں واقف کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ترقی یا زوال عالم گیر ہے، جس میں ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ کے ساتھ دوسری اور تیسری دنیا کسی کا استثناء نہیں ہے۔ چناں چہ خبر ہے کہ تھائی لینڈ میں ہم جنس پرستوں کا ایک باقاعدہ شہر اور ان کی الگ بستی بسائی جارہی ہے۔ ایک اتھائی کالونائزر ہم جنس پرست مردوں کے لیے ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کر رہا ہے جہاں تھیٹروں، سنیما گھروں سے لے کر بازی گاہوں تک تمام طرح کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ فلاور ٹاؤن (شہر گل) نامی یہ قصبہ تھائی لینڈ کے مشرقی صوبہ کوراٹ میں اس حوالہ کے لحاظ سے اگست تک وجود میں آجائے گا۔ اس زیر تجویز شہر کے پروجیکٹ منیجر مسٹرڈ یجد یوسر یچائی خود بھی ایک ہم جنس پرست ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو ایک ایسے مقام کی ضرورت ہے جہاں ہم ہر طرح سے آرام محسوس کریں اور قبول کیے جائیں۔ اس تفریحی شہر کے ریستورانوں، کلبوں اور میخانوں وغیرہ کا پورا کا پورا عملہ ایسے وجیہ اور خوب رو مردوں پر مشتمل ہوگا جو ہر جگہ ہر طرح کا سامان عیش وطرب آ کے کمرے تک پہنچائے گا۔ مزید براں یہ تفریح گاہ مطابق وضع فطری اور خلاف وضع فطری دونوں طرح کا صنفی رجحان رکھنے والے ان لوگوں کو بھی قبول کرے گا، جو ہم جنس پرستوں کو قبول کرتے ہوں۔ ملک کی راجدھانی بنکاک سے لگ بھگ ۱۶۰ کلومیٹر دور واقع اس شہر کے محل وقوع کا انکشاف صرف خریداروں پر کیا جارہا ہے، جس کے ۳۰ فی صدی مکانات حوالہ کے وقت تک بک ہو چکے تھے اور دس فی صدی غیر ملکیوں کے ہاتھوں فروخت کیے جاچکے تھے۔ اس شہر کے علاوہ تھائی لینڈ میں ایسا ہی ایک قصبہ بنکاک سے قریب ساحل سمندر پر واقع ایک تفریح گاہ پٹایا میں بھی تعمیر کیا جارہا ہے (۲)

---

(۱) ہماری کتاب 'اسلام کا نظریہ جنس' شائع کردہ: ادارہ علم وادب، علی گڑھ۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۶ر جولائی ۱۹۹۴ء زیر عنوان: تھائی لینڈ میں ہم جنس پرستوں کی جنت، ایک جدید بستی الگ بسا دینے کا منصوبہ۔

جب کہ ویت نام کے حوالے سے خبر ہے کہ وہاں کے صوبہ وتھہ لانگ میں باقاعدہ ایک تقریب دو ہم جنس عورتوں کی شادی ہوئی، جس میں ان کے رشتہ داروں اور قریب ایک سو مہمانوں نے شرکت کی۔ یہ شادی خبر کے حوالے کے لحاظ سے ہفتہ کے روز ۲۰ سالہ لڑکی کاؤ ٹین یوٹین اور ۳۰ سالہ عورت ہانگ کم ہونگ کے درمیان ہوئی۔ ویت نام میں مرد یا عورت ہم جنس پرستوں کی شادی کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں ہے تاہم انتظامیہ کی سطح پر اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ لیکن اس ہم جنس جوڑے نے ہمت نہیں ہاری اور اوپر کی تفصیل کے مطابق باقاعدہ تقریب میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔[1] پہلی دنیا کے سردار امریکہ کے سلسلے میں ایک نئے مطالعہ کا انکشاف ہے کہ وہاں ہم جنس پرستی روز افزوں اضافہ پذیر ہے۔ امریکیوں کا ۱/۵ حصہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جنھوں نے ۱۵ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد کبھی نہ کبھی اپنی ہی صنف کے کسی نہ کسی فرد کے اندر صنفی کشش محسوس کی ہو۔ واشنگٹن میں ہارورڈ اسکول آف پبلک ہیلتھ اور سنٹر فار ہیلتھ پالیسی اسٹڈیز کے محققین کے مطابق ۶ء۲ فی صد تا ۸ء۲۰ امریکی مردوں اور ۳ء۳ فی صد تا ۸ء۱۷ فی صد عورتوں کو ضمناً ہم جنس پرست سمجھا جاسکتا ہے۔ ان میں بڑی تعداد ان افراد کی ہے، جنھوں نے ۱۵ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد سے مبینہ طور سے ہم جنس پرستانہ رویہ اختیار کیا یا اپنی ہی صنف کے کسی فرد کے اندر صنفی کشش محسوس کی۔ ہارورڈ کے ایک ماہر عددیات اور مطالعہ کے ایک مصنف ڈیوڈ وائی پچ کا کہنا ہے کہ 'ہمارا نظریہ یہ ہے کہ صنفی میلان کا مسئلہ محض ہاں یا نہیں کا سوال نہیں، نہ ہی صنف مخالف یا ہم جنس سے لذت اندوزی کا مسئلہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر افراد کے صنفی میلانات میں فرق پایا جاتا ہے۔ کوئی فرد صنف مخالف میں زیادہ کشش محسوس کرتا ہے اور کوئی اپنی ہی صنف کے کسی فرد کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔' اس رپورٹ کے بعد وہاں کے ہم جنس پرست مردوں اور عورتوں سے متعلق قومی ٹاسک فورس نے فوراً ہی ایک خبر نامہ شائع کردیا جس میں واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ یہ اعداد وشمار گزشتہ سال کے اعداد وشمار سے نمایاں طور پر زیادہ ہیں۔[2] جب کہ برطانیہ کی صورت حال یہ ہے کہ وہاں ایک

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۱۰ رمارچ ۱۹۹۸ء، خبر بہ عنوان: دو عورت ہم جنسوں کی شادی، ویتنام میں باقاعدہ تقریب۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۷ رستمبر ۱۹۹۴ء، زیر عنوان: امریکی معاشرے میں ہم جنس پرستی میں اضافہ۔

خاتون ہم جنس (Lesbian) باقاعدہ وزارت کے منصب پر فائز ہیں۔ ماحولیات کے مسائل کی جونیر وزیر ۳۶ سالہ انجیلا ایگل (Angela Eagle) برطانیہ کی پہلی ممبر پارلیمنٹ ہیں جنھیں ببانگ دہل یہ اعلان کرنے کا اعزاز حاصل ہے کہ وہ ہم جنس پرست (Lesbian) ہیں۔ اپنے خاندان کے علاوہ حکمراں لیبر پارٹی کے قائدین کی تائید وحمایت سے انھیں یہ حوصلہ ملا کہ اس راز کو اب وہ راز نہ رہنے دیں۔ اسی خبر کے مطابق ٹونی بلیر کی زیر قیادت وہاں کی حکومت بھی اس میں بہت دل چسپی رکھتی ہے کہ ہم جنس پرستی (Homosexuality) کے سلسلے میں عوامی غلط فہمی کا پوری طرح ازالہ ہو جائے[۱] ترقی یافتہ جرمنی کا معاملہ بھی اس حوالے سے ارتقاء پذیر ہے۔ ہمبرگ کی سوشل ڈیموکریٹک قیادت والی حکومت نے اس خبر کے مطابق گزشتہ ماہ اس قانون کو منظور کرلیا ہے، جس کی رو سے ہم جنس مرد اور ہم جنس عورتیں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ قانونی طور پر شریک حیات بن کر رہ سکتے ہیں۔ اس قانون کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے سات ہم جنس جوڑوں نے شریک حیات کی حیثیت سے اپنے نام رجسٹر کرائے[۲] اسی طرح سویڈن اور ناروے تو ہم جنسی کی شادی کو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے، تازہ اطلاع کے مطابق نیدرلینڈ میں بھی ایک ہی جنس کے درمیان شادی کے لیے تمام رکاوٹیں دور کردی گئی ہیں[۳] یورپ کے حوالے سے وہ دن بھی دور نہیں جب کہ ہم جنس شادیوں کے لیے چرچ کی طرف سے بھی باقاعدہ منظوری مل جائے گی۔ امریکہ کے شہر فیلاڈلفیا کی خبر ہے کہ اسقفی چرچ (Episcopal Church) اس کی بابت تجویز اتنی معمولی اکثریت سے نامنظور ہوتی ہے کہ اس کے مویدین کے حوصلے بلند ہیں اور وہ آنے والے دنوں میں بہت جلد اس کی منظوری کی توقع رکھتے ہیں[۴] ایک دعوے کے مطابق ایمنسٹی انٹرنیشنل بھی اس حرکت کو جرم تسلیم نہیں کرتی[۵]

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء تحت عنوان: First Lesbian British Minister (برطانیہ کی پہلی ہم جنس خاتون وزیر)۔

(۲) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۸ر مئی ۱۹۹۹ء زیر عنوان: جرمنی میں ہم جنسی کو قانونی حیثیت۔

(۳) قومی آواز نئی دہلی ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۷ء خبر تحت عنوان: ہم جنس شادی کے لیے نیدرلینڈ میں رکاوٹیں ختم۔

(۴) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۱ر جولائی ۱۹۹۷ء بہ عنوان Some Sex merriages (ہم جنس شادیوں کا مسئلہ)

(۵) قومی آواز نئی دہلی۔ ۱۰ر مئی ۱۹۹۴ء زیر عنوان: ہم جنسی سے متعلق تعزیراتی دفعہ ختم کرنے کا مطالبہ، تہاڑ جیل میں کنڈوم فراہم نہ کیے جانے کی مخالفت۔

ہم جنسی ہندستان میں

باہر کی دنیا کے بعد اس حوالہ سے اب ذرا اپنے گھر پر نظر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، مذہب پسند اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہمارے عزیز وطن میں اب ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہ گئی جو جنس (Sex) کے معاملے میں مغرب کے طور طریقوں کی پیروی میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ شادی سے پہلے اب عفت و عصمت کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ اور لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے بغیر غیر قانونی جنسی تعلق کو کوئی جرم اور گناہ خیال نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اسی موقع پر اس کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے[1] لیکن اس وقت معاملہ اس سے بھی بہت آگے ہے۔ رشیوں اور منیوں کی اس دھرتی میں اب ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو کھلے بندوں خلاف فطرت جنسی تعلق کی بھی پوری طرح وکالت کرنے لگے ہیں۔ جنس مخالف کے ساتھ طبعی میلان کی طرح ہی اب ایک ہی جنس کے ساتھ اس میلان اور اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ چناں چہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۷۷ جو ہم جنسیت کو ایک جرم قرار دیتی ہے، اس دفعہ کو اب باقاعدہ ختم کیے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ہمارے ملک میں 'ایڈز بھید بھاؤ ورودھی' نامی تنظیم کا مطالبہ ہے، جو اس لاعلاج بیماری کے ضمن میں برتے جانے والے کسی بھی طرح کے امتیاز کے خلاف ہے۔ چناں چہ اس مقصد سے جیل کے قیدیوں کے ساتھ ایڈز سے تحفظ کے لیے دوسرے تمام خواہش مندوں کے لیے کنڈوم فراہم کیے جانے کی حمایتی ہے۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ تہاڑ جیل کی مشہور زمانہ آئی جی مسز کرن بیدی کا اپنے زمانہ میں فیصلہ تھا کہ تہاڑ جیل کی ڈسپنسری میں کنڈوم نہیں دیے جائیں گے ساتھ ہی ہم جنسی کرنے والے قیدیوں پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ ان کے اس فیصلے کی بنیاد تعزیرات ہند کی اوپر کی وہی دفعہ تھی جس میں ہم جنسی کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ مزید براں ان کا کہنا تھا کہ تہاڑ ہندستان کی سب سے بڑی جیل ہے جس میں خبر کے حوالہ کے مطابق ۸ ہزار قیدی رہتے ہیں۔ تو اگر نمونے کی اس جیل میں ہم جنسیت کی اجازت ہو اور اس میں باقاعدہ کنڈوم کی فراہمی کا انتظام ہو تو ملک کی دوسری تمام جیلوں پر اس کا ناموافق اثر پڑنا فطری ہے۔

---

(۱) ہماری کتاب 'اسلام کا نظریۂ جنس' محولہ بالا۔

لیکن ایڈز وروودھی آندولن کے ترجمان جناب شوبھا اگروال ایڈوکیٹ کو اس نظریے سے اتفاق نہیں رہا۔ چناں چہ اس سلسلے میں اپنے جاری کردہ اخباری بیان میں ان کا کہنا تھا کہ ہندستان میں دفعہ ۳۷۷ تقریباً ایک سوساٹھ برس پہلے انگریزوں نے وضع کی تھی، جنھوں نے اب خود اپنے ملک میں یہ قانون ختم کر دیا ہے۔ اسی بیان پر ہم جنسیت سے متعلق دوسرے پہلوؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ جس سے اس تنظیم کے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ کہا گیا ہے کہ امریکہ کے ماہرین نفسیات کی تنظیم نے ۱۹۷۳ء ہی میں ہم جنسی کو ایک عام عمل مان لیا تھا۔ مزید براں ہندستانی ڈاکٹروں کی تنظیم انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن نے بھی زیر نظر حوالے کے لحاظ سے اس سال ایسا ہی بیان دیا ہے۔ خلاصے کے طور پر مذکورہ تنظیم کا کہنا ہے کہ ہم جنسیت غیر فطری عمل نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا رجحان بہت سارے حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ ہندستان میں ہم جنسیت کو سیکڑوں برسوں سے تسلیم کیا جا رہا ہے۔ اور آج بھی وکیلوں، انسانی حقوق سے متعلق کارکن، بڑے اخبارات کے ایڈیٹروں، خواتین کی تنظیموں اور قانون دانوں کی تنظیموں کا نظریہ ہے کہ اسے جرم نہیں مانا جانا چاہیے۔[1]

عالمی منظر نامے سے ہٹ کر وطن عزیز کے حوالے سے ہم خاص طور پر اس جرم شنیع کی تفصیل اس لیے کر رہے ہیں کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی نظر میں یہ ایک بہت ہی بھیانک گناہ ہے، جس کی پاداش میں ماضی میں ایک پوری قوم 'قوم لوط' صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی ہے۔ قرآن نے اس کے واقعہ کو بار بار دہرایا ہے، جس سے اس کی نظر میں اس کی شناعت اور برائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

جنسی انارکی کا عمومی منظر نامہ

اوپر جنسی انارکی کی ایک مخصوص صورت کی تفصیل تھی۔ اب اس کی عمومی صورت حال اور اس کے عمومی عالمی منظر نامے پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔ یہاں بھی امریکہ سرفہرست ہے۔ اور مادی اور سائنسی ترقی کے ساتھ اسے اپنی علمی، فکری اور تہذیبی برتری کا بھی دعویٰ ہے۔ اسی کے

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۱۰ رمئی ۱۹۹۴ء زیر عنوان: ہم جنسی سے متعلق تعزیراتی دفعہ ختم کرنے کا مطالبہ۔ الخ

نتیجے میں وہ ایک نئے عالمی نظام (New world order) کا علم بردار ہے اور اسے اپنا فطری حق سمجھتا ہے کہ پوری دنیا اس کے اس نظام کی پیروی کر کے ہی ترقی اور تہذیب میں اس کے شانہ بشانہ آسکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اخلاق، سیاست اور معیشت کی طرح اس دائرے میں بھی اس کا حال خراب سے خراب تر ہے۔ اس کا جائزہ اور اس سے متعلق اعداد وشمار بھی اس سے پہلے اپنے مقام پر پیش کیے جا چکے ہیں[۱] یہاں اس سے آگے بات جہاں تک پہنچی ہے اس پر ایک نظر ڈالنی مقصود ہے۔ چناں چہ خبر ہے کہ امریکہ میں کنواری ماؤں کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہے۔ ریاست ہائے متحدہ (امریکہ میں جنسیات پر تعلیم کی مہموں اور ذرائع ابلاغ کے توسط سے معلومات عام ہونے کے باوجود کمسن لڑکیوں میں ان چاہے حمل کی شرح روز افزوں ہے۔ ۱۵ تا ۱۹ سال کی عمروں والی لڑکیوں میں حمل کی شرح جو ۱۹۸۵ء میں ۷ء۸۷ فی ہزار تھی، ۱۹۹۰ء تک پہنچتے پہنچتے بڑھ کر ۹ء۹۰ فی ہزار ہوگئی ہے۔ اس طرح اس میں زائد از ۹ فی صد کا اضافہ ہے۔ اس سلسلے میں اس جائزے کے حوالے سے جن لڑکیوں سے بات چیت کی گئی ان میں سے ۹۵ فی صد کا کہنا تھا کہ ان کا حمل 'ان چاہا' تھا۔ اس صورت کا ایک خوش آئند پہلو ضرور ہے کہ امریکہ میں کنواری ماؤں کی تعداد تو بلاشبہ ہر آئے دن بڑھ رہی ہے لیکن یہاں ادھر اسقاط حمل کی شرح میں قابل لحاظ کمی آئی ہے[۲]

تعلیمی اداروں کی صورت حال اس سلسلے میں اس سے مختلف نہیں ہے۔ چناں چہ امریکہ کے مختلف تعلیمی اداروں کے سروے کرنے والے ایک کمیشن کا تازہ ترین انکشاف ہے کہ امریکہ کی ۸۰ فی صد طالبات اپنی مرضی سے عزت گنوا بیٹھتی ہیں۔ سروے کے مطابق ورجینیا کے ایک چھوٹے سے اسکول کے بارے میں خود وہاں کی فارغ التحصیل طالبات کا کہنا ہے کہ ۷۵ سے ۸۵ فی صد لڑکیاں جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں۔ جب کہ ایک ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ بڑے مخلوط کالجوں میں یا لڑکوں کے کالج کے قریب واقع لڑکیوں کے علحدہ کالجوں میں ۸۰ فی صد طالبات کالج کی تعلیم ختم کرنے سے قبل جنسی تجربہ کر چکی ہوتی ہیں۔ اسی رپورٹ کے مطابق شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنے والی لڑکیوں میں کالج کی طالبات کا تناسب کالج سے تعلیم

(۱) ہماری کتاب محولہ صدر 'اسلام کا نظریۂ جنس' کے متعلقہ مقامات۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۵/اپریل ۱۹۹۶ء زیر عنوان: امریکہ میں کنواری ماؤں کی تعداد میں اضافہ۔

حاصل نہ کرنے والی لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جب کہ ایک دوسری یونی ورسٹی کے طالب علموں کا کہنا ہے کہ گریجویٹ ہونے تک بہ مشکل ۲۰ فی صد سے ۳۰ فی صد کے لگ بھگ ایسی لڑکیاں ہوں گی جنھوں نے جنسی تعلقات قائم نہ کیے ہوں۔ مزید براں اسکولوں اور کالجوں میں جنسی تعلقات اس قدر عام ہیں کہ شادی کے چھ سات ماہ بعد ہی ''وارث'' کے آجانے پر تعجب کا کوئی اظہار نہیں ہوتا۔ اور ہر چھ میں سے ایک دلہن پہلے ہی سے حاملہ ہوتی ہے۔ جب کہ ایک دوسری یونی ورسٹی کی چھ ہزار طالبات میں سے اوسطاً چار سو طالبات ہر سال حاملہ ہو جاتی ہیں۔ اور شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنے والی طالبات میں ۲۰ سال کی عمر تک کے گروپ میں ۱۴ فی صد حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ۲۰ فی صد شادی کر لیتی ہیں۔ ۷۲ فی صد اسقاط حمل کراتی ہیں اور چھ فی صد کے ناجائز بچے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک ماہر تعلیم کی رائے میں کالجوں میں شادی قبل جنسی تعلقات میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ جب کہ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ کالجوں کی حیثیت حمل سے بچانے والے اداروں کے بہ جائے ایک ایسی جگہ کی ہے جہاں حمل اگر شادی پر انجام پذیر ہو تو یہ قابل سزا نہیں بل کہ اس پر انعام دیا جاتا ہے۔ اس طرح عملاً یہ کالج تعلیم گاہ سے زیادہ تلاش شوہر میں مدد دینے کا کام انجام دیتے ہیں اور ایک امریکی طالبہ حمل، ناجائز ولادت، کم عمری میں مجبوراً شادی، اسقاط حمل اور امراض خبیثہ جیسے کسی مسئلے پر گفتگو اور اظہار خیال میں ذرا شرم یا ندامت محسوس نہیں کرتی[1] اسکولوں اور کالجوں کے ساتھ اس حوالے سے امریکہ میں فوج کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ چناں چہ امریکی فوج میں 'ہم جنسی' کے بڑھتے تناسب کے علاوہ جس کی تفصیل اس سے پہلے گزری، خاتون فوجی ملازموں کے ساتھ مباشرت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ان کے لیے فوج کے اندر اپنے فرائض کا انجام دینا مشکل ہو رہا ہے۔ جاپان سمیت یہ بیماری متعدد دوسرے ملکوں میں بھی ہے لیکن امریکی افواج اس سلسلے میں ان سب میں آگے ہیں۔ امریکی افواج میں یہ لعنت کئی دہائیوں سے چلی آ رہی ہے جس میں دن گزرنے کے ساتھ مزید تیزی آتی جا رہی ہے۔ چناں چہ ایک رپورٹ کے مطابق امریکی خواتین بالخصوص سیاہ فام امریکی افواج میں بھرتی سے پناہ مانگتی ہیں۔ ایسے واقعات بھی ہیں کہ فوجی جوان اور افسر خاتون رنگروٹوں کے ساتھ زیادتی کرتے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں۔ لیکن معلوم

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۱۴ر فروری ۱۹۹۸ء تحت عنوان: رنگا رنگ: شوق سے ''لٹا'' دیتی ہیں۔

مصلحتوں کے تحت ان کے ساتھ مروت سے کام لیا جاتا اور انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے[۱] مزید امریکی سماج میں مرد ہم جنسی اور خواتین ہم جنسی کی باقاعدہ وکالت کرنے والے موجود ہیں۔ جو موقع بہ موقع اپنے حقوق کے لیے مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مظاہرے کی تفصیل زیر حوالہ خبر میں ہے جس میں ۳۰ مرد و خواتین ہم جنسوں کی گرفتاری عمل میں آئی[۲]

اس عمومی جنسی بے راہ روی میں برطانیہ کا حال امریکہ سے مختلف نہیں ہے۔ چناں چہ ایک تازہ سروے کے مطابق برطانیہ میں نوجوان لڑکیوں کی نصف تعداد شادی کے بندھن میں بندھے بغیر ماں بننا چاہتی ہے۔ اور ان کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ ہو رہا ہے۔ برطانیہ میں شاہی خاندان سے وابستہ اہم شخصیات اور وزیروں کے جنسی اسکنڈلوں کا معاملہ اس کے علاوہ ہے جس سے زمانہ واقف ہے اور جن کی تفصیلات سے انسانیت اور شرافت کا سر شرم سے جھکتا ہے۔ لیکن برطانیہ عظمیٰ میں جنسی انارکی کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی بنیاد پر اسے امریکہ پر بھی واضح برتری اور سبقت حاصل ہے۔ یہ عورتوں کا بالجبر اختلاط دستہ ہے جو اپنی پسند کے مردوں کو محفوظ مقامات پر اٹھا لے جاتا ہے۔ اور وہاں مجبور کن حالات میں ان سے اس قدر جنسی عمل کراتا ہے کہ ان کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہ جنسی ہیجان کی تازہ دوا 'ویاگرا' کا اشتہاری دستہ ہے۔ جس کے لندن کے ایک نائٹ کلب میں ہونے والے ایک واقعہ کی تفصیل زیر نظر حوالہ میں شائع ہوئی۔ ہمارے باہمت قلم کو بھی اس کے دہرانے کا یارا نہیں ہے۔ قارئین خود اس کی تفصیلات اگر چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔ اس خبر کے آخر میں پولس کا یہ بیان درج ہے کہ لندن میں یہ دستہ بڑی تیزی اور شدت سے کام کر رہا ہے جس کا نتیجہ ہے اسمارٹ لوگوں کی بیویاں اپنے خاوندوں کو سر شام ہی کلبوں سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتی ہیں کہ کہیں اس دستے کے ہاتھوں ان کے شوہر کی بھی شامت نہ آجائے[۳]

نیا ابھرتا سپر پاور چین بھی اس معاملے میں انھی ترقی یافتہ ملکوں کے نقش قدم پر ہے۔

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۲۶ جنوری ۱۹۹۹ء زیر عنوان: رنگارنگ: لقمہ خشک وتر کی زیادتی۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۹ مارچ ۱۹۹۷ء زیر عنوان: 30 gays, Lesbians held (۳۰ مرد ہم جنس اور خواتین ہم جنس حراست میں)۔

(۳) قومی آواز نئی دہلی ۱۵ دسمبر ۱۹۹۸ء تحت عنوان: رنگارنگ: عورتوں کا بالجبر اختلاط دستہ۔

چناں چہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ اس روایتی مذہبی اور بعد کے انقلابی ملک میں شادی سے پہلے جنسی تعلق کی شرح روز افزوں ہے۔ اور کالج کیمپسوں میں اس کا رجحان دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد بھی رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی تعلق اس ملک میں ایک عام بات ہوگئی ہے۔ تمام بڑے شہروں میں شادی شدہ عورتوں کے ساتھ غیر شادی شدہ عورتوں میں بھی اسقاط حمل کی شرح دن پر دن بڑھ رہی ہے۔ اس سلسلے میں ۱۹۸۰ء کی دہائی میں پورے ملک میں صرف ایک سال کے اندر کم و بیش ایک کروڑ (دس ملین) اسقاط کرالے گئے[۱] ترقی یافتہ جاپان بھی اس سلسلے میں کسی سے کم نہیں ہے۔ چناں چہ ایک تازہ سروے کے مطابق اس ملک کے ہر دو مردوں میں سے ایک نے اس کا اعتراف کیا کہ اس نے کم سے کم ایک بار طوائف سے جنسی تعلق قائم کیا۔ یہ سروے حوالہ کے وقت سے ایک سال قبل اگست اور اکتوبر کے درمیان کیا گیا، جس میں ۲۵۰۰ بالغ مردوں سے ان کی جنسی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کیے گئے تھے۔ خیال رہے کہ جاپان میں ۱۹۵۶ء سے جسم فروشی سرکاری طور پر ممنوع ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ دھندہ پورے ملک میں دھڑلے سے جاری ہے[۲] ترقی یافتہ دنیا اس سلسلے میں کس قدر آگے بڑھ چکی ہے اس کا اندازہ صرف اس سے کیجیے کہ شادی سے قبل جنسی تعلق نے وہ وبائی شکل اختیار کی ہے کہ حاملہ دلہنوں کے لیے باقاعدہ ایک خصوصی لباس تیار کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ چناں چہ

---

(۱) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۱۶ر فروری ۱۹۹۴ء زیر عنوان: .Pre-marital Sex rising in China (چین میں قبل از ازدواج جنسی تعلقات میں اضافہ) ایک اطلاع کے مطابق اس سلسلے میں انڈونیشیا کا حال بھی کافی خراب ہے جہاں غیر قانونی ہونے کے باوجود ہر سال تیرہ لاکھ سے زیادہ اسقاط حمل کرائے جاتے ہیں، جس میں غلط طریقوں کے استعمال سے بڑی تعداد میں عورتوں کی موتیں واقع ہوجاتی ہیں۔ ماہرین کے اندازے کے مطابق غلط طریقے سے اسقاط حمل کے نتیجے میں صرف پچھلے ایک سال میں ساڑھے سات لاکھ سے لے کر دس لاکھ عورتوں کی موت واقع ہو چکی ہے۔ یہ بھی کم تشویش ناک نہیں ہے کہ اسقاط کرانے والی عورتوں میں شادی شدہ خواتین کے مقابلے بن بیاہی عورتوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ دیکھیے: ہندی روز نامہ امر اجالا آگرہ ۹ر جنوری ۲۰۰۰ء تحت عنوان: इंडोनेशिया में गर्भपात की स्थिति चिंताजनक (انڈونیشیا میں عورتوں کے اسقاط کی حالت تشویش ناک)۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۶ر جون ۱۹۹۸ء بہ عنوان 'جاپانی مردوں کی بے راہ روی'۔

برطانیہ کی ایک ڈریس ڈیزائنر نے حاملہ دلہنوں کے لیے ایک ایسا لباس تیار کر دیا ہے جو باقاعدہ مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لیے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس خبر میں موصوفہ کا یہ خیال بھی نقل کیا گیا ہے کہ اب وقت بدل گیا ہے اور حاملہ دلہنیں سماج اور معاشرے کے لیے کوئی کلنک نہیں رہ گئی ہیں۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ گرجا گھروں کے ذمے دار پادری بھی اب ایسی دلہنوں کی شادی کی رسوم منعقد کرنے کی باقاعدہ اجازت دے رہے ہیں، جو شادی کے وقت واضح طور پر حاملہ نظر آتی ہیں۔(۱)

وطن عزیز کی صورتِ حال بھی اس سلسلے میں اطمینان بخش نہیں ہے۔ جنسی انحراف کی اس سے پہلے کی مخصوص تفصیلات کے علاوہ عمومی جنسی انارکی کے رجحان میں بھی مذہب اور روحانیت کے اس گہوارے میں روز افزوں ہے۔ اس کے لیے دیگ کے ایک چاول کے طور پر صرف ایک خبر کا حوالہ کافی ہے۔ یہ مالیر کوٹلہ کے حوالہ سے پنجاب کے شہر پٹیالہ کی خبر ہے۔ اس کے مطابق پٹیالہ شہر اور اس کے نواحی دیہی علاقوں میں حالیہ دنوں میں کنواری لڑکیوں کے حاملہ ہونے کے فی صد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں اسپتال میں حمل ساقط کرانے کے لیے آ رہی لڑکیوں کی تعداد بھی اسی نسبت سے بڑھ رہی ہے۔ جب کہ پرائیویٹ نرسنگ ہومس میں بھی صفائی کی آڑ میں یہ کاروبار زوروں پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی پٹیالہ شہر اور اس کے گرد و نواح میں نوزائیدہ بچوں کے پھینکے جانے کے واقعات بھی عام ہیں۔ اس آئینے میں پورے ملک کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کمسنوں اور نابالغوں کے ساتھ بدفعلی اور بدکاری کے ساتھ زنا بالجبر کے واقعات آج ہمارے اخبارات کا مستقل کالم ہو گئے ہیں۔ اور مختلف صورتوں میں اس نے ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے کہ اسے دیکھ کر ہماری مذہب بے زار اور سیکولر حکومت بھی گھبرا اٹھی ہے۔ باہمی رضامندی سے شادی سے پہلے کی طرح شادی کے بعد بھی زنا کاری پر ہمارے ملک کے دانش وروں اور سیکولر ارباب سیاست کو کوئی خاص اعتراض نہیں ہے۔ لیکن زنا بالجبر بالخصوص کمسنوں اور نابالغوں کے ساتھ زنا کاری کے بڑھتے ہوئے واقعات نے ان کو بالکل جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور اس جرم شنیع کے لیے حکومت اور سیاست کے معاملے میں مذہب کی بے دخلی کی وکیل ہماری سیکولر حکومت کے ذمے دار ترین افراد اور اکابر پھانسی کی

---

(۱) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۹؍ ستمبر ۱۹۹۵ء خبر زیر عنوان: حاملہ دلہنوں کے لیے خصوصی لباس عروسی تیار۔

مذہبی سزا کی علی الاعلان وکالت کر رہے ہیں(۱) حقیقت میں یہ آخری محمدیؐ شریعت کی ناقص پیروی ہے۔ جب کہ اس کے مکمل انسداد اور اس کے سلسلے میں جامع قانون سازی کے لیے اس کی کامل پیروی کی ضرورت ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے کتاب کے دوسرے باب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی باپوں کے ذریعہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات کی خبریں بھی اب اخبارات کا معمول بنتی جارہی ہیں، جس میں ایک دخل شراب نوشی اور رہائش کی تنگی کا بھی ہے۔ اس کی تفصیل اور اس کے مضمرات پر گفتگو بھی ان شاء اللہ اسی جگہ ہوگی۔

معاصر دنیا کے اس منظر نامے کے ساتھ یہ بات بڑی جرأت کی ہے کہ یہ کہا جائے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ اسے کسی نجات دہندہ تحریک کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ترقی اور تہذیب کے جس راستے پر چل رہی ہے اسی پر اسے آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ اسے روکنے اور لگام دینے کی قطعی حاجت نہیں ہے۔

عریانیت وفحاشی

عریانیت وفحاشی بھی موجودہ زمانے کا ایک ایسا ہی مسئلہ ہے، جو اپنے حل کے لیے آخری اسلامی شریعت کو آواز دیتا ہے۔ معاصر دنیا میں اس کے لیے Pornography کی جو اصطلاح ہے وہ صرف اس کے ایک محدود پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ یعنی کہ عریاں اور فحش تصویریں۔ موجودہ دور میں عریانیت وفحاشی کا مسئلہ صرف عریاں اور فحش تصویروں تک محدود نہیں ہے۔ یہ تو اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ ورنہ عریانیت اور فحاشی آج اس سے بہت زیادہ عام ہے۔ اور اس کا دائرہ دن پر دن وسیع ہوتا جارہا ہے۔ یہ صرف سنیما اور فلم کی دنیا سے جڑی ہیرو، ہیروئنوں، ماڈلوں، اینکروں اور اطفال قحبہ گری کے شکار لڑکے لڑکیوں کی تصویروں کا ہی مسئلہ نہیں ہے جن سے اخلاق، انسانیت، حیا اور شرافت کو شرم آتی ہے جب کہ اس کی بعض صورتوں میں یہ متعلقہ جرائم میں اضافے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ان عریاں اور فحش تصویروں کو دیکھ کر دل کے بیماروں اور جرائم خصلت افراد کی آتش شوق بھڑکتی اور اسی انداز میں وہ اس جرم کے ارتکاب کے لیے اپنے قدم آگے

---

(۱) ہمارے قابل احترام وزیر اعظم جناب اٹل بہاری باجپئی صاحب اور وزیر داخلہ جناب لال کرشن اڈوانی صاحب۔ حوالہ کے لیے: سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ رنومبر ۱۹۹۸ء اداراتی نوٹ زیر عنوان: زانیوں کو سزائے موت، اس پر مزید گفتگو آگے اپنے مقام پر آتی ہے۔

بڑھاتے ہیں[1] لیکن معاصر دنیا میں یہ عریانیت وفحاشی صرف تصویروں کا مسئلہ ہے۔ یہ حقیقی دنیا کی ناقابل تردید حقیقت ہے جس سے درجے کے فرق سے ہر کس وناکس عملی طور پر دوچار ہے۔ وہ اس کو برت رہا ہے اور اس کو بھگت رہا ہے اور اس سے بچنے کے لیے پناہ گاہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ لیکن کہیں اسے یہ پناہ گاہ مل کے نہیں دے رہی ہے۔ قلم کی دنیا سے ہٹ کر ٹیلی ویژن کا ہی یہ حال ہو رہا ہے کہ ملک کے سب سے عوامی اور معروف چینل[2] میں فلموں سے ہٹ کر اس کے عمومی پروگراموں میں خواتین شرکاء کی عریانیت دن پر دن بڑھتی جارہی ہے۔ سر تو پہلے ہی کھل گیا تھا۔ اب آستین بھی تقریباً غائب ہو رہی ہے۔ جب کہ اس کے دوسرے پروگراموں میں معاملہ صرف برا اور انڈرویر یا نیکر تک پہنچ گیا ہے۔ ملک کے مذہب پسند اور دین دار طبقے کے علاوہ سنجیدہ سیکولر طبقے کی طرف سے بھی میڈیا کی اس عریانیت اور فحاشی کے خلاف برابر آواز اٹھتی رہتی ہے۔ لیکن یہ محاورے میں نہیں حقیقت میں نقار خانے میں طوطی کی آواز معلوم ہوتی ہے، جس کا کوئی محسوس اثر سوسائٹی اور سماج میں دکھائی پڑتا نظر نہیں آتا۔ بلو فلموں کی ایک الگ دنیا ہے جو اس سے زیادہ بڑھی رفتار سے عریانیت اور فحاشی کو بڑھاوا دے رہی ہے۔ اس سلسلے میں عام معاشرے کی بے حسی اور لاتعلقی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ مذہبیت اور دین داری اپنی جگہ، معروف انسانی قدر کے حوالے سے بھی اب کوئی کسی کو ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ عامۃ الناس سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک یہ عریانیت اور بے لباسی نمایاں ہے، جس میں طبقۂ خواتین کا حال خراب سے خراب تر ہے۔

آخری محمدیؐ شریعت جو مرد و عورت ہر ایک کے لیے الگ الگ ستر کی قائل ہے۔ جس سے زیادہ کھولنے اور بے لباس رکھنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوسکتی ہے، وہ معاصر دنیا کی اس صورت حال کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا یہ بہت مخصوص پہلو ہے جس کی تفصیل بھی دیگر نکات کی طرح کتاب کے دیگر صفحات کے لیے اٹھا رکھی جاتی ہے۔

---

(۱) بالخصوص یورپی سیاح جو انٹرنیٹ پر بچوں کی عریاں تصویریں اور دیگر سیاحتی جنسی معلومات حاصل کر کے ہندستان اور تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کا رخ کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳رفروری ۱۹۹۳ء میں گوری سین کا محولہ مضمون Child Labour in its most depraved form (بچہ مزدوری اپنی انتہائی بدترین صورت میں)۔

(۲) دہلی دوردرشن DD-I (ڈی ڈی۔۱)

اسی عریانیت اور فحاشی کا ایک پہلو فحش اور گندے نغمے اور گانے ہیں۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس کا بھی مناسب نوٹس لیتی ہے۔ اور افراط وتفریط کی دونوں انتہاؤں سے ہٹ کر انسانیت کے لیے اعتدال اور اطمینان کی راہ دکھاتی ہے۔ مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

مقابلہ حسن

اسی عریانیت وفحاشی کا ایک حصہ نئی دنیا کے مقابلہ حسن (Beauty Contest) کی روایت ہے، جس میں بے شرمی و بے حیائی کی تمام حدوں کو پار کرتے ہوئے شریک مقابلہ دوشیزاؤں کے ایک ایک حصہ جسم کی پیائش کی جاتی اور اس کی جانچ اور پرکھ کی جاتی ہے۔ ملکی، علاقائی اور عالمی مختلف سطح کے مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں اور اپنے قرارداد معیارات کے مطابق کوئی ملکی علاقائی اور کوئی دوشیزہ حسینۂ عالم منتخب قرار پاتی ہے۔ سونے کے تاج اور نقد رقم کے علاوہ مختلف حسیناؤں کو ان کے مرتبے اور حیثیت کے لحاظ سے دنیا کے ہر بڑے شہر میں مہنگے اور دیگر سہولیات فراہم کی جاتی ہیں، مزید ان کا بھاری بھرکم وظیفہ مقرر ہوتا ہے جو ان کو تاحیات فراہم کیا جاتا ہے۔ ملک کی بڑی بڑی شخصیات سے ان کی ملاقات کرائی جاتی ہے۔ اور فاتح ملک کا صدر اور وزیر اعظم بھی روایت کے طور پر ان سے ملنے اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کے لیے اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ مقام افسوس ہے کہ ہمارا مذہبی اور روحانی ملک بھی یورپ کی ایجاد کردہ اس بے حیائی کو پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کیے ہوئے اور اس عالمی برائی کو بڑھاوا دینے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اس مقابلے کے معیار اور سطح کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سال گزشتہ سے بیشتر ۱۹۹۸ء کی حسینہ عالم اسرائیل کی رہنے والی مس لینر ایبرجیل (Linor Abragil) اس خطاب سے سرفراز ہونے سے ایک ماہ پیشتر اکتوبر ۹۸ء میں اپنے ہی ہم وطن ۴۳ سالہ نور شلومو (Noor Shlomo) کے ہاتھوں اپنے دامن عفت وعصمت کو تار تار کرا چکی تھیں[1] بعد کی اطلاعات سے یہ تفصیل بھی سامنے آئی کہ اسی شخص نے ۱۸ سالہ حسینہ عالم کی

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی • ۳۰ر نومبر ۱۹۹۸ء زیر عنوان: Miss world was 'raped' in Italy (حسینہ عالم اٹلی میں عصمت دری کی شکار) نیز: قومی آواز نئی دہلی یکم دسمبر ۱۹۹۸ء تحت عنوان: رنگا رنگ: آہ حسن جو میلا ہوگیا۔

فطری انداز سے آبروریزی کے ساتھ غیر فطری انداز اغلام بازی کے ذریعہ بھی ان کی عزت لوٹی تھی[1] حسینہ عالم نے خود اس کا اعتراف کیا[2] اس کے باوجود ان کے حسینہ عالم منتخب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔

اسلام کی نجات دہندہ اس برائی کے سلسلے میں اپنا شدید ترین تحفظ رکھتی ہے۔ اور اسے کسی صورت صاد کرنے کو تیار نہیں۔ اور اس کے حوالہ سے کوئی مصلحت اور کوئی فلسفہ اس کے لیے قابل قبول نہیں۔ تفصیل آگے دوسرے باب میں اپنی جگہ پر آتی ہے۔

یوم گلاب اور یوم معاشقہ

اسی بے حیائی اور فحاشی کا دوسرا مظاہرہ ترقی یافتہ دنیا کے یوم گلاب (Rose Day) اور یوم معاشقہ (Valentine's Day) کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ملکی اور عالمی مقابلہ حسن تو صرف نوخیز لڑکیوں کا ہوتا ہے، جس میں ان کے اعضاء جسم کی پیمائش مردوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ لیکن یہ یوم گلاب اور یوم معاشقہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو کھلی بدکاری اور زناکاری کا لائسنس فراہم کرتا ہے۔ نئی دنیا میں اجنبی مرد و عورت کا جنسی ملاپ یوں تو کوئی نئی چیز نہیں لیکن سال کے بارہ مہینے یہ بہر حال کسی قدر رازداری اور پردہ داری کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اس یوم گلاب اور یوم معاشقہ پر یہ بدکاری اور زناکاری علانیہ اور برسر عام ہوتی ہے۔ یہ دن جو ہر سال فروری مہینے کی ۱۴ تاریخ کو منایا جاتا ہے، اس میں عام طور پر عاشق جوڑا ایک دوسرے کو گلاب کا تحفہ پیش کرتا ہے، اس کی مناسبت سے اس کو یوم گلاب (Rose Day) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام یوم معاشقہ (Valentine's Day) جو اب ہمارے ملک میں بھی بڑے زور شور سے منایا جاتا ہے۔ مقابلہ حسن کی طرح اس کی روایت بھی اصلاً یورپ کی ہے لیکن ہمارا ملک جو مغربی دنیا کی اس طرح کی ہر خباثت کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرتا ہے، اس یوم گلاب کے قبول کرنے میں بھی اس کی طرف سے کبھی کسی قسم کا تردد اور تحفظ نہیں رہا۔ اس دن کے موقع پر ایسے عاشق جوڑوں کی انتہائی نازیبا تصویریں پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہیں۔

---

(۱) راشٹریہ سہارا دہلی ۳۰ ر دسمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان ’حسینہ عالم کی آبروریزی کرنے والے کو ۱۶ سال قید۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی کیم فروری ۱۹۹۹ء بہ عنوان: Suspect charged with rapins Miss world (حسینہ عالم کی آبروریزی کے نام پر باقاعدہ مقدمہ درج)۔

خوشی کا موقع ہے کہ اجنبی روایت ہونے کے حوالے سے اس سال شیوسینا پرمکھ جناب بال ٹھاکرے اور ان کے معتقدین کی طرف سے اس رسم بد کے پرتشدد بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ جس کا خاطر خواہ اثر عروس البلاد ممبئی کے ساتھ ملک کی راجدھانی دہلی میں بھی محسوس کیا گیا۔ مختلف پس منظر کے اس جرأت مندانہ اور دانش مندانہ فیصلے پر ہم جناب بال ٹھاکرے اور ان کے پیروکاروں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اور نہی عن المنکر کی اس سب سے بڑی نیکی کے کام میں اپنے اصولوں کی رعایت کے ساتھ ان کا بھرپور تعاون پیش کرتے ہیں۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک مقابلہ حسن کی طرح اس یوم گلاب اور یوم معاشقہ کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہے اور کسی نرمی اور رعایت کے بغیر وطن عزیز سے اس کے خاتمے کی اپنی پرامن جدوجہد کا اعلان کرتی ہے۔

اختلاط

اختلاط مردوزن کو بھی عہد حاضر کی جنسی انارکی کا ایک حصہ کہنا چاہیے۔ دورِ جدید میں اس تہذیب کے نمائندے اور اس کلچر کے علم بردار اصلاً امریکہ اور یورپ کے ممالک ہیں۔ اس کا اثر دوسری اور تیسری دنیا کے بہت سارے ملکوں پر بھی پڑا ہے۔ جس میں ایک نمایاں نام خود ہمارے وطن عزیز ہندستان کا بھی لیا جاسکتا ہے، جس نے مغربی تہذیب کے دوسرے طور طریقوں کے ساتھ اس کے اس کلچر کو بھی عملاً پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کرلیا ہے۔ چناں چہ مذہبیت اور روحانیت میں گہری جڑیں رکھنے والے اس برصغیر میں زندگی کے ہر دائرے میں عورت اور مرد کا اختلاط آج اس کا ایک معروف کلچر بن چکا ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی قسم کی گڑبڑی اور خرابی کے تصور کے بہ جائے اسے ایک طرح سے ترقی اور خوش حالی کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے جو اس پر انگلی اٹھائیں اور اس کے ساتھ وابستہ برائی اور نقصان کی نشان دہی کو اپنی ذمے داری سمجھتے ہوں۔ اسکولوں اور کالجوں میں تو مخلوط تعلیم ہمارے یہاں بہت پہلے آگئی تھی۔ تعلیم میں ترقی کے ساتھ یہ اختلاط بھی اس کے ساتھ روبہ ارتقا ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر آج ملازمت، کاروبار اور دفتر کا بھی یہ معروف کلچر بنتا جارہا ہے۔ بینک، ڈاک خانہ، ریلوے سے لے کر میونسپلٹی، ضلع انتظامیہ یہاں تک کہ ملک کی اعلیٰ ترین

پارلیمان تک اس کلچر کو فروغ مل رہا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔
فلمی دنیا کا تو یہ مخصوص کلچر تھا ہی جو اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھا، پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا میں بھی اس کی نمائندگی دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔ اور اس کے حوالے سے زیاں کے ساتھ زیاں کا احساس بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس صورت حال کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور خالص انسانیت کی بھلائی اور بہتری کے جذبے سے اس کی اصلاح کو اپنی اولین ترجیحات میں شمار کرتی ہے، اس کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آتی ہے۔
لیکن معاصر دنیا اپنی اس لائی ہوئی مصیبت سے خود جس طرح بے حال اور پریشان ہے، یہ اپنے آپ میں اس کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ ناقص مذہبیت یا ہدایت الٰہی سے بے نیازی کی بنیاد پر جو اس نے اپنی زندگی کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا ہے تو قدم قدم پر اس کو ٹھوکروں کا سامنا ہے۔ اس کی ظاہری ترقی درحقیقت ترقی معکوس ہے۔ دیکھنے میں تو وہ آگے بڑھ رہی ہے اور ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ لیکن فی الواقع اس کا قد گھٹ رہا ہے اور وہ بے وقار ہو رہی ہے۔ بام عروج نہیں وہ تنزلی کا غار ہے جس میں اس کے قدم دھنس رہے ہیں۔ جس سے نکلنے اور اوپر چڑھنے کے لیے وہ جس قدر ہاتھ پیر مار رہی ہے اس کے پاؤں مزید اس میں دھنستے جارہے ہیں۔

چناں چہ جائزے اور اطلاعات مظہر ہیں کہ پوری دنیا میں دفتروں اور کارخانوں میں مردوں کے ساتھ کام کرنے والی عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا اور ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ تعلیم گاہوں کا حال اس سے مختلف نہیں ہے جہاں خاتون طالبات مرد طالب علموں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں۔ زیر نظر حوالے کے مطابق برطانوی یونی ورسٹی کے طلبا اور اطالوی آٹو ورکروں میں کئی ایک خواتین نے اپنی جنسی مظلومیت کے دکھڑے اس انداز سے سنائے کہ سننے والے کو ان پر ترس آجائے۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے سروے سے انکشاف ہوا ہے کہ ہر دس خاتون ورکروں میں سے تقریباً چار اور پانچ ایسی عورتیں ہیں جنھیں مصلحتاً یا چار و ناچار اپنے اعلیٰ افسروں کی جنسی ہوس کا شکار ہونا پڑا۔ کیمبرج یونی ورسٹی کی دس طالبات میں سے ہر ایک نے اس کی شکایت کی اسے زبردستی بوالہوسی کا شکار بنایا گیا۔ اسی طرح برطانیہ میں ایسی خاتون وزراء کی کمی نہیں ہے جو کسی زمانہ میں جنسی استحصال کا شکار بن کر رہ چکی ہیں۔ خیال رہے کہ یورپ میں اس طرح کی شکایتوں کا سلسلہ کافی پرانا ہے۔ لیکن اب جو پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے تو یہ منظر عام پر

آ رہی ہیں اور واقع ابلاغ سے ان کی تشہیر کا انتظام کیا جا رہا ہے(۱) بعد کے جائزے میں صورت حال اس سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ اس کے مطابق عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں اور پریشان کیے جانے کے واقعات دنیا میں خطرناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سی عورتوں کو یا تو کام چھوڑنا پڑتا ہے یا پھر انھیں ذلت وخواری کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ بین اقوامی تنظیم محنت (آئی۔ایل۔او) کے ایک سروے کا کہنا ہے کہ ملازمت پیشہ ۶ تا ۸ فی صد خواتین کو یا تو اپنا کام بدلنا پڑتا۔ یا پھر برخاست کیے جانے کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ سروے کے مطابق امریکہ، کناڈا، فرانس، نیوزی لینڈ، اسپین، سویڈن، برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں کام کرنے والی عورتوں کو یہ عام شکایت ہے کہ موقع بہ موقع ان کے جسم کو چھوا جاتا، چٹکی لی جاتی، فقرے کسے جاتے اور اسی طرح کی دوسری نازیبا حرکتیں کی جاتی ہیں۔ سروے کے مطابق اس ذہنی اذیت کی وجہ سے عورتیں اکثر بیمار ہو جاتی ہیں اور ان کی صحت خراب رہتی ہے۔ اس سروے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تصویر ابھی نامکمل ہے۔ کیوں کہ عورتوں کو ہراساں کیے جانے کے بہت سے واقعات کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہراساں کی جانے والی عورتوں میں سے تقریباً ۶۰ فی صد چپ ہو کر بیٹھ جاتی ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتی ہیں کہ شکایت کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ اس سے مزید معاشی اور نفسیاتی نقصان ہوگا۔ ساتھ ہی اس سے ان کی مزید رسوائی کا سامان ہوگا(۲) یہ اسی خبر کا اردو ورژن ہے، اس کے انگریزی ورژن کے مطابق ہر تئیس بڑے صنعتی ملکوں کا سروے ہے جن میں سے کچھ کے نام اوپر دیے گئے ہیں۔ یہاں ان میں آسٹریلیا کا اضافہ ہے۔ مزید ان ملکوں کے ساتھ مشرقی اور مغربی یورپ کے کئی ملکوں آسٹریا، چیکوسلواکیا، ڈنمارک اور جرمنی وغیرہ کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے کہ ہر ایک ملک میں کس شرح سے کامگار عورتیں جنسی استحصال کا شکار ہیں۔ سب سے اونچی برطانیہ عظمیٰ کی ۷۴ فی صد ہے۔ کام کے دوران ۷۴ فی صد برطانوی خاتون کامگاروں نے جنسی ہراسانی (Sexual harrassment) کا تجربہ کیا(۳)

---

(۱) روز نامہ قومی آواز نئی دہلی ۲۷ / اکتوبر ۱۹۹۱ء زیر عنوان: یورپی ملکوں میں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی میں اضافہ پر تشویش۔ دفاتر میں دست درازی کے واقعات کی روک تھام اور عورتوں کے تحفظ کے لیے قانونی اقدامات۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۳۰ / نومبر ۱۹۹۲ء جائزہ بہ عنوان: یورپی ممالک میں ملازم پیشہ عورتوں کو استحصال کا سامنا زیادہ۔

(۳) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی یکم دسمبر ۱۹۹۲ء تحت عنوان: Sexsual harrassment a global Phenomenon (عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کیا جانا، ایک عالمی مظاہرہ)۔

یہ حال تو پہلی دنیا کے دفتروں اور کارخانوں کا تھا۔ ان کے یہاں پولیس، فورس اور جیل کے محکموں کا حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ویسٹ شائر میں برطانیہ کی سب سے بڑی پولیس فورس میں اس کی خاتون پولیس ارکان جنسی استحصال کا شکار ہیں۔ یہ کسی اور کا نہیں اس محکمہ کی ایک سینیئر ترین خاتون پولیس افسر کا ہے جو ۲۶ برس سے اس فورس میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اسی طرح کے ایک معاملے میں گواہی دیتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ان کے ملک میں پولیس سروس میں کسی خاتون کا ہونا انتہائی دشوار امر ہے اور دوران ملازمت ان کو اس سلسلے میں جو تجربات ہوئے ہیں وہ دوسری خواتین کی بہ نسبت بہت کم ہیں۔ جب کہ خود ان کو متعدد بار مرد پولیس آفیسرز کے ذریعے انتہائی بدتمیزی اور ناشائستگی کے ساتھ جنسی حملے کا نشانہ بنایا گیا۔ اور کتنی بار ان کو نامناسب اور جنسی ترغیبات والے جملے سننے پڑے۔ ان کی مقدار بتانا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔[1] امریکہ میں سیاہ فام خاتون فوجیوں کا جو حال ہے اس کی تفصیل اس سے پہلے آچکی ہے کہ امریکی مرد فوجیوں کی بڑھی ہوئی جنسی زیادتیوں کے پیش نظر ان کے لیے فوج میں کام کرنا اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ میں خاتون قیدیوں کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ ہے کہ 'امریکا میں خاتون قیدیوں کو سنگین نوعیت کے جنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں عصمت دری اور مرد قیدیوں کے ہاتھوں 'جنسی کنیز' فروخت کرنے جیسے واقعات شامل ہیں'۔ اسی رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ امریکی جیلوں میں عورتوں کو برہنہ کرکے وہاں کے مرد محافظ اور سنتری ان کا معائنہ کرتے ہیں اور ان کے جسم کے اعضاء کو چھوتے ہیں۔ عورتوں کی اس بے بسی اور ان کے ساتھ زیادتی کا بڑا سبب اسے بتایا گیا ہے کہ جیلوں میں کثیر تعداد میں مرد محافظ اور سنتری تعینات ہیں۔[2] اسی سلسلے کی ایمنسٹی کی ایک دوسری رپورٹ میں امریکہ کے مختلف قید خانوں میں عورتوں کو منظم طریقے سے ستایا جاتا ہے۔ انھیں مرد سنتریوں یا مرد قیدیوں کے ہاتھوں فروخت کردیا جاتا ہے جو انھیں جنسی کنیز بنا کر رکھتے ہیں۔ مزید براں امریکہ کی کم از کم آٹھ ریاستوں میں خاتون قیدیوں

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۲۴ رمئی ۹۶ء زیر عنوان: عورتیں برطانیہ میں بھی امتیاز کا شکار۔ پولیس افسر خواتین تک جنسی استحصال سے محفوظ نہیں۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۶ رمارچ ۱۹۹۹ تحت عنوان: ایمنسٹی: امریکا میں خاتون قیدیوں کا جنسی استحصال۔ عورتوں کی جیلوں میں مرد محافظوں اور سنتریوں کی غنڈہ گردی۔

اور سنتریوں کے درمیان جنسی تعلق کو جرم تصور نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح ان جیلوں میں حاملہ خاتون قیدیوں کے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا جاتا ہے[۱] ان سے بھی برا حال امریکہ اور برطانیہ کی تعلیم گاہوں کا ہے جو ان کے مخلوط کلچر کے سبب میں بڑھ کر ستم خوردہ ہیں۔ چناں چہ امریکہ کے مختلف تعلیمی اداروں میں جو ۸۰ فی صد طالبات اپنی مرضی سے عزت گنوا بیٹھتی ہیں تو اس کا ذمہ دار بھی امریکہ میں رائج اسی مخلوط تعلیمی نظام کو قرار دیا جا رہا ہے جس نے پہلی دنیا کے اس پہلے ملک میں تمام تر اخلاقی قدروں کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے[۲] جہاں تک برطانیہ عظمیٰ کا سوال ہے تو وہاں لڑکیوں کے نوعمری میں جنسی تعلقات قائم کرنے، حاملہ ہونے اور منشیات کی لت میں مبتلا ہونے کے واقعات میں اضافہ کے بعد برطانوی والدین کا ایک بڑا طبقہ اب اس کی حمایت کرنے لگا ہے کہ لڑکیوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرایا جائے جہاں صرف لڑکیاں داخل ہوسکتی ہوں۔ اسی طرح اس ملک میں اس مطالعاتی انکشاف کے بعد کہ مخلوط اسکولوں کے مقابلے میں ایسے اسکولوں کے نتائج بہتر ہوتے ہیں جہاں صرف لڑکے یا لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، اس رپورٹ کے بعد عوام کے مختلف طبقوں میں اس کی مہم شروع ہوگئی ہے کہ مخلوط اسکولوں کی جگہ ایسے اسکول قائم کیے جائیں جہاں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں تعلیم حاصل کریں[۳]

ہمارا عزیز ملک جو نئی دنیا کے طور طریقوں کو اختیار کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے، جیسا کہ گزرا، اس نے اس دنیا کی مخلوط کلچر کی روایت کو بھی پورے شرح صدر کے ساتھ اختیار کر لیا ہے۔ لیکن یورپ اور ہمارے درمیان ایک فرق ہے۔ یورپ کے اندر جرأت ہے یا یہ کہ دوسرے لفظوں میں وہ حیا باختہ ہے، جس کی وجہ سے اسے اپنے یہاں کی بے حیائی اور برائی کو بیان کرنے میں تردد نہیں ہوتا ہے۔ مشرقی تہذیب کی رعایت میں ہمارے یہاں اس کے حوالے سے تحفظ ہے چناں چہ پردہ داری ان بہت سی برائیوں کو لوگوں کے سامنے نہیں آنے دیتی ہے جو فی الواقع ہمارے سماج اور ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ لوگ ان سے دوچار ہیں اور ان کو بھگت رہے ہیں۔

---

(۱) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۸؍ نومبر ۱۹۹۸ء زیر عنوان: امریکی جیلوں میں عورتوں کو جنسی کنیز بنا کر رکھنے کا چلن (ایمنسٹی انٹرنیشنل)۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۱۳؍ فروری ۱۹۹۸ء بہ عنوان: رنگا رنگ: شوق سے ''لٹا'' دیتی ہیں۔ اس کا تفصیلی حوالہ اس سے قبل آچکا ہے۔

(۳) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۰؍ ستمبر ۱۹۹۵ء خبر بہ عنوان: برطانیہ میں مخلوط اسکولوں کے خلاف مہم شروع۔

لیکن روایت کی پاس داری میں زبان سے اس کے تذکرے اور اسے طشت از بام کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ تمہید اس لیے کہ ہمارے یہاں دفتروں، کارخانوں اور مخلوط تعلیم گاہوں کا ابھی تک کوئی جامع سروے اور جائزہ نہیں ہے جس سے ان جگہوں کی صحیح صورت حال اور وہاں نمودار ہونے والے واقعات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ تاہم کچھ چیزیں ہیں جو چھن چھنا کر سامنے آہی جاتی ہیں۔ یہ بنگلور کی سنٹرل جیل کی خاتون پولیس کارکنوں کی داستان الم ہے جن کا الزام ہے کہ اعلیٰ افسران کے ذریعہ ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ چناں چہ کرناٹک اسمبلی کی بچوں اور خواتین کی فلاح سے متعلق کمیٹی کی صدر جناب پرمیلا نسارگی (श्रीमति प्रमिला नेसारगी) کا بیان ہے کہ جیل کا دورہ کرنے گئی ان کی کمیٹی کو کئی خاتون پولیس کارکنوں نے اپنی دکھ بھری داستان سنائی۔ ان کا الزام ہے کہ ان کا بار بار جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ جناب نسارگی کا یہ بھی کہنا ہے کہ جیل کے اندر انھیں خاتون قیدیوں اسی طرح زیر غور خاتون قیدیوں کے جنسی استحصال کی تو کوئی شکایت نہیں ملی لیکن ان کو پورا شک ہے کہ ان دونوں طرح کی خاتون قیدیوں کا جیل میں پوری طرح جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ البتہ جیل کے اعلیٰ افسران کے خوف سے وہ اس کے خلاف منہ کھولنے کی اپنے اندر ہمت نہیں جٹا پاتی ہیں۔ اسی خبر میں اس کمیٹی نے اپنی دوسرے سفارشات کے علاوہ خاتون قیدیوں کے لیے الگ جیل احاطہ بنانے کی سفارش کی ہے[1] اور معاملہ صرف جیل کا ہی نہیں۔ عام دفتروں اور کارخانوں کا حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ صرف راجدھانی دہلی سے متعلق ایک تازہ ترین جائزے کے مطابق ۶۰ فی صد خواتین کو اپنے کام کی جگہوں میں جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کا تجربہ ہوا، یا انھیں دیگر خواتین کے متعلق معلومات تھیں جن کو اسی طرح ہراساں کیے جانے کا شکار ہونا پڑا۔ یہ خواتین کی ایک تنظیم سکشی (Sakshi) کے فراہم کردہ اعداد و شمار ہیں جس کے لیے اس نے ۸۷ سرکاری اور نجی زمرے کے ملازمین کی خدمات حاصل کیں جنھوں نے باقاعدہ اس سے متعلق خواتین کے جوابات حاصل کیے۔ اسی طرح کے ایک دوسرے جائزے میں احمد آباد، نئی دہلی، بھونیشور اور بنگلور کے سلسلے میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ان شہروں میں ۷۲ فی صد خواتین جن سے اس سلسلے میں باقاعدہ سوالات

---

(۱) ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمس نئی دہلی ۲۹ نومبر ۱۹۹۰ء تحت عنوان महिला पुलिस कर्मियों का जेल में यौन शोषण (جیل کے اندر خواتین پولیس کارکنوں کا جنسی استحصال)۔

کیے انھیں یا تو بہ ذات خود اسی طرح ہراساں کیے جانے کا تجربہ ہوا یا ان کو اس کے متعلق سننے کا موقع ملا(۱) راجدھانی دہلی سے متعلق ہمیں ایسے ہی دوسرے جائزے کے انکشافات اس سے مختلف نہیں ہیں جس کے مرکزی حکومت سے متعلق دفاتر اور مراکز میں خواتین ملازمین کا حال خراب ہے۔ طرح طرح سے انھیں اپنے بڑے افسروں کی طرف سے جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے۔ اور خواہش نہ پوری ہونے پر انھیں متنوع طریقوں سے ستایا اور پریشان کیا جاتا ہے۔ زیر نظر حوالے میں متعین مثالوں سے اس کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں جس کو طوالت کی مجبوری سے قلم انداز ہی کیا جا سکتا ہے(۲) جہاں تک ہمارے تعلیمی اداروں کا سوال ہے ان کا راز سب میں بڑھ کر طشت از بام ہے۔ یہ خبر بھی بنگلور ہی کی ہے۔ اور اس کا تعلق بیجا پور کے ایک میڈیکل کالج سے ہے۔ ایک خاتون طالبہ کو اس کے ہوسٹل سے کھینچ نکالا گیا، اسے بالکل برہنہ کر دیا گیا اور اسے لڑکوں کے ایک ہوسٹل میں ایک پہلے سال کے طالب علم کے ساتھ بند کر دیا گیا ساتھ ہی زبردستی اسے بھی ننگا کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ سینیروں کی موجودگی میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی عمل کر کے دکھائیں۔ ان کے ایسا نہ کر سکنے اور انکار کرنے پر انھیں پورے تین دن تک اسی کمرے میں بغیر کھانا پانی کے بند رکھا گیا(۳) یہ صرف ایک واقعہ ہے۔ ہمارے مخلوط تعلیمی نظام کی بہ دولت ریگنگ کے ایسے نہ جانے کتنے واقعات ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رونما ہوئے ہوں گے۔ معاملہ صرف ریگنگ کے دائرے تک محدود نہیں ہے۔ ہمارے مخلوط تعلیمی نظام کی عمومی صورت حال بھی حد درجہ پریشان کن اور تشویش ناک ہے، جس کے چلتے بہت سی جگہوں پر وہاں کے لوگوں نے اپنی بچیوں کو اعلیٰ تعلیم

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء۔ جائزہ بعنوان: Dowry related violence claims 5,000 lives annually: Study (جہیز سے متعلق تشدد میں ہر سال پانچ ہزار قیمتی جانیں چلی جاتی ہیں۔ ایک مطالعہ کے انکشافات)۔

(۲) دی ٹائمس آف انڈیا، لکھنؤ، ۱۶ر فروری ۲۰۰۰ء۔ خبر تحت عنوان: Sexual harrassment at work place continues and 'worse' condoned. (کام کی جگہوں میں جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کا عمل جاری، اس سے بدتر یہ کہ اسے نظر انداز کیا جاتا ہے)۔

(۳) انگریزی روزنامہ دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۳۱ر جنوری ۱۹۹۷ء خبر زیر عنوان: Sexual Perversion masquerades as ragging (ریگنگ کی آڑ میں جنسی گم راہی)۔

نہ دلانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اور ہمارے ملک میں لڑکیوں کو بیچ سے ادھوری چھوڑ دینے کے مختلف اسباب میں سے یہ اہم سبب ہے۔ یہ مغربی دہلی کے چاند پور گاؤں کا واقعہ ہے۔ جہاں کی زیادہ تر جوان لڑکیاں اسکول نہیں جاتی ہیں دریں حالے کہ یہاں سے صرف کلومیٹر کے فاصلے پر سرکاری اسکول موجود ہے۔ اس گاؤں کے رہنے والوں نے تقریباً اپنی نوخیز لڑکیوں کو مخلوط تعلیم گاہوں میں بھیجنا بند کردیا ہے۔ اس لیے ماضی قریب میں ان میں چھیڑ خانی کے بہت سے واقعات ہوچکے ہیں۔ ایک خاص واقعے میں لڑکی اس سے اس قدر دل برداشتہ ہوئی کہ خبر کے حوالے کے مطابق ایک ماہ پہلے اس نے خودکشی کرلی۔ نتیجے کے طور پر یہاں کمسن لڑکیوں میں شاذ و نادر ہی کوئی ہوگی جس نے ہائی اسکول (Matriculation) سے اوپر تعلیم حاصل کی ہو۔ کچھ خوش حال گھرانے اسکول کے بہ جائے پرائیوٹ ٹیوٹروں کے ذریعہ بچیوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔ جب کہ اکثریت کا معاملہ ہے کہ یا تو وہ بچیوں کو گھر کے کام کاج میں لگا دیتے ہیں۔ ورنہ شادی کی سرکاری عمر ۱۸ سال سے پہلے ہی ان کی شادی کردیتے ہیں۔ چھیڑ خانی کے اوپر کے واقعات میں جسمانی چھیڑ چھاڑ کے علاوہ باقاعدہ عصمت دری (Rape) تک کے واقعات ہوچکے ہیں، جس کی وجہ سے یہ گاؤں باسی لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم سے بالکل بے زار ہوچکے ہیں۔ ساتھ ہی ان کا کہنا ہے کہ جب تک لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ شفٹوں میں پڑھائی کا انتظام نہ ہو، اعلیٰ تعلیم میں لڑکیوں کے بیچ سے پڑھائی چھوڑ دینے کے اوسط میں کمی نہیں آسکتی(۱) یہ ایک آئینہ ہے جس میں باقی ملک کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ عرض کیا گیا، ریلوے، ڈاک خانہ، بینک، سرکاری دفاتر اور حکومت کے سکریٹریٹ جیسے اختلاط مرد و زن کے ہمارے مراکز کی موجودہ حقیقی صورت حال کا ایمان دارانہ اور دیانت دارانہ سروے ہمارے سامنے آسکے تو چونکا دینے والے حقائق سامنے آئیں۔ سماجیات کے طلبہ و محققین اور سماجی تحقیق کے دوسرے سرکاری غیر سرکاری اداروں کے لیے یہ ایک دل چسپی کا مضمون ہے، جس سے اپنی اصلاح اور بہتری احوال کی سمت میں پیش رفت ہوسکتی ہے۔

---

(۱) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۱۹ر نومبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: Are village girls better off at home than at school with boys? (کیا دیہاتی لڑکیاں اسکولوں میں بچوں کے ساتھ رہنے کے مقابلے میں اپنے گھروں پر رہنے میں زیادہ راحت محسوس کرتی ہیں)۔

عورتوں پر مظالم

صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی اور بے انصافی کا یہ بہت مخصوص پہلو ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر عام زندگی میں بھی عورت مظالم اور زیادتیوں کی شکار ہے۔ آزادیِ نسواں کی تحریکوں، مساواتِ مرد و زن کے نعروں اور حکومتوں اور میڈیا کی طرف سے حقوقِ نسواں کے ہزاروں اعلانات اور اشتہارات کے باوجود عملی دنیا کی اور زمینی حقیقت یہی ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں صنفِ نازک کو وہ حقوق، تحفظ اور وہ امن و اطمینان حاصل نہیں ہے، جو شرافت اور انسانیت کی مسلّمہ قدروں کے حوالے سے اسے حاصل ہونا چاہیے اور جسے آخری محمدی شریعت اپنی کامل ترین صورت میں اسے فراہم کرنے کو اپنی اولین ترجیحات میں شمار کرتی ہے۔ جیسا کہ آگے اپنے مقام پر اس کی تفصیل آتی ہے۔ اس صورتِ حال کی بنیادی وجہ سو حقیقتوں کی یہ حقیقت ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں کم زور ہے اور جب تک مرد طبقے کا اعتماد اور تحفظ اسے حاصل نہ ہو واقعے کی دنیا میں اسے اپنے حقوق کی ضمانت فراہم نہیں ہو سکتی۔ معاصر دنیا کا یہ اعتماد اور تحفظ چوں کہ اسے فراہم کرنے سے قاصر ہے اس لیے اس کے زیر انتظام عورت کو اس کے جائز حقوق نہیں مل پا رہے ہیں، جو ہر ایک کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں اور ان سے کسی پہلو سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ گھروں کے اندر ظالم شوہروں کے ذریعے عورتوں کی پٹائی کی جاتی اور طرح طرح سے ان کو ظلم اور زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسی مثالیں بھی نایاب نہیں ہیں جہاں عورتوں کو گھروں کے اندر عملاً کنیزوں اور باندیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اور ان کے حقوق و اختیارات کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جہیزی اموات گھر کے اندر کے مظالم کا ایک الگ ہی باب ہیں جو ہمارے اخبارات کا مستقل کالم ہیں۔ جن میں بربریت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے عورت کو اس کے جینے کے حق سے ہی محروم کر دیا جاتا ہے۔ گھر سے باہر اغوا، عصمت دری اور زنا بالجبر ہمارے اخبارات کے دوسرے مستقل کالم ہیں۔ جن کے واقعات میں لگاتار دن پر دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال ہمارے ملک کا نسبتاً ایک پر سکون شہر ہے۔ اس کے بارے میں تازہ ترین اطلاع ہے کہ حوالے کے وقت سے صرف گیارہ مہینوں کے اندر اس شہر کے مختلف تھانہ علاقوں میں ۹۵ لڑکیوں کے اغوا کی وارداتیں ہوئیں جن میں سے ۴۵ کی عصمت دری بھی

کی گئی۔ اس کے علاوہ اسی مدت میں اس شہر میں تھانوں میں درج رپورٹوں کو ملا کر عصمت دری کے ۱۰۴ واقعات ہوئے۔ جب کہ ۱۹۹۸ میں یہ تعداد ۶۸ اور ۱۹۹۷ میں ۹۲ تھی۔ اسی طرح پولیس ریکارڈ کے مطابق ۱۹۹۸ میں ۱۰ سے ۱۶ سال کی عمر کی لڑکیوں کی آبروریزی کے ۲۱ واقعات پیش آئے۔ ۱۶ سے ۳۰ سال کی عمر کی لڑکیوں کی آبروریزی کے ۳۰ واقعات عمل میں آئے اور ۳۰ سال سے زیادہ عمر کی عورتوں کی عزت لوٹنے کے دو واقعات منظر عام پر آئے۔ جب کہ اس سے پہلے ۱۹۹۷ء میں ۱۰ سال سے کم عمر کی بچیوں کی عصمت ریزی کے ۶ واقعات ۱۰ سے ۱۶ عمر کی لڑکیوں کی عصمت ریزی کے ۲۳، ۱۶ سے ۳۰ سال کی عورتوں کے ساتھ عصمت ریزی کے ۴۴ اور ۳۰ سال سے زیادہ عمر کی عصمت ریزی کے ۱۹ واقعات رونما ہوئے[۱] یہ ایک آئینہ ہے اسی میں باقی ملک کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ ملک کے دوسرے صوبے مثلاً راجستھان میں خواتین کے ساتھ ایسے ہی بڑھے ہوئے مظالم تھے جس کے نتیجے میں بارہویں لوک سبھا کے انتخابات میں وہاں کی حکمراں بی جے پی سرکار کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ خواتین کے یک مشت بی جے پی کے خلاف پڑنے سے وہاں کانگریس پارٹی فتح سے ہم کنار ہوئی۔ بعد کے اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی یہ شکست اور موکد ہو کر اس صوبے میں اس کی جگہ کانگریس کی حکومت قائم ہوگئی[۲] جب کہ ایک حالیہ سروے کے مطابق ملکی سطح پر ہندستان میں ہر ۵۴ منٹ میں ایک عورت کی عصمت دری کی جاتی ہے، ہر ۲۶ منٹ پر ایک آبروریزی کا واقعہ ہوتا ہے، ہر ۴۲ منٹ پر ایک دلہن جلائی جاتی ہے اور اور ۳۳ منٹ پر ظلم کا کوئی نہ کوئی گھنونا واقعہ پیش آتا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ملک میں عورتوں کی پٹائی کے واقعات بھی عام ہوتے جارہے ہیں۔ جہاں تک جہیزی اموات کا تعلق ہے جولائی ۱۹۹۱ء کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ تین سالوں میں ۱۱,۲۰۹ جہیزی اموات واقع ہوچکی ہیں جب کہ صرف دہلی میں ۱۹۹۶ء میں جہیز سے متعلق ۱۳۱ اموات کا اندراج کیا گیا جو کہ ۱۹۹۷ء میں بڑھ کر ۱۴۷ ہوگیا۔ ملک کے بعض

---

(۱) راشٹریہ سہارا دہلی ۲۸ نومبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: بھوپال میں عورتوں پر مظالم کے واقعات میں بے تحاشا اضافہ۔

(۲) اس موقع پر ملک کے الکٹرانک میڈیا (دہلی دوردرشن) کے تجزیہ کاروں کا یہی کہنا تھا کہ ان انتخابات میں یہ کایا پلٹ اس صوبہ میں خواتین پر مظالم کے نتیجے میں ہوئی۔ میڈیا کے ان پروگراموں میں صوبے کے اندر اور باہر کی خواتین کارکن (Activists) کے ذریعہ اس سلسلے کے واقعات اور چونکا دینے والی صورت حال کی تفصیل بھی پیش کی گئی۔

علاقوں میں عورتوں کو ڈائن (Witch) بتا کر مار دیے جانے جیسے واقعات اس کے علاوہ ہیں جن کے تحت طبقہ خواتین ظلم و زیادتی کا شکار ہے[١] اس سلسلے میں عام طور پر بہار اور مدھیہ پردیش کے مخصوص علاقوں کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن ایک تازہ جائزے کے مطابق راجستھان کا حال بھی اس سلسلے میں ان دونوں صوبوں سے مختلف نہیں ہے، جہاں ڈائن کے نام پر غریب اور ان پڑھ خواتین کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے[٢]

اسی سلسلے کے ایک تازہ ترین جائزے کے مطابق جہیز سے متعلق تشدد میں ہمارے ملک میں سالانہ پانچ ہزار سے زائد خواتین موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ عالمی سطح پر ٢٠ سے لے کے ٥٠ فی صد تک خواتین شادی شدہ زندگی کے دوران کسی نہ کسی نوع کے تشدد کا تجربہ ضرور کرتی ہیں۔ صرف ایک ١٩٩٦ء میں ہندستان میں طبقۂ خواتین کے خلاف کل ملا کر جتنے جرائم کا ارتکاب ہوا اس کا ٣٠،٤ فی صد خانگی ایذاء رسانی سے متعلق تھا۔ یہ اعداد و شمار خواتین کی ایک تنظیم سکشی (Sakshi) کے ہیں جو خواتین کے حقوق اور ان کے خلاف تشدد پر لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لیے یوم حقوق انسانی کی مناسبت سے جاری کیے گئے ہیں۔ سکشی کے اسی بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ خاندانی وقار، تہذیب اور روایت کے بھیس میں عورتوں کے خلاف تشدد کو عام طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ اور اس کے سلسلے میں زیادہ کہنے سننے کو کچھ بہت اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے[٣] الکٹرانک میڈیا کے مطابق اس وقت ملک میں عورتوں پر مظالم کے ١٥ لاکھ مقدمات درج ہیں[٤] لوک سبھا میں پیش کی گئی تازہ ترین رپورٹ

---

(١) تحریک اسلامی کے حلقے کی معروف خاتون کارکن جنابہ شہناز بیگم کا تازہ مضمون: ہندستانی خواتین کے مسائل اور جماعت اسلامی کا موقف، مطبوعہ زندگی نو نئی دہلی دسمبر ١٩٩٩ء میں ان اعداد و شمار کے علاوہ اس سلسلے کی اور بھی اچھی اور کارآمد معلومات ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: سہ روزہ دعوت نئی دہلی ١٩ ردسمبر ١٩٩٩ء زیر عنوان 'ہندستان میں بچوں اور عورتوں کی حالت زار پر اظہار تشویش'۔

(٢) راشٹریہ سہارا دہلی ١٨ ردسمبر ١٩٩٩ء زیر عنوان: راجستھان کے دیہی علاقوں میں ان پڑھ غریب خواتین ڈائن کے نام پر عتاب کا شکار۔

(٣) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ١١ ردسمبر ١٩٩٩ء جائزہ بعنوان: Dowry related violence claims 5,000 lives annually: Study (جہیز سے وابستہ تشدد میں سالانہ پانچ ہزار جانیں تلف ہوتی ہیں۔ ایک مطالعہ کے نتائج)

(٤) دہلی دوردرشن DD1 کا عنوان 'بھارت ٢٠٠٠'۔ مورخہ ٢٥ رمئی ١٩٩٩ء بروز منگل صبح ٩ ½ بجے۔

کے مطابق پورے ملک میں ۱۹۹۸ء میں عصمت دری کے ۸۵، ۱۵۰ واقعات درج کیے گئے جب کہ اسی سال جہیزی اموات کی کل تعداد ۶۹۲۹ رہی[۱]

خاندان کا انتشار

عمارت کی اگر بنیاد ہی کج ہو تو وہ جس قدر اونچی جائے گی اس کی کجی اسی قدر نمایاں ہوتی جائے گی۔ معاصر دنیا کا بھی کچھ یہی حال ہے۔ ہدایت الٰہی سے بے نیاز ہو کر خالص عقل اور تجربے کی بنیاد پر جو اس نے زندگی کی تعمیر کا نقشہ تیار کیا ہے تو قدم قدم پر اس کو ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا ہے۔ اس کا ایک نمونہ آج خاندان کے انتشار کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے، جس کا پہلی دنیا اور تیسری دنیا ہر ایک کو یکساں طور پر سامنا ہے۔ اور اس کے پیدا کردہ مسائل نے سبھی کو پریشان خاطر اور بے حال کر رکھا ہے۔ فرد اور معاشرے یا دوسرے لفظوں میں ریاست کے بیچ کی اکائی 'خاندان' ہے، جو ان دونوں کو جوڑتا اور ان کے درمیان ایک طرح سے پل کا کام دیتا ہے۔ یہ پل اگر مضبوط اور مستحکم رہے تو فرد اور ریاست دونوں کو امن و اطمینان کی ضمانت رہتی ہے۔ لیکن اگر یہ کمزور ہو جائے اور اس کی بنیادیں ہل جائیں تو فرد اور معاشرے کے معاملات کا ناہموار اور بے اطمینان ہونا یقینی ہے۔ معاصر دنیا کی سب سے بڑی تراسدی ہے کہ اس کا خاندانی نظام درہم برہم ہے۔ اور ہر آنے والا دن اس پہلو سے اس کی تباہی اور بربادی میں اضافہ کرتا ہے۔ سب سے برا حال امریکہ اور یورپ کا ہے جہاں ۶۰ سے ۷۰ فی صد شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ اور بزرگ والدین کا ٹھکانا صرف اولڈ پیپلز ہومز ہیں۔ جب کہ بیٹے اور بیٹیاں ہوش سنبھالتے ہی اپنا علٰحدہ گھر بنا لیتے ہیں۔ خاندانی نظام نہ ہونے کے باعث یہاں لوگ بڑے پیمانے پر ڈپریشن، ذہنی امراض اور شراب نوشی کا شکار ہو رہے ہیں۔ ڈپریشن کی بعض صورتوں میں لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ سویڈن کا شمار دنیا کے خوش حال ترین ملکوں میں ہوتا ہے لیکن یہاں خودکشی کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب فیملی سپورٹ اور خاندانی نظام کا فقدان ہے۔ یہاں تک کہ دنیا بھر میں خاندانی نظام کے زوال پذیر ہونے کے پیش نظر ۱۹۹۷ء میں اقوام متحدہ نے ترقی یافتہ ممالک کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ وہ مشترکہ خاندانی نظام کو

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: 15,000 rape case recorded in 1998
نیز ملاحظہ ہو راشٹریہ سہارا نئی دہلی ۲۲ر دسمبر ۹۹ء تحت عنوان: ۱۹۹۸ کے دوران ۶۹۱۷ جہیزی اموات کی رپورٹ۔

فروغ دینے کے لیے اپنے بجٹ میں کثیر رقم مختص کریں۔ اسی مجلس کی ایک رپورٹ کے مطابق اگر آئندہ پانچ برسوں میں ترقی یافتہ ممالک نے اپنے خاندانی نظام کو مضبوط نہ بنایا تو ان کی گھریلو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ مزید براں اقوام متحدہ کے تعاون سے خاندانی نظام بچانے اور اسے مضبوط بنانے کے لیے مختلف ممالک میں ۵۰ سے زائد منصوبے شروع ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی اقوام متحدہ نے ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے یہاں بھی خاندانی نظام کو نہ ٹوٹنے دیں[1] اس حوالے سے سب سے خراب حال پہلی دنیا کے پہلے ملک امریکہ کا ہے، جس کا خاندانی نظام اپنی تباہی کے آخری کگار پر ہے۔ اور اس سلسلے کے اس کے یہاں کے اعداد و شمار بڑے خوف ناک اور عبرت انگیز ہیں۔ چناں چہ ایک تازہ جائزے کے مطابق امریکہ میں شادی کر کے اکٹھے رہنے والے جوڑوں کی تعداد میں روز بہ روز کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایسے جوڑوں کی تعداد میں بدستور تشویش ناک رفتار سے اضافہ ہو رہا ہے جو شادی کے بغیر اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ امریکی محکمۂ شماریات کی اسی رپورٹ کے مطابق ۲۵ سے ۳۵ سال کے کم از کم ۲۵ فی صد امریکی ایسے ہیں جنھوں نے شادی نہیں کی۔ ۴۰ لاکھ جوڑے بغیر شادی کے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تہائی جوڑوں کے بچے بھی ہیں۔ ۱۹۷۰ سے لے کر اب تک بغیر شادی کے اکٹھے رہنے والے جوڑوں کی تعداد میں ۸ گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح ۱۹۷۰ سے لے کر اب تک طلاق کی شرح میں ۹ گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح اب تک ایک کروڑ ۹۳ لاکھ جوڑوں میں طلاق ہو چکی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت امریکہ میں ۶۵ سال سے اوپر کی پچاس فی صد سے زائد خواتین بیوہ ہو چکی ہیں۔ جب کہ ۶۵ سال سے اوپر ۷۰ فی صد خواتین

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ہفتہ وار ضمیمہ ۲۴ر جنوری ۱۹۹۹ء میں جناب رؤف خاں کے مضمون کی دوسری اور آخری قسط زیر عنوان 'ٹوٹ پھوٹ رہا ہے پاکستان کا خاندانی نظام' جس میں پڑوس ملک کی صورت حال کی تفصیل کے علاوہ دوسری اور کام کی باتیں بھی ہیں۔ خیال رہے کہ اس موقع پر متحدہ اقوام کی 'مشترکہ خاندانی نظام' کی بحالی کی اپیل برصغیر ہند کے روایتی مشترکہ ہندو خاندانی نظام کے احیاء کی نہیں ہے۔ یہ صرف اس حد تک ہے کہ بوڑھے ماں باپ اس طرح گھر خاندان کے دوسرے مدد اور تعاون کے محتاج افراد بے سہارا اور بے گھر ہونے سے محفوظ رہیں۔ اس دائرے میں اس تجویز پر اسلام پسندوں کا ردعمل مثبت ہونا چاہیے۔ اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام میں اس کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے۔ ورنہ برصغیر ہند کے روایتی مشترکہ خاندانی نظام کی برائیاں اپنی جگہ پر ہیں جس کی تفصیل اپنے مقام پہ کی گئی ہے۔ اور اقوام متحدہ کی اس تجویز کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

تنہا رہ رہی ہیں۔ ۱۸ر سال سے کم عمر کے صرف ۲۸ر فی صد بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو صرف اپنی ماؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب کہ ان میں سے ۴۰ر فی صد ایسی ماؤں کے پاس رہتے ہیں جنھوں نے زندگی میں کبھی شادی نہیں کی[1]

دوسری اطلاعات بھی اسی کی مظہر ہیں کہ امریکہ میں شادی کا ادارہ شدید خطرے سے دو چار ہے[2] نیز یہ کہ امریکی لوگ شادی شدہ زندگی سے بے زار ہیں۔ اور اس ملک میں گزشتہ چالیس کے دوران شادی کی شرح میں ۴۳ر فی صد کی گراوٹ آئی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ایک ہزار کنواری لڑکیوں میں سے ۸۷ء۵ فی صد نے شادی کی تھی جب کہ ۱۹۹۱ء میں ایک ہزار میں سے صرف ۴۹ء۷ فی صد نے شادی کی[3] دوسرے جائزوں سے بھی اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ امریکی صحیح معنوں میں شادی کو اپنے لیے خانہ بربادی خیال کرتے ہیں۔ وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے ساتھ ہی اس سے آزاد ہونے کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہاں شادی کی شرح گھٹ رہی اور طلاق کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اور لوگ شادی کے بغیر ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نوجوانوں میں باقاعدہ طور پر شادی کرنے کا شوق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ کافی عمر میں گھر بسانے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور رشتۂ ازدواج کو توڑنے والے امریکی دوبارہ اس بندھن میں بندھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی طرح رائے عام کے ایک جائزے کے مطابق اس ملک میں ساری عمر شادی نہ کرنے والے لوگوں کی تعداد دوگنی ہوگئی ہے۔ دریں حالے کہ امریکہ کی آبادی کا ۵۲ر فی صد حصہ مجرد ہے جس میں غیر شادی شدہ، طلاق شدہ اور علحدگی اختیار کرنے والے جوڑے یہ سب شامل ہیں۔ ساتھ ہی اس ملک میں خواتین کی آبادی ۵۰ر فی صد ہے[4] اسی طرح امریکہ میں طلاق اور شادی کے بغیر ماں بننے کے رجحان کے

---

(۱) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۴ر نومبر ۱۹۹۸ء زیر عنوان: شادی کے بغیر اکٹھے رہنے والے امریکی جوڑوں میں ۸ گنا اضافہ۔

(۲) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲ر فروری ۱۹۹۹ء۔ تحت عنوان: Fewer couples Marrying in U.S (امریکہ جہاں کم ہی جوڑے رشتۂ ازدواج میں بندھتے ہیں)

(۳) راشٹریہ سہارا دہلی ۴ر جون ۹۹ خبر بہ عنوان 'امریکی شادی شدہ زندگی سے بے زار'

(۴) قومی آواز نئی دہلی ۲۸ر اگست ۱۹۹۱ء زیر عنوان: شادی امریکیوں کے لیے خانہ بربادی۔ طلاق و علحدگی کی شرح اور بن بیاہے جوڑوں کی تعداد میں اضافہ۔

واقعات کی بنا پر ایسے خاندانوں کی تعداد میں ڈرامائی اضافہ ہوا ہے جو صرف ماں یا صرف باپ کی سربراہی میں ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں ایسے خاندانوں کا تناسب ۹ء۱۲ فی صد تھا جب کہ ۱۹۸۸ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳ء۲۷ فی صد ہوگئی۔ اسی طرح ۱۹۶۰ء میں یہاں ایک ہزار شادی شدہ افراد میں سے ۳۵ر طلاق یافتہ تھے جب کہ حوالے کے مطابق گزشتہ سال ایسے افراد کی تعداد بڑھ کر ۱۳۳ فی ہزار ہوگئی ہے۔[۱] برطانیہ کا حال امریکہ سے مختلف نہیں ہے۔ چناں چہ اس عظیم ملک میں، جیسا کہ گزرا، نہ صرف یہ کہ نوجوان لڑکیوں کی نصف تعداد شادی کے بندھن میں بندھے بغیر ماں بننا چاہتی ہے۔ بل کہ تقریباً اتنی ہی تعداد میں ۱۵ر سے ۱۶ر برس کی لڑکیاں اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ وہ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر شادی کے بعد علٰحدگی اختیار کر کے آزاد زندگی گزاریں گی۔ اسی جائزے کے مطابق شادی کے بندھن کو فضول سمجھنا، شادی کے بعد طلاق لینا اور بغیر شادی کے ماں بننے کی خواہش مند لڑکیوں کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ ہو رہا ہے۔[۲] جب کہ ایک دوسرے جائزے کے مطابق وہاں ماں بننے سے گریز کے رجحان کے تحت عمل جراحی کے ذریعہ اپنی تولیدی صلاحیت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرا لینے والی خواتین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ جس پر وہاں کی اطباء کی انجمن نے اپنی پریشانی اور تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق تیس سال کے اندر کی عمر کی پانچ فی صد برطانوی خواتین ہمیشہ کے لیے اپنی تولیدی صلاحیت کو ختم کرا رہی ہیں۔ دریں حالے کہ امریکہ سمیت پورے یورپ کے لحاظ سے یہ اوسط سب سے زیادہ ہے۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق ترقی یافتہ دنیا کی یہ مصیبت بہ جائے گھٹنے کے بڑھنے کی طرف مائل ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں گزشتہ تین عشروں کے دوران

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۱۰ر ستمبر ۱۹۸۹ء تحت عنوان 'امریکی سماج میں ''جنسی انقلاب'' کے نتائج۔ طلاق کی شرح اور ناجائز بچوں کی تعداد میں اضافہ۔ مزید ملاحظہ ہو: دی انڈین اکسپریس نئی دہلی ۷ر فروری ۱۹۹۱ء بہ عنوان 'Rise in single Parents in U.S (امریکہ میں تنہا والدین کی تعداد میں اضافہ۔ اور دی ٹائمس آف انڈیا ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۲ء زیر عنوان: American divorcing more than marrying. (امریکی لوگ شادیاں کم کرتے طلاق زیادہ دیتے ہیں)۔

(۲) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ر مئی ۹۹ء بہ عنوان: برطانیہ میں نوجوان لڑکیوں کی نصف تعداد شادی کے بغیر ماں بننا چاہتی ہے۔

طلاق کی شرح میں پانچ سو فی صد اضافہ ہوا ہے، جس کے نتیجے میں زیادہ تر بچے اکیلے والدین والے کنبوں میں رہ رہے ہیں۔

جنیوا میں جاری عالمی محنت رپورٹ ۲۰۰۰ء کے مطابق ترقی یافتہ ممالک میں اسی عرصہ میں بن بیاہی ماؤں کا فی صد چھ گنا بڑھ گیا ہے، جس سے اکیلے والدین کنبوں کی تعداد اسی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ شرح پیدائش میں کمی، بزرگوں کی تعداد میں اضافہ اور بڑھتا ہوا غربت و افلاس اس کے دوسرے متعلقات ہیں جن کی تفصیل بھی اسی مقام پر درج کی گئی ہے۔[1] اسے بھی خاندان کے انتشار کا ہی ایک مظہر کہنا چاہیے کہ مغربی دنیا میں گنگا الٹی بہہ کر اب عورتوں کے ذریعہ اپنے شوہروں کی پٹائی ہو رہی ہے۔ یہ ترنیڈاڈ اور ٹوباگو کی خبر ہے کہ وہاں کے پولیس محکمے میں اب شوہر اپنی بیویوں سے تحفظ طلب کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں وہاں کی ثقافت اور عورتوں سے متعلق امور کی وزارت کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق صرف ایک ۱۹۹۸ء میں مردوں کے خلاف گھریلو تشدد کے ۴۱۸ واقعات درج کیے گئے۔ جب کہ ۱۹۹۰ سے ۱۹۹۸ تک اسی تشدد میں دس مرد ہلاک ہو گئے۔[2] جن گھروں کا یہ نقشہ ہو وہاں نئی نسل کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا جیسا کچھ جتن کیا جا سکتا ہے، اس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا عزیز وطن بھی اس حوالے سے یورپ کے بالکل قدم بہ قدم ہے۔ صرف ایک شہر ملک کی راجدھانی دہلی کا حال ہے کہ جہاں ہر ہفتے بیس سے اوپر جوڑے مختلف بنیادوں پر اپنے شرکاء حیات سے طلاق اور علیحدگی کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ طلاق کو نپٹانے والی عدالتیں اس سے متعلق ہزاروں کیسوں کے باعث اپنا کام کاج کرنے میں دقت محسوس کرنے لگی ہیں۔ رواں سال کے صرف ابتدائی پانچ مہینوں ہی میں ان عدالتوں میں طلاق کے دو ہزار معاملات درج کرائے گئے۔ دہلی میں طلاق کے معاملات کو نپٹانے کی پانچ عدالتیں ہیں اور ہر جگہ صورت حال تقریباً یکساں ہے۔ ایک عدالت کے ایک عہدہ دار کے مطابق اس کے یہاں ہر مہینے اس کے سو سے اوپر معاملات نپٹائے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس عدالت میں پندرہ سو معاملات معرض التواء میں ہیں۔

---

(۱) راشٹریہ سہارا دہلی ۲۲ رجون ۲۰۰۰ء زیر عنوان: ترقی یافتہ ممالک میں طلاق کی شرح میں پانچ سو فی صد اضافہ۔

(۲) سہارا دہلی ۲ رجولائی ۲۰۰۰ء خبر بہ عنوان: شوہروں کے خلاف بیویوں کے تشدد میں زبردست اضافہ۔

اوسطاً اس عدالت میں روزانہ طلاق کے پانچ کیس تو آ ہی جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اس میں ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگ شامل ہیں۔ اکثر و بیشتر طلاق اور علٰحدگی کے یہ واقعات چھوٹے چھوٹے معاملات اور معمولی معمولی باتوں پر ہوتے ہیں جن میں شوہر بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور ہر آنے والے دن میں ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے بڑے اسباب میں لڑکوں اور لڑکیوں میں نمو پذیر عدم رواداری کے رجحان، بڑھتی مادیت پرستی اور تہذیبی قدروں کے فقدان کو قرار دیا گیا ہے۔ عورتوں کی تعلیم کو بھی اس کا ایک سبب بتایا گیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے اندر ایک طرح کی آزاد پسندی آ گئی ہے اور وہ پہلے کی طرح دب کر اور جھک کر رہنے کو بالکل تیار نہیں (۱) اسی پر ملک کے دوسرے شہروں اور علاقوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ الکٹرانک میڈیا کی اطلاعات کا کہنا ہے کہ آنے والے پندرہ برسوں میں ہمارا ملک طلاق اور علٰحدگی دوسرے لفظوں میں خاندان کے انتشار کے معاملے میں امریکہ کی شرح کو پوری طرح چھو لے گا (۲)

خاندان کے انتشار ہی کی علامت ہے کہ مرد جو گھر کا سربراہ اور نگراں ہے وہ اس سے باہر رہے اور خاندان عورتوں کے ذریعہ چلایا جائے۔ ہمارے ملک میں صوبہ کیرلا ایک ایسا ہی صوبہ ہے جہاں معاشرت کی یہ الٹی روایت نمو پذیر ہے۔ چناں چہ یہاں ایسے گھروں کی تعداد لگاتار بڑھ رہی ہے جو بہ جائے مردوں کے عورتوں کے ذریعہ چلائے جا رہے ہیں (۳) صوبہ اتر پردیش کے مشرقی اضلاع اعظم گڑھ اور جون پور وغیرہ کا حال اس سے مختلف نہیں ہے، جس کے اعداد و شمار اس سے قبل اپنے مقام پر پیش کیے جا چکے ہیں (۴)

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۲ر جون ۱۹۹۹ء تحت عنوان: Divorce cases graph shoots up. (طلاق کے معاملات کا گراف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے)۔

(۲) دہلی دوردرشن DDA کا پروگرام زیر عنوان: بھارت ۲۰۰۰، مورخہ ۲۵ر مئی ۱۹۹۹ء بہ روز منگل صبح ۹ ½ بجے۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۷ر اکتوبر ۱۹۹۸ء جائزہ بعنوان: Women headed house holds on rise in Cerala. (کیرلا میں خواتین سربراہی کے خاندانوں میں لگاتار اضافہ)۔

(۴) ہمارا رسالہ 'پردیسیوں کی زندگی اور اسلام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

صنفی امتیاز اور صنفی عدم توازن

صنفی امتیاز اور صنفی عدم توازن بھی آج کی دنیا کا بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ مساوات مرد و زن، آزادی نسواں (Women's Lib)، تحریک نسواں (Feminism) اور تخییر نسواں (Empowerment of women) کے ہزار دعووں، نعروں اور کوششوں کے باوجود عملی دنیا کی منہ پھاڑتی حقیقت ہے کہ طبقہ نسواں آج بھی صنفی امتیاز (Discrimination) کا شکار ہے۔ اس دنیا میں قدم رکھنے کے بعد پرورش و پرداخت، تعلیم، وراثت اور عمومی برتاؤ میں تو اس کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہی ہے اور لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کو دبا کر رکھا جاتا اور اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے، طبی سائنس کی ترقی نے ایک نئی آفت یہ پیدا کی ہے کہ اس دنیا میں آنے سے بھی اس کی راہ روکی جارہی ہے۔ اور جینے کے حق سے آگے اسے پیدا ہونے کے حق سے بھی محروم کیا جارہا ہے۔

روایتی طور پر اس برائی کا سب سے بڑا مرکز ہمارا پڑوسی ملک چین رہا ہے جہاں مخصوص کلچر کے طور پر بہ وجوہ لڑکیوں کو لڑکوں سے حقیر خیال کیا جاتا رہا ہے۔ ایک صدی قبل تک تو وہاں لڑکیوں کا نام تک نہیں رکھا جاتا تھا اور مختلف صورتیں اپنا کر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ لیکن طبی ٹکنالوجی کی ترقی نے آج چینیوں کے لیے اس کام کو بہت زیادہ آسان کر دیا ہے۔ اب والدین کی طرف سے لڑکی کو پیدا ہونے کے بعد مارنے کے بہ جائے الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ اس سے پہلے ہی اس کی شناخت کر کے اس کے حمل کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ یہ رسم بدوہاں جاری ہی تھی کہ ۱۹۷۰ء سے اسی ملک میں سخت گیر خاندانی منصوبہ بندی نے جس کے تحت ایک جوڑا ایک یا زیادہ سے زیادہ دو بچے ہی پیدا کر سکتا ہے، اس نے دختر کشی کی اس لہر کو مزید ترقی دی ہے۔ لوگ اس خوف سے کہ ایک یا دو بچیوں کی پیدائش سے ان کے خاندان کا کوٹہ پورا ہو جائے اور وہ اولاد نرینہ سے محروم رہ جائیں؟ اس سے بچنے کے لیے الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ لڑکیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی مار دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں حوالے کے وقت لگ بھگ ایک ارب تیرہ کروڑ آبادی والے اس ملک میں سو لڑکیوں پر ۱۱۸ء۵ لڑکوں کا اوسط بنتا ہے۔ اس عدم توازن کی وجہ بہت بڑی حد تک نئی تکنیک کے ذریعہ پیدائش سے قبل مادہ جنین کا اسقاط ہے۔ جب کہ ایک اندازے کے مطابق صرف ۱۹۹۰ء تک چین میں اس مقصد سے الٹرا ساؤنڈ کی ایک لاکھ مشینیں

زیر استعمال تھیں[1] دوسرے جائزے میں حوالے کے وقت چین کل ایک ارب ۱۵ر کروڑ کی آبادی میں مردوں کا فی صد ۲ء۵۱ تھا جس کا مطلب تھا کہ اس ملک میں عورتوں کے مقابلے ۲۰۰ ملین یعنی کہ دو کروڑ مرد زائد تھے۔ جن کے رواں عیسوی صدی کے خاتمہ ۲۰۰۰ء پر پانچ کروڑ (۵۰۰ ملین) ہوجانے کا اندازہ تھا۔ عورتوں کے مقابلے مردوں کی اسی اضافی تعداد کا کم وبیش تناسب چین کے علاوہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور منگولیا میں بھی موجود ہے[2]

اس حوالے سے ہمارے وطن عزیز کا حال بھی چین سے مختلف نہیں ہے۔ چین سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہمارے ہاں جو اولاد نرینہ کو نسل کو آگے بڑھانے والے کے ساتھ اسے پرلوک سنوارنے والا بھی باور کیا جاتا ہے[3] اس کا اثر آج الٹرا ساؤنڈ کی تکنیک سے قبل از پیدائش مادہ جنین کے اسقاط کے حد درجہ بڑھے ہوئے اوسط کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ یونیسیف کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق ملک کی کل ۳۲ر ریاستوں میں سے ۲۷ر میں لڑکی کو ماں کے پیٹ میں رحم کی نشو ونما ہونے سے پہلے ہی ناجائز اسقاط حمل کے ذریعہ مار دیا جاتا ہے[4] جب کہ ایک پرانے جائزے کے مطابق ۱۹۸۴ء میں صرف ایک ممبئی شہر میں جنین کے قتل کے ۴۰ر ہزار معاملات ہوئے اور صرف ایک کلینک میں ۱۶ر ہزار جنین ضائع کیے گئے۔ اعداد وشمار کے مطابق مزید براں لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کے ساتھ اسی امتیازی سلوک کا نتیجہ ہے کہ ہر سال پیدا ہونے والی ایک کروڑ بیس لاکھ لڑکیوں میں سے ۲۵ر فی صد اپنا پندرہواں جنم دن نہیں منا پاتیں۔ اور لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کی شرح اموات کافی زیادہ ہے۔ لڑکوں کے مقابلے ہر سال تین لاکھ لڑکیاں زیادہ مرتی ہیں۔ اور ان کی تعداد لگاتار کم ہو رہی ہے۔ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے موازنہ سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ دس سال کے عرصہ میں تین کروڑ سے زائد لڑکیاں غائب ہوگئیں۔ سچائی یہ بھی ہے کہ ۱۹۹۱ء میں جہاں فی ہزار مردوں پر ۹۷۲

---

(۱) ہندی روزنامہ امر اجالا آگرہ ۸ر ستمبر ۱۹۹۳ء، تحریر زیر عنوان: आज के बच्चे जब जवान होंगे, उन्हें पत्नियां नहीं मिलेंगी (آج کے بچے جب جوان ہوں گے انھیں بیویاں نہیں ملیں گی)۔

(۲) انگریزی روزنامہ دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۲۱ر جنوری ۱۹۹۲ء تحت عنوان: Girls unwanted in china too (لڑکیوں کی طلب چین میں بھی نہیں)۔

(۳) امر اجالا، آگرہ، محولہ بالا۔

(۴) اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی۔ ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۹ء خبر بعنوان: ۳۲ر ریاستوں میں لڑکی کو دوران حمل مار دیا جاتا ہے۔

عورتوں کا اوسط تھا آج حوالے کے وقت یہ اوسط اس سے گھٹ کر ۹۲۵ فی ہزار رہ گیا ہے[۱] صورت حال اس درجہ خراب ہے کہ ہماری مرکزی حکومت کو ریاستوں کو خصوصی ہدایت دینی پڑی ہے کہ وہ لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ انصاف اور بہتر سلوک کو یقینی بنائیں۔ اور ان کے ساتھ ہورہی زیادتیوں کا خاتمہ عمل میں لائیں۔ اس سلسلے میں سارک ملکوں کی طرف سے رواں عیسوی صدی کے آخری عشرے کو 'لڑکیوں کے عشرے' (Decade of the girl child) کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کی مناسبت سے ہمارے ملک نے بھی ان کی بھلائی اور بہتری کے لیے مختلف اسکیموں کا آغاز کیا ہے[۲] خیال رہے کہ اسلامی ملک ایران بھی دنیا کے ان ملکوں میں سے ہے جہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے کم ہے[۳] اور ہمارے ملک میں تامل ناڈو وہ صوبہ ہے جہاں عورتیں مردوں سے کم ہیں جب کہ کیرلا میں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہاں عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں[۴]

شرح آبادی میں گراوٹ

ایک طرف یہ صورت ہے۔ دوسری طرف خاص طور پر ترقی یافتہ دنیا کو دوسری صورت حال کا سامنا ہے کہ وہاں عمومی طور پر آبادی کی شرح تشویش ناک حد تک گھٹ رہی ہے۔ انسان جو خدا نا آشنا ہوا ہے اور اس نے اپنے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لی ہے تو زندگی کی دوسری تلخیوں کے ساتھ یہ خوف ناک مصیبت بھی اس کے حصے میں آرہی ہے۔ سرفہرست معاملہ جاپان کا ہے۔ جہاں مردم شماری کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق آبادی میں اضافے کی شرح بہت تیزی سے گر رہی ہے۔ ملازمتوں سے سبک دوش یا سرگرم معاشی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہونے

---

(۱) ہندی روزنامہ نوبھارت ٹائمس نئی دہلی ۲۵ رجولائی ۱۹۹۵ء اداریہ زیر عنوان: लगातार कम होती लड़कियाँ (لڑکیاں جن کی تعداد مسلسل کم ہورہی ہے)۔

(۲) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۱۴ رنومبر ۱۹۹۴ء تحت عنوان: Steps to check inequality (عدم مساوات کو روکنے کے اقدامات)

(۳) قومی آواز نئی دہلی ۱۵ را کتوبر ۱۹۹۷ء خبر بہ عنوان: مرد زیادہ، عورتیں کم، ایران میں فرق ۶۰ لاکھ۔

(۴) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۱۸ رفروری ۱۹۹۳ء وی. آر. منی (V.R. Mani) کی تحریر زیر عنوان: More women than men in Kerala. (کیرلا میں مرد کم، عورتیں زیادہ)۔

والے معمر افراد کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے اور ان کی جگہ لینے والے نوجوان افراد ندارد ہیں۔ حکومت شرح پیدائش کو بڑھانے کی کوشش بھی کر رہی ہے لیکن زرخیز نسل جس پر اس کوشش کی کام یابی کا انحصار ہے وہ پیدائش اور پرورش اطفال جیسی مصروفیات سے بے زار نظر آتی ہے۔ اسی طرح عورتیں بچے پیدا کرنے سے زیادہ دل چسپی نہیں رکھتیں کیوں کہ روزمرہ زندگی بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کے لیے بچوں کی پیدائش اس اعتبار سے بھی پریشان کن ہوتی ہے کہ کام کا دباؤ مردوں اور عورتوں دونوں کو اس قدر مصروف رکھتا ہے کہ بچوں کی دیکھ بھال کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ جاپانی وزارت صحت کے مطابق اس ملک میں شرح پیدائش فی ہزار ۹ء۸ کی شرح تک گر گئی جو دوسرے تمام بڑے صنعتی ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ امریکہ میں یہ شرح فی ہزار ۱۶ سے کچھ کم ہے۔ اسی کے نتیجے میں ۱۹۸۵ سے ۱۹۹۰ء تک جاپان کی آبادی میں صرف ۱ء۳ فی صد کا اضافہ ہوا، جو دوسری عالمی جنگ کے بعد سب سے کم شرح ہے۔ چوں کہ جاپان میں متوقع اوسط عمر دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے لہٰذا ۶۵ سال یا اس سے زائد عمر کے افراد کی تعداد حوالے کے وقت ۱۲ کروڑ ۳۶ لاکھ دس ہزار کی آبادی میں ایک کروڑ ۴۹ لاکھ تک پہنچ گئی ہے جو ایک ریکارڈ ہے۔ اس کے مقابلے میں ۱۴ سال یا اس سے کم عمر کے افراد کی تعداد ۱۹۹۰ء میں دو کروڑ ۲۵ لاکھ تھی جو ۱۹۸۵ء کی تعداد سے بھی ۳۶ لاکھ کم ہے[1] دوسری رپورٹ کے مطابق جاپان میں ۱۸ سال یا اس سے کم عمر کی عورتیں جن کے ایک یا ایک سے زائد بچے ہوں، کل جاپانی عورتوں میں حوالے کے وقت ان کا تناسب صرف ۸ء۲۳ فی صد تھا جب کہ ۱۹۸۰ء میں یہ تناسب ۶ء۲۸ فی صد تھا۔ اسی طرح اس ملک میں ۲۰ سے ۳۰ سال تک تنہا رہنے والی عورتوں کی تعداد میں وہاں لگاتار اضافہ ہے۔ جو شرح آبادی میں گراوٹ کا بڑا سبب ہے[2] جاپانی عورتوں کے یہاں اس وقت شرح پیدائش ۱.۳۸ ہے اور ۱۲۶ ملین (بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ) آبادی والے اس ملک میں اگر پیدائش کا یہی رجحان برقرار رہا تو آئندہ پچاس برس میں اس کی آبادی میں کروڑوں کی کمی آجائے گی۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جاپان کی کھلونا ساز کمپنیاں تک زیادہ بچہ پیدا کرنے پر نقد انعام دینے کا اعلان کرنے لگی ہیں۔ اسی طرح کی ایک

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۶ر دسمبر ۱۹۹۱ء۔ تحریر بہ عنوان 'جاپان میں شرح آبادی کی گراوٹ سے افرادی قوت کے بحران کا اندیشہ'

(۲) انگریزی روزنامہ انڈین اکسپریس نئی دہلی، ۲۰ر مئی ۱۹۹۱ء زیر عنوان: Japan in search of a baby boom (جاپان بچوں کی گرم بازاری کی تلاش میں)۔

کمپنی نے ان تمام ملازمین کو جو اپنا تیسرا یا اس سے زائد بچہ پیدا کریں گے، نقد انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ اخبارات کے مطابق اس کمپنی نے جاپان کی گرتی ہوئی آبادی سے نپٹنے کے لیے اپنے ملازمین کو دوسرے بچے کے بعد پیدا ہونے والے ہر بچے کے لیے دس لاکھ ین (قریب چار لاکھ روپے) بہ طور انعام دے گی[1] جب کہ سرکاری سطح پر حکومت جاپان کا یہ اعلان پہلے سے ہے کہ وہ ہر نئے بچے کی پیدائش پر یہی رقم دس لاکھ ین (چار لاکھ روپے) بہ طور انعام عطا کرے گی[2] اسی کے پڑوسی سنگاپور کی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ یہ ملک بھی شرح آبادی میں کمی کے مسئلے سے دو چار ہے۔ جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حکومت سنگاپور نے ایک پینل قائم کیا ہے جو عوام کو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دے گا۔ سنگاپوری باشندے ایک عام رجحان کے طور پر شادی اور بچہ پیدا کرنے سے کتراتے ہیں۔ یہ پینل اس رجحان کو بدلنے کی ترکیب پر بھی غور کرے گا۔ ماہرین کے مطابق ۲۰۲۵ء تک سنگاپوری کی آبادی ۳ء۳ ملین (۳۳ لاکھ) تک پہنچے گی۔ لیکن اس کے بعد اس میں گراوٹ آجائے گی[3] اٹلی کا حال بھی انھی ملکوں جیسا ہے جس کے وزیر اعظم کی طرف سے باقاعدہ اپنے عوام سے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ اٹلی جو دنیا کے سب سے کم شرح پیدائش والے ملکوں میں سے ایک ہے، آبادی کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ ۲۰۵۰ء تک اس کی آبادی موجودہ ۵ کروڑ ۷۰ لاکھ سے کم ہو کر چار کروڑ دس لاکھ رہ جائے گی[4] روس کا حال پہلے سے معمول ہے کہ آبادی کی شرح میں گراوٹ اس کا ایک مستقل مسئلہ ہے، جس کے لیے معمول کے طور پر ہر نئے بچے کی پیدائش پر والدین کو انعام دیا جاتا ہے۔ یورپ سمیت باقی دنیا کا حال بھی اس سلسلے میں جاپان سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ایک قریبی مطالعہ کے مطابق اگلی دہائی میں یورپی معاشرے کو ایک طرف سن رسیدہ لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیے گنجائش نکالنی ہوگی، دوسری طرف گھٹتی ہوئی

---

(۱) راشٹریہ سہارا نئی دہلی ۱۰ر اپریل ۲۰۰۰ء زیر عنوان: جاپان میں زیادہ بچے پیدا کرنے پر نقد انعام۔

(۲، ۳) راشٹریہ دہلی ۲۵ر اپریل ۲۰۰۰ء تحت عنوان: عوام سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اپیل۔ حکومت سنگاپور کا ترغیبی پینل قائم کرنے کا فیصلہ۔

(۴) راشٹریہ سہارا دہلی ۷ر فروری ۲۰۰۰ء خبر بہ عنوان: ملک کی اقتصادی بہتر کرنے کے لیے زیادہ بچے پیدا کریں۔ اٹلی کے وزیر اعظم سیموڈی ایلما کی عوام سے اپیل۔ نیز ملاحظہ ہو سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ر فروری ۲۰۰۰ء تحت عنوان: اٹلی کے شہریوں سے آبادی میں اضافہ کرنے کے لیے وزیر اعظم کی اپیل۔

شرح آبادی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ۱۹۹۳ء کے اس مطالعے میں توقع کے مطابق اسکینڈیوین اور مغربی یورپی ملکوں میں شرح پیدائش سب سے کم ہے اور سن رسیدہ لوگوں کا فی صد تناسب سے زیادہ ہے۔ اس فہرست میں سویڈن کا نام سب سے اوپر ہے۔ اس ملک کی آبادی کا ۱۸ فی صد ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی عمر ۶۵ سال یا اس سے زیادہ ہے۔ جرمنی، فرانس اور اٹلی میں سن رسیدہ لوگوں کی تعداد ان ملکوں کی آبادی کے ۱۵ فی صد کے برابر ہے۔ براعظم یورپ کے بیشتر حصوں میں شرح پیدائش کم ہو رہی ہے۔ خاص کر وسطی اور مشرقی یورپ کی حالت زیادہ خراب ہے۔ مغربی یورپ میں اٹلی اور اسپین کے باشندوں کے پاس بچے سب سے کم ہیں۔ فی جوڑا اوسطاً ۲ء۱ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی دس جوڑوں میں بارہ بچے۔ صرف ترکی میں شرح پیدائش فی جوڑا ۵ء۳ ہے جس کو یورپ میں سب سے بڑی شرح پیدائش سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یورپی کونسل میں شریک ۳۲ ملکوں میں آبادی کے رجحانات کے اس جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ سن رسیدہ لوگوں کی آبادی میں اضافہ اور شرح پیدائش میں کمی عالمی کیفیت ہے اور اس سے بہت کم ہی ملک مستثنیٰ ہیں[1] برطانیہ کے سلسلے میں یہ بات اس سے پہلے آچکی ہے کہ وہاں طبقہ خواتین کا ۵ فی صد جن کی عمریں ۳۰ سال کے اندر ہیں تولید کے لیے اپنے کو مستقل طور پر نااہل بنالیتی ہیں جب کہ امریکہ اور یورپ دونوں جگہوں کے مقابلے یہ سب سے بڑا تناسب ہے[2] اسی طرح اس ملک میں ایسی لڑکیوں کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ ہو رہا ہے جو مطلق شادی اور گھر بسانے کو ہی فضول سمجھتی ہیں۔

بدکاری اور زناکاری

بدکاری اور زناکاری بھی معاصر دنیا کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اس کا حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ معاصر دنیا کی ساری پریشانی زنا بالجبر اور زبردستی کی بدکاری سے ہے۔ اگر کوئی لڑکا، لڑکی اور مرد و عورت شادی سے پہلے یا شادی کے بعد باہمی رضامندی سے اس فعل شنیع کا ارتکاب کریں تو معاصر دنیا کو اس سے کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک تو اس

---

(۱) قومی آواز نئی دہلی ۹ر ستمبر ۱۹۹۴ء جائزہ بعنوان: بوڑھوں کی اکثریت اور بچوں کی کمی۔ آئندہ دہائی میں یورپ کو پیش آنے والے سماجی مسائل۔

(۲) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۲۴ر اپریل ۱۹۹۵ء تحت عنوان: UK women are turning their back on mother hood. (مادریت سے گریزاں برطانوی خواتین)۔

مسئلہ سے پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں کہ ان کے یہاں قبل از ازدواج جنسی اباحیت پسندی کی کھلی چھوٹ ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے(۱)، اسی طرح شادی کے بعد کسی مرد، عورت کا غیر مرد، عورت سے باہمی رضامندی سے جنسی تعلق قائم ہوتا ہے تو یہ بھی ترقی یافتہ دنیا کی معروف سماجی روایت ہے جس پر اس کو کوئی الجھن نہیں ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل بھی اسی مقام پر دیکھی جاسکتی ہے(۲) یہاں تک کہ پہلی دنیا میں شادی کے بغیر مرد و عورت کے باقاعدہ شوہر و بیوی کی طرح رہنے اور ان کے خاندان بنالینے میں کوئی برائی اور خرابی محسوس نہیں کی جاتی ہے۔ اسی باب میں اس کا ذکر اس سے پہلے تفصیل سے آچکا ہے(۳) ہمارا مذہبی اور روحانی ملک ہندستان بھی اس معاملے میں یورپ سے بالکل پیچھے نہیں ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور دانش ور طبقے کی ساری پریشانی زیر نظر عنوان کے حوالہ سے زنا بالجبر اور اجتماعی عصمت دری کی مخصوص صورت سے ہی ہے۔ زنا کاری اور بدکاری اگر باہمی رضامندی اور آپسی سمجھوتے سے ہو تو اس پر ہمارے حکمراں طبقے اور دانش وران قوم کی طرف سے کسی خاص تردد اور تشویش کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ حالاں کہ عوامی زندگی میں یہ برائی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور حکومت اور سماج کی طرف سے ایک طرح سے گویا اس کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ آزادی کے بعد کی عمومی خوش حالی اور ترقی تو اس کا ایک بڑا سبب تھی ہی، مخلوط تعلیم، مخلوط دفتر اور کارخانے اس کا دوسرا مستقل ذریعہ ہیں۔ اور اب تو خواتین رزرویشن بل کے ذریعہ ملک کے پارلیمان میں ۳۹ر فی صد کی تعداد میں خواتین کو پہنچا کر اس سب سے باوقار اور ذمے دار ادارے کو بھی اس خطرے کی زد میں لایا جا رہا ہے۔ ابھرتے ہوئے بیوٹی پارلرس اور مساج پارلرس اس بدکاری اور زنا کاری کے دوسرے مستقل مراکز ہیں جن پر دھیان دینے اور ان کو راہ راست پر لانے کی فوری ضرورت ہے۔

اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے لیے بدکاری اور زنا کاری زور زبردستی کے ساتھ ہو یا باہمی رضامندی اور آپسی سمجھوتے سے ہوں، ان دونوں میں صرف شدت اور درجے کا فرق ہے۔ ورنہ برائی یہ دونوں کے دونوں یکساں طور پر ہیں۔ اور ان میں سے کسی کے سلسلے میں اس کے یہاں کسی نرمی اور سہل پسندی کی گنجائش نہیں ہے۔

(۱، ۲) ہماری کتاب 'اسلام کا نظریہ جنس' کا باب اول۔ مطبوعہ ادارہ علم و ادب علی گڑھ۔

(۳) اسی باب کا عنوان 'خاندان کا انتشار' جہاں اس سے متعلق تازہ ترین حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔

زنا بالجبر اور عصمت دری

جیسا کہ گزرا، بدکاری اور زنا کاری کی یہ سب سے بدترین صورت ہے، جس میں کسی مرد کی طرف زبردستی اور طاقت کا استعمال کر کے کسی عورت کی عفت وعصمت کو تار تار کر دیا جاتا ہے۔ انگریزی میں یہ ریپ (Rape) اور ہندی میں بلاتکار (बलात्कार) ہے۔ کچھ نوجوان یا کچھ مرد اگر مل کر کسی عورت/عورتوں کی عصمت دری کریں تو یہ اردو میں 'اجتماعی عصمت دری' انگریزی میں گینگ ریپ (Gang rape) اور ہندی میں ساموہک بلات کار (सामुहिक बलात्कार) ہے۔ ہمارے اخبارات کا یہ ایک مستقل کالم ہے۔ شاید ہی کسی دن کا اخبار ہو جو اس کی خبر سے خالی ہوتا ہو۔ جب کہ اکثر و بیشتر اس کے متعدد واقعات ملتی جلتی تفصیلات کے ساتھ ایک ہی اخبار میں موجود ہوتے ہیں۔ عصمت دری کی بہت سی صورتوں میں اس جرم کے ارتکاب کے بعد عورت کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ یا کسی اور طریقے سے اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ راجیہ سبھا میں پیش کردہ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق صرف ایک سال ۱۹۹۸ء میں پورے ملک میں عصمت دری (Rape) کے پندرہ ہزار واقعات ہوئے ہیں جن کا باقاعدہ تھانوں میں اندراج ہوا ہے[1] اخبارات میں ریاست وار بھی اس کے اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں۔ سرفہرست مدھیہ پردیش ہے جس میں تین ہزار پانچ سو اٹھارہ (۳۵۱۸) عصمت دری کے واقعات درج کیے گئے۔ دوسرا نمبر بہار اور اتر پردیش کا جن میں یہ یکساں ۱۴۵۷ (چودہ سو ستاون) اور تیسرا اور چوتھا بہ ترتیب راجستھان اور مہاراشٹر کا نمبر ہے جن میں یہ تعداد بہ ترتیب ۱۲۵۵ (بارہ سو پچپن) اور ۱۲۴۶ (بارہ سو چھیالیس) ہے[2] کچھ

---

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان:.15,000 cases recorded in 1998

(۱۹۹۸ء میں عصمت دری کے کل پندرہ ہزار واقعات زیر اندراج آئے)۔

(۲) اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی کا خصوصی گوشہ زیر عنوان 'سماج کا ناسور عصمت دری' مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۹ء۔ اس گوشہ میں اس برائی کے مالہ وماعلیہ پر کئی اچھے مضامین ہیں جن میں مرد وخواتین دانش ور اور سماجی کارکن دونوں کی شمولیت ہے۔

بڑے اور اہم شہروں کی بھی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یہاں سب سے اوپر ملک کی راجدھانی دہلی ہے جہاں عصمت دری کے ۴۶۷ (چار سو سڑسٹھ) واقعات اندراج میں آئے۔ دوسرے نمبر پر ممبئی ۱۳۰ (ایک سوتیس) اور تیسرا بھوپال ۵۹ (انسٹھ) ہے۔ باقی ریاستوں اور شہروں کا حال بھی اس کے آس پاس ہے۔ اسی جدول میں اس ظلم کی شکار لڑکیوں اور عورتوں کی عمروں کی تفصیل ہے کہ کس عمر سے کتنی عمر تک کی کتنی لڑکیاں/عورتیں کتنی تعداد میں مردوں کی اس بربریت کا شکار ہوئیں۔[1]

جیسا کہ کہا گیا یہ وہ اعداد و شمار ہیں جن کا باقاعدہ تھانوں میں اندراج عمل میں آیا ہے۔ جب کہ معلوم ہے کہ تھانوں میں اس کے بہت کم واقعات کا اندراج عمل میں آتا ہے۔ لوگ اپنی عزت بچانے اور دوسری مصلحتوں سے اکثر و بیشتر عصمت دری کے واقعہ کا تھانے میں اندراج کرانے سے کتراتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اوپر کے اعداد و شمار صرف ایک جھلک ہیں۔ ورنہ ملک میں عصمت دری اور اجتماعی عصمت دری کے حقیقی واقعات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ جہاں طاقت ور مرد کم زور عورت کا پنجہ مروڑتا ہے اور اس کی عفت و عصمت کو تار تار کر کے اس کو زندگی بھر کے لیے داغدار اور اس کی حیات مستعار کو ہمیشہ کے لیے بے کیف و بے رنگ بنا دیتا ہے۔ جب کہ بہت ساری صورتوں پر عزت کے ساتھ غریب عورت کی جان بھی لے لی جاتی ہے۔ اس کی مثالیں بھی نایاب نہیں ہیں کہ عصمت دری کے بعد اس کی لاش برہنہ کر کے کسی درخت سے لٹکا دی جاتی ہے۔

عصمت دری کی سب سے بدترین صورت

لیکن اس برائی کی بھی سب سے بدترین صورت وہ ہے کہ جس میں ۵، ۶ سال کی کمسن لڑکیوں ہی کی نہیں بلکہ ۲، ۳ سال کی ننھی عمر کی بچیوں کی عصمت دری کر دی جاتی ہے۔ جس میں اکثر و بیشتر اس بربریت کی تاب نہ لا کر وہ خود موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ زندہ بچ جاتی ہیں تو زندگی بھر کے لیے بعض پہلوؤں سے معذور ہو جاتی ہیں۔ جب کہ بہت سے واقعات میں وحشت اور درندگی کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے بدکار مردان کمسنوں کو اپنے ہاتھ سے جان

---

(۱) اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا، حوالہ سابق

سے مار دینے کے فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اوپر کے محولہ جدول میں اس سے متعلق اعداد و شمار بھی ریاست وار شائع ہوئے ہیں۔ یہاں بھی سب سے اوپر ریاست مدھیہ پردیش ہے جہاں دس سال سے کم عمر کی ۱۶۶ (ایک سو چھیاچھٹھ) لڑکیاں اس ظلم کا شکار ہوئیں۔ دوسرا نمبر مہاراشٹر کا ۹۸ (اٹھانوے) اور تیسرا آندھرا پردیش کا ۶۸ (اڑسٹھ) ہے۔ اسی طرح شہروں میں اس عمر کی مظلوم لڑکیوں میں پہلا نمبر دہلی کا ۸۵ (پچاسی) دوسرا نمبر ممبئی کا ۱۵ (پندرہ) اور تیسرا بنگلور کا ۹ (نو) ہے[۱] سر شرم سے مزید جھک جاتا ہے جب یہ خبر پڑھنے کو ملتی ہے کہ باپ نے اپنی ہی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کیا۔ دریں حالے کہ اب یہ بھی ہمارے اخبارات کا مستقل کالم بن چکی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس برائی کو اس کے جملہ متعلقات کے ساتھ نیست و نابود کرنے کا عزم مصمم رکھتی ہے۔

نابالغوں کا جنسی استحصال

اس درندگی اور بربریت کا شکار صرف لڑکیاں ہی نہیں ہمارے اس مذہبی اور روحانی ملک میں کم سن لڑکے بھی اب اس کی زد میں ہیں۔ ہم جنس پرستی (Homosexuality) اور مردوں کا مردوں کے ساتھ جنسی تعلق ہمارے ملک میں اب کوئی اجنبی چیز نہیں رہ گئی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل کی جا چکی ہے[۲] لیکن اس سلسلے میں گراوٹ اب اس سے بہت آگے جا چکی ہے۔ اب کمسن بچوں کے ساتھ زبردستی اغلام بازی (Sodomy) کے واقعات بھی بڑی تیزی کے ساتھ سامنے آ گئے ہیں۔ اور یہ خبر بھی ہمارے اخبارات کا ایک مستقل کالم بن چکی ہے۔ یہاں بھی کم سن بچیوں کے ساتھ عصمت دری کی طرح بہت سی صورتوں میں ہوس کی تکمیل کے بعد کم سن لڑکے کو جان سے مار دیا جاتا ہے۔ جس کی خبریں آئے دن ہمارے نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں۔ ہندستان سے باہر بھی اس کی مثالیں نایاب نہیں ہیں۔ جس سے میڈیا پر نظر رکھنے والا ہمارا طبقہ بہ خوبی واقف ہے۔

---

(۱) سہارا، حوالہ مذکور، وزیر داخلہ جناب ایل کے اڈوانی کے مطابق ۱۹۹۶ سے ۱۹۹۸ کے درمیان پورے ملک میں ۲۶۷۱۱ نابالغ لڑکیاں زنا بالجبر کا شکار ہوئیں۔ راجیہ سبھا میں ایک سوال کا جواب راشٹریہ سہارا دہلی ۱۸؍ دسمبر ۱۹۹۹ء

(۲) اس باب کا عنوان ہے "جنسی ہندستان میں"۔

کم سن لڑکیوں کی عصمت دری کی طرح کم سن لڑکوں کا اسی طرح کا جنسی استحصال بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے لیے آخری درجہ میں اضطراب اور التہاب کا موجب ہے۔ اور اس کی اصلاح اور تدارک اس کی اولین ترجیحات سے ہے۔

ہندستان کے بعض مخصوص مسائل

یہ وہ مسائل تھے جو مشترک تھے۔ ان میں ہندو بیرون ہند کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وطن عزیز کے کچھ مخصوص مسائل ہیں۔ بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ سرفہرست مسئلہ 'دیوداسی نظام' کا ہے۔

دیوداسی نظام

ایک رائے کے مطابق اس رسم کی ابتدا ہمارے ملک میں بارہویں صدی عیسوی سے ہوتی ہے۔ اور اس کا بھی زیادہ تر رواج ملک کے جنوبی حصے کرناٹک اور مہاراشٹر وغیرہ میں رہا ہے۔ لیکن اس کی اصل شہرت اڑیسہ کے جگن ناتھ مندر کے حوالہ سے ہے۔ جس سے وابستہ دیوداسیوں کا بوجوہ بہت چرچا رہا ہے۔ اس لیے کہ بھگوان جگن ناتھ سے ان کی باقاعدہ شادی ہوجاتی تھی۔ جب کہ اس نام ہی سے ظاہر ہے یہ دیوداسیاں دیوتا یا بھگوان کی خدمت کے لیے ہوتی تھیں۔ اس خدمت کے ایک حصے کے طور پر جگن ناتھ مندر میں انھیں بھگوان جگن ناتھ کا دل بہلانے کے لیے ہر رات گانا گانا پڑتا تھا۔ بعد میں یہ دیوداسیاں بھگوان کی مورتوں کے سامنے رقص بھی کرنے لگیں۔ لیکن سولہویں صدی کے آتے آتے جیسا کہ اڑیسہ گزیٹیر میں لکھا ہے یہ دیوداسیاں مندروں سے نکل کر راجاؤں اور نوابوں کا دل بہلانے کے لیے راج درباروں میں بھی جانے لگیں۔ جب کہ اس سے پہلے وہ بھگوان جگن ناتھ کی بیویوں کی حیثیت سے صرف مندر میں ہی رہا کرتی تھیں۔ راج درباروں میں جانے کے بعد یہ بھگوان کی بیویاں نہیں رہ گئیں۔ اور اس طرح یہ راجاؤں کے ساتھ دوسرے مال دار لوگوں اور مندر کی انتظامیہ کے ذمے داروں کے سامنے بھی ناچنے گانے لگیں۔ آہستہ آہستہ ان کے زوال میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کا جنسی

استحصال بھی ہونے لگا۔ یہاں تک کہ یہ رسم عملاً قحبہ گری اور جسم فروشی میں تبدیل ہو کر رہ گئی[1]

پورے جنوب میں ان دیو داسیوں کی تعداد اور ان کی حالت زار کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۹۰ء کے ایک جائزے کے مطابق ریاست کرناٹک کے ضلع بیل گام میں چار ہزار آٹھ سو دیوداسیاں اور بیجاپور میں آٹھ ہزار دیوداسیاں ہیں۔ جن کی ایک قابل لحاظ تعداد کو چوری چھپے پیشہ کرانے کے لیے ممبئی کے قحبہ خانوں میں بھیج دیا جاتا ہے[2] ایک دوسرے جائزے کے مطابق کرناٹک اور مہاراشٹر میں ان دیوداسیوں کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ جن میں سے دس فی صد سے کچھ کم جو یلما (Yelamma) دیوی کی پیروکار ہیں یہ جنس کے کاروبار میں لگ جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر اگرچہ مذہبی کاموں میں مشغول رہتی ہیں لیکن بسا اوقات با قاعدہ شادی کے بغیر یہ پوری زندگی ایک مرد کے ساتھ گزار دیتی ہیں۔ ان دیوداسیوں سے پیشہ کرانے کے کام میں سبک دوش سرکاری افسروں کا بھی ایک گروہ شامل ہے، جو زیادہ تر اپنے اثر و رسوخ اور اپنی تال میل کی صلاحیت سے منظر عام پر آنے اور سزا پانے دونوں سے محفوظ رہتا ہے[3] سب سے زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ حقوق نسواں کے لیے جان دینے والے اس ملک میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس رسم کو باقی رکھنے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ پوری کے جگن ناتھ مندر سے با قاعدہ انتشار دے کر دیوداسیوں کے انتخاب کے لیے خواتین کو انٹرویو کے لیے طلب کیا گیا ہے۔ اور اس کے امیدواروں میں تعلیم یافتہ خواتین تک شامل ہیں[4] دریں حالے کہ حوالہ کے وقت کے مطابق ۶۵ سالہ پارس منی (पारसमनी) اور ۷۵ سالہ ششی منی (शशिमनी) جیسی

---

(۱) ملاحظہ ہو ہندی روزنامہ 'ہندستان نئی دہلی' میں سنگیتا شرما (संगीता शर्मा) کا مضمون 'क्या देवदासी प्रथा जारी रहेगी!' (کیا دیوداسی کی رسم جاری رہے۔ مطبوعہ ۱۹/۱۹۹۰)۔

(۲) روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۸/ جنوری ۱۹۹۲ء زیر عنوان: کرناٹک میں دیوداسیوں کی بازآبادکاری۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۱/ مئی ۱۹۹۹ء تحت عنوان: Devadasis bening forced into Prostitution (دیوداسیاں جن سے زبردستی پیشہ کرایا جاتا ہے)۔

(۴) 'دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۲/ نومبر ۱۹۹۵ء بہ عنوان: Devadasis in Orissa (اڑیسہ میں دیوداسیاں)۔

دیوداسیوں کی حالت زار سمجھ دار انسان کا کان کھڑا کردینے کے لیے کافی ہے۔ جن کے اس ضعیف العمری میں کھانے پینے اور پہننے کے لیے کپڑے کے لالے پڑے ہوئے ہیں[1]

بیواؤں کی حالت زار

اسی سکے کا دوسرا رخ ہے جو وطن عزیز میں بیواؤں کی حالت زار سے متعلق ہے۔ واقعہ ہے کہ برصغیر ہند میں ہزاروں سال سے مخصوص طبقے کے حوالے سے بیواؤں کی حالت قابل اطمینان نہیں رہی ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد اس کی دوسری شادی نہیں ہوسکتی، یہی نہیں بلکہ اپنی زندگی ہی میں کسی بیماری یا دوسرے سبب سے وہ اس سے قطع تعلق کرلے تو اس کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے علاوہ دوسرا چارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہندو نظام زندگی میں عورت اور مرد کی شادی اسلام کی طرح سماجی معاہدہ (Social contract) نہیں ہوتی۔ بلکہ ہندو روایت میں یہ کنیا دان ہوتا ہے۔ گئو دان کی طرح کنیا 'لڑکی' بھی دان 'خیرات' میں دے دی جاتی ہے اور ظاہر ہے جو چیز دان میں دے دی جاتی ہے وہ پھر واپس نہیں لی جاتی۔ اس طرح طلاق شوہر کی وفات یا کسی نوع سے اس سے علحدگی کے بعد لڑکی اپنے میکے بھائی باپ کے یہاں واپس نہیں جاتی۔ پھر یا تو وہ زندگی بھر سسرال کی غلام بن کر رہے۔ یا وہاں سے ہٹ کر اپنے طور پر زندگی کے دن کاٹنے کا سامان کرے۔ میکے اور سسرال یا باپ بھائی اور شوہر کسی کی جائداد سے اس کا حصہ نہیں، اسی بنا پر دونوں جگہوں پر شوہر کی سرپرستی سے محروم ہوکر وہ نیم غلامی کی زندگی ہی بسر کرسکتی ہے۔ اس طرح گھٹ گھٹ کر جینے سے بھلی موت ہے۔ جس کی سب سے بہتر اور

---

(۱) ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمس نئی دہلی ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۵ کا اداریہ، زیر عنوان कब तक देवदासियाँ (کب تک دیوداسیاں)۔ واشنگٹن ٹائمس کی ایک اطلاع کے مطابق افریقہ کے ملک گھانا، ٹوگو، بینن اور نائیجیریا میں بھی مذہبی غلامی کی یہ رسم موجود ہے، جس میں نوجوان لڑکیاں پروہتوں کی داشتاؤں کے طور پر کام کرتی ہیں۔ سترہویں صدی عیسوی میں شروع ہونے والی اس رسم کے بموجب دس برس کی عمر کی لڑکیاں ملکی مندروں کے پروہتوں کے حوالہ کردی جاتی ہیں جہاں انھی بالغ ہونے کے ساتھ ہی درشتاؤں کے طور پر استعمال کیا جانے لگتا ہے۔ لوگ اپنی بچیوں کو پروہتوں کے حوالے کردیتے ہیں جو بعد میں خداؤں کی بیویوں (Wivas to the gods) کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کو پہنچتے ہی ان عورتوں کو ان کے گھروں کو واپس بھیج دیا جاتا ہے مندروں میں جن کی جگہ لینے کے لیے خاندان کی نوجوان لڑکیاں تیار بیٹھی رہتی ہیں۔ ملاحظہ ہو' دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۵ر فروری ۱۹۹۷ء خبر تحت عنوان: Girls who Serve as wives to the gods (لڑکیاں جو خداؤں کے لیے بہ طور بیویوں کے کام کرتی ہیں) فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مثالی صورت ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد اس کے ساتھ ہی چتا میں جل کر بیوی بھی اپنی جان کو جاں آفریں کے سپرد کرے۔ ہندو روایت میں 'ستی' کی رسم بے وجہ نہیں ہے۔ یہ اس سے وابستہ نظام زندگی کا فکری تقاضا ہے۔

دوسری صورت میں شوہر کی وفات یا کسی نوع سے اس سے علٰحدگی کے بعد ہندو بیوہ کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ جس کے ایک نمونے کے طور پر دیپا مہتا کی مجوزہ فلم 'واٹر' کے پس منظر میں کاشی اور متھرا کے آشرموں میں بیواؤں کی حالت زار کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بیوائیں جو نیم فاقہ کشی اور نیم غلامی کی زندگی بسر کرتی ہیں، بندرابن میں تین تین گھنٹے بھجن گانے کے بعد انھیں دو روپے اور ایک کپ غلہ ملتا ہے[۱] اپنی روزی روٹی کے لیے یہ دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کرتی ہیں اور اپنی رہائش کا کرایہ بھی انھیں خود فراہم کرنا پڑتا ہے[۲] بہت سی صورتوں میں ان بیواؤں کا جنسی استحصال ہوتا ہے[۳] لیکن یہ صرف ایک جھلک ہے۔ پورے ملک میں مخصوص طبقے کے

---

(۱) ملاحظہ ہو'بندرابن کی بیواؤں' سے متعلق ارادھنا کالیا(Aradhna Kalia) کا مضمون مطبوعہ ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۴رفروری ۲۰۰۰ء زیرعنوان: Left to his mercy they sing his Praise to eke out their existence.(بھگوان کرشن کے رحم وکرم پر جینے کے لیے مجبور ان بیواؤں کی اپنی زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے ان کی حمد وثنا میں مشغول رہنا پڑتا ہے)۔

(۲) خیال رہے کہ کاشی اور متھرا دونوں جگہ کی بیواؤں کا حال اس سلسلے میں یکساں ہے۔ تفصیلات کے لیے ارادھنا کالیا (Aradhna Kalia) کا بندرابن کی بیواؤں سے متعلق دو قسطوں میں مضمون مطبوعہ ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۵ر ۱۶رفروری ۲۰۰۰ء زیرعنوان: Land lords Punish Lord's women (زمین دار لوگ بھگوان کی عورتوں کو سزا دیتے ہیں) بنارس سے متعلق 'انربن بھومک'(Anirban Bhaunik) کا اسی اخبار میں ۱۸رتا ۲۰رفروری ۲۰۰۰ء میں مضمون تحت عنوان: Kashivasis' life a virtual vacuum (کاشی کے مکینوں کی زندگی عملی طور پر ایک خلا کی شکار)۔

(۳) اس میں بھی کاشی اور متھرا دونوں کی یکسانیت ہے۔ دیکھیے 'اروشی بوٹالیا (Urvashia Butalia) اور اما چکرورتی (Uma chakravarti) کا مضمون 'Image of widowhood' (بیوگی کا اصلی چہرہ)۔ مطبوعہ ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۹رفروری ۲۰۰۰ء۔ ۱۹۳۰ء کے آس پاس ان بیواؤں کا جنسی استحصال بہت عام تھا۔ مجوزہ فلم 'واٹر' اسی دور سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو: ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۶ر مارچ ۲۰۰۰ء خبر بہ عنوان: Water not to Change Plight of vindravan widows۔(فلم واٹر سے بندرابن کی [illegible] کے دن بدلنے والے نہیں)۔

حوالے سے بیواؤں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ اور زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے وہ اپنے لیے ایک نجات دہندہ تحریک کا انتظار کرتی ہیں(۱A)

ستی

جیسا کہ اشارہ گزرا، ہندو سماج میں بیوہ کی اسی حالتِ زار نے اس کے لیے 'ستی' کی ضرورت کو پیدا کیا۔ تاریخ کے بے لاگ تجزیے میں ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت کے طفیل اس انسانیت سوز رسم کے واقعات میں کمی آئی۔ جس کی آگے عہد برطانوی میں باقاعدہ قانون سازی

(۱A) واضح رہے کہ بندرابن میں ان بیواؤں کی تعداد سولہ ہزار اور بنارس میں سولہ ہزار سے اوپر ہے۔ (سبھاموی چٹرجی) (Subhamoy Chatterjee) کا مضمون مطبوعہ ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۷ر فروری ۲۰۰۰ء تحت عنوان: Why Bengal women migrate to vindravan (کیوں بنگال کی بیوائیں بندرابن کے لیے ہجرت کرتی ہیں)۔ اس سلسلے میں یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ ملک کے دیگر خطوں کے علاوہ ان بیواؤں کی اکثریت بنگال اور بہار سے آئی ہوئی ہے۔ (امیکا بھومک: ہندستان ٹائمس ۱۹ر فروری ۲۰۰۰ محولہ بالا) بندرابن کے قریب پچاسی بیوہ آشرموں میں بنگال سے تعلق رکھنے والی بیواؤں کی تعداد پانچ ہزار ہے (ہندستان ٹائمس ۶ر مارچ ۲۰۰۰ء، حوالہ مذکور) اسی خبر میں ایک بیوہ 'مالتی چٹرجی' کا یہاں تک کہنا ہے کہ فلم واٹر بن بھی جائے تو بنگال اور ملک کے دیگر صوبوں سے بندرابن اور بنارس تک بیواؤں کی مہاجرت رک نہیں سکتی۔ نہ نام نہاد مذہبی ٹھیکہ داروں کی طرف سے ہمارے ساتھ ہونے والے سلوک میں کوئی بہتری آسکتی: 'Neither is th exodus of widous from Bengal and other states to Varansi and vindravan going to stop, nor will the treatment meted out to us by the socalled saviours of religion get better if the film is made. یہ بات بھی افسوس ناک اور عبرت انگیز ہے کہ ان بیواؤں میں بہت سی وہ بھی ہیں جن کے لڑکے دہلی اور کلکتہ میں اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہیں لیکن اپنی ماؤں کو وہ بوجھ سمجھتے ہیں جس کے چلتے انھیں کبھی اپنے کہے جانے والے گھروں کو چھوڑنے ہی میں عافیت نظر آتی ہے (ہندستان ٹائمس ۱۷ر فروری ۲۰۰۰ء سبھاموی چٹرجی کی تحریر محولہ بالا)۔ اسی طرح کاشی اور متھرا دونوں جگہ کے حوالہ سے اس کا تذکرہ ہے کہ کام چلاؤ ملازمت کے باوجود بیٹے اپنی ماؤں کو اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔ اپنے خاندان میں چاہت نہ پا کر یہ وہاں پہنچ جانا چاہتی ہیں جہاں انھیں کسی طرح گوارا کر لیا جائے۔ (ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۴ر فروری اور ۱۹ر فروری ۲۰۰۰ء میں ارادھنا کالیا اور انربن بھومک کے محولہ مضامین۔ انھی مضامین اور جائزوں میں مختلف بیواؤں کی دکھ بھری کہانیوں کی تفصیل ہے جو دل دہلا دینے والی ہیں۔ اور کم از کم اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ دوسروں کی فکر کرنے سے پہلے برادرانِ وطن کے مخصوص طبقے کو پہلے اپنے گھر کو درست کرنا چاہیے۔

کے ذریعہ ممانعت عمل میں آئی[۱] لیکن واقعہ ہے کہ ہندو سماج میں ایک اندرونی لہر (Under Current) کے طور پر اس کے حق میں رائے عامہ موجود ہے۔ ۱۹۸۷ء میں راجستھان میں دیورالہ کی روپ کنور کی ستی کا واقعہ اسی کا ثبوت ہے[۲] جس کو ابھی تازہ مہوبا میں ۵۵ سالہ چرن شاہ کے ذریعہ دہرایا گیا[۳] میڈیا نے چبا چبا کر اس واقعہ کو بہ جائے 'ستی' کے خودسوزی کا واقعہ باور کرانے کی کوشش کی۔ لیکن ایماندارانہ صحافی جائزے میں یہ واقعہ 'ستی' کا تھا۔ اور یہ باقاعدہ منصوبہ بندی طریقے پر عمل میں آیا[۴]

---

(۱) ستی کی ممانعت کا قانون (Sati Prevention Act) جس کا ۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بنٹنک (Lord William Bentinck) کے ذریعہ نفاذ عمل میں آیا۔ ۱۹۸۷ء میں دیورالہ کے واقعہ کے بعد اس کے نفاذ کو مزید موثر بنایا گیا ہے۔

(۲) ۱۸ر سالہ روپ کنور کی ستی کا واقعہ ۴ر ستمبر ۱۹۸۷ء کو پیش آیا۔ (قومی آواز نئی دہلی ۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۶ء زیر عنوان: دیورالہ ستی مقدمہ کے فیصلے کے خلاف راجستھان حکومت ہائی کورٹ میں اپیل کرے گی)۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۹ء۔ یہ واقعہ یوپی کے بندیل کھنڈ علاقہ کے سپترا گاؤں کا ہے۔ اسی خبر کے مطابق سماجی طور پر اس پس ماندہ علاقے میں اب تک ۲۵ر عورتیں اسی انداز سے اپنے شوہروں کی چتاؤں پر بیٹھ کر خودسوزی کر چکی ہیں۔ مہوبا کے اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لیے 'دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۵ر نومبر ۱۹۹۹ء خبر زیر عنوان:People throng 'Sati" site to collect ashes. (راکھ اکٹھا کرنے کے لیے ستی کی جگہ پر لوگوں کا جم گھٹا)۔ مزید ملاحظہ ہو اسی اخبار کی اشاعت بہ عنوان: Sati as commerce family cashes in. (ستی۔ ایک طرح کی تجارت جسے خاندان اچھی طرح نبھانا چاہتا ہے)۔ نیز ملاحظہ ہو سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۶ر اور ۱۹ر نومبر ۹۹ء بہ ترتیب زیر عنوان: 'یوپی میں ستی کا ایک واقعہ' اور 'مہوبا میں ستی اسمارک ہٹانے کی کوشش'۔ ایضا: امراجالا آگرہ ۱۷ر نومبر ۹۹ء خبر بہ عنوان! सुरतन विश्वास की जड़ें गहरी (قدیمی خیالات کی جڑیں ابھی بہت گہری ہیں)۔

(۴) قریب کے سالوں میں ستی کے سب سے زیادہ واقعات ۱۹۹۰ء میں ہوئے ہیں جس میں اس کے ۵۲ر واقعات کا باقاعدہ اندراج عمل میں آیا۔ (دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی یکم دسمبر ۱۹۹۷ء۔ زیر عنوان: Sati still Prevalent (ستی جس کا چلن ابھی پوری طرح زندہ ہے) ہندستان میں اس کی تاریخ اور عہد بہ عہد اسی کے واقعات کی تفصیل کے لیے 'اروندکالا' (Arvind Kala) کا مضمون : 'Is there a Pattern in cases of Sati' (کیا ستی کے واقعات کا ایک لگا بندھا انداز ہے) مطبوعہ دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۳ر ستمبر ۱۹۹۷ء۔ ایک نمونہ کے لیے بنٹنک کی ممانعت کے قبل سالانہ ۲۵ر ہزار عورتیں ستی کی بھینٹ چڑھ جاتی تھیں۔ ۱۸۳۹ء میں صرف ایک پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات پر اس کی گیارہ بیویوں نے اس کی چتا پر چڑھ کر جان دے دی تھی۔ جب کہ اس کے صرف ایک سال بعد اس کے بیٹے کی وفات پر اس کی چار بیویوں میں سے ایک اور گیارہ باندیوں نے اس کے ساتھ خودسوزی کر کے اپنے کو ختم کرلیا۔ پنجاب اور راجستھان وغیرہ کے علاوہ ستی کا سب سے زیادہ رواج بنگال میں تھا۔ جہاں صرف ۱۸۱۵ء سے لے کر ۱۸۲۸ء کے درمیان ۸۱۳۴ عورتوں نے اپنے شوہروں کی وفات پر اپنے کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا۔ اروندکالا محولہ بالا۔

دختر کشی

ولادت سے قبل رحم مادر میں جنین کی شناخت سے لڑکیوں کا قتل ایک تو عالمی واقعہ ہے جس میں پڑوسی ملک چین سرفہرست ہے۔ جس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک ملکی مسئلے کی حیثیت سے بھی لینا ضروری ہے۔ وطن عزیز میں بھی اس حوالے سے طبی ترقی کا یہ بہت بیجا استعمال ہے جس میں بہت بڑی تعداد میں پیدائش سے قبل لڑکیوں کا اسقاط کرادیا جاتا ہے[1] ملک کے دوسرے صوبوں اور علاقوں کا حال بھی یقیناً اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وطن عزیز کے حوالے سے یہ بھی اس کے سنگین ترین مسائل میں سے ایک ہے، جس کے لیے اسے فوری طور پر ایک نجات دہندہ تحریک کی ضرورت ہے۔

بچوں کی قربانی

بچوں کی قربانی بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے۔ آزادی کے بعد سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں قابل لحاظ ترقی، اس کے علاوہ عمومی علمی ترقی اور سماجی بیداری کے باوجود آج بھی اس ملک میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جہاں معصوم بچے بچیوں کو دیوی دیوتاؤں کی قربان گاہ پر زندہ ذبح کر دیا جاتا ہے۔ جس کی خبریں چھن چھنا کر میڈیا میں بھی آئے بغیر نہیں رہتی ہیں[2] یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جو اپنے حل کے لیے ایک نجات دہندہ تحریک کا انتظار کرتا ہے۔

---

(۱) خیال رہے کہ اس سے ہٹ کر ہندستان میں مدورائی اور راجستھان دو جگہیں ایسی ہیں جہاں لڑکیوں کو زندہ مار دیا جاتا ہے۔ دہلی دوردرشن ۷/۵/۹۹ء کا کوئی پروگرام۔

(۲) ایک مثال کے لیے سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۸/اگست ۹۹ء۔ جس میں آندھرا پردیش کے ضلع رنگاریڈی کے ایک گاؤں میں ایک باپ نے دیوی کو خوش کرنے کے لیے اپنی تین سالہ بچی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ زیر عنوان: باپ نے اپنی تین سالہ بچی کی بلی چڑھا دی اس سے زیادہ دہشت ناک خبر راجستھان کے ضلع جودھ پور کی ہے جہاں باپ کے ذریعہ اپنے ۶/سالہ بچے اور تین اور ۱½ سالہ دو بچیوں کو ایک ساتھ جیسلمیر کے رام دیورا مندر پر قربان کر دیا گیا۔ دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۳/ستمبر ۱۹۹۹ء خبر زیر عنوان: 3 Jodhpur children 'Sacrificed' (جودھ پور کے تین بچے بھینٹ چڑھا دیے گئے)۔

وہم پرستی

بچوں کی قربانی کے علاوہ اس وہم پرستی کے دوسرے مظاہر بھی ہیں۔ وطن عزیز کے مذہبی رہنمائی کے مراکز میں ایسے لوگ ہیں جو آج کے دور میں بھی سمندر کے سفر کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مرتکب کو مذہبی تعزیر کا مستحق سمجھتے ہیں[۱] دریں حالے کہ جب تک سماج سے وہم پرستی کے جراثیم کا ایک ایک کر کے خاتمہ نہ ہو، اس کے صحت مند ارتقاء کا خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

برادری واد

وطن عزیز میں سماجی نابرابری کی صورت حال کی تفصیل باب کی ابتدا میں آچکی ہے۔ لیکن اس وقت اس مسئلہ پر ہم ایک دوسرے رخ سے نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ جو اس نئے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے یہ پورا ملک برادریوں کے نام پر لام بند ہو رہا ہے۔ حق، انصاف، ایمان داری، سچائی، پڑوسی اور دوستی سب ایک طرف اور 'برادری' ایک طرف۔ سب کچھ چھوڑ کر فکر صرف ایک برادری کی ہو۔ صرف اس کے لیے سوچا جائے۔ اسی کے لیے جیا جائے اور اسی کے لیے مرا جائے۔ یہ مطلوب نہیں ہے کہ آدمی کا اپنی برادری سے کوئی تعلق نہ ہو۔ معروف کے دائرے میں رہ کر اس میں پوری دل چسپی لی جاسکتی ہے۔ لیکن اس وقت 'برادری واد' کے حوالے سے جو صورت حال ہے اس نے بالکل ہی دوسرا رنگ اختیار کر رکھا ہے۔ آدمی اس کے پیچھے اندھا ہو رہا ہے۔ اور سب کچھ چھوڑ کر اسی ایک نکتے کو اس نے اپنا مقصد حیات قرار دے لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں قدم قدم پر ایک برادری کا دوسری برادری سے ٹکراؤ ہے جو کسی بھی وقت

---

(۱) کیرلا کا واقعہ جہاں مندر کے ایک بڑے پجاری کو سمندر پار کرنے کے جرم میں اس کے مندر میں داخلہ اور پوجا کرنے پر روک لگا دی گئی ہے۔ قومی آواز نئی دہلی ۲۴ر جولائی ۱۹۹۷ء زیر عنوان: سمندر پار کرنے کے جرم میں پوجاری کا مندر میں داخلہ بند۔ نیز ملاحظہ ہو: دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۳ر جولائی ۱۹۹۷ء خبر تحت عنوان: Priest desarred temple for crossing Sea. (سمندر پار کرنے کے جرم میں پوجاری کا مندر میں داخلہ ممنوع)۔

انتہائی بھیانک رخ اختیار کرسکتا ہے۔ برادران وطن میں 'ورن آشرم' کا ایک خاص پس منظر ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے[۱]۔ اب حالات نے پلٹا کھایا ہے اور مخصوص برادریوں کو ابھرنے کا موقع ملا ہے تو ہر جگہ ان کے تیور جارحانہ ہیں۔ اور مقابلہ اور کش مکش کے لیے ہر ہر سطح پر محاذ تیار ہے۔ یہ ایک بڑی سنگین صورت حال ہے جسے اگر بروقت قابو میں نہیں کیا گیا تو نتیجے بڑے بھیانک ہوسکتے ہیں۔ صرف روٹی پھینک دینے اور بادل ناخواستہ سماج میں کھڑے ہونے کی جگہ دے دینے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے دلوں کے بدلنے اور حیات و کائنات سے متعلق بنیادی طور پر نقطۂ نظر کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے نزدیک اس مسئلے کا حل بھی صرف اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے پاس ہے، جس کی تفصیلات آگے اپنے مقام پر آتی ہیں۔

سماجی مساوات

کتاب کے پہلے باب میں 'سماجی مساوات' کے سلسلے میں بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ ہندستان کے اندر اور ہندستان سے باہر معاصر دنیا میں کسی بھی جگہ اس کے حوالہ سے حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ یہ صرف ''ورن آشرم'' کے ستم خوردہ ہمارے ہندستانی معاشرہ کا ہی مسئلہ نہیں ہے جہاں کا اکثریتی طبقہ سیکڑوں ہزاروں طبقات اور برادریوں میں منقسم ہے۔ اور تاریخی اسباب سے ان کے مابین اس قدر دوری اور منافرت ہے کہ صلح وآشتی کی تمام کوششوں اور عہد نو کی تمام خوش خبریوں اور یقین دہانیوں کے باوجود یہ دوری اور منافرت کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ بلکہ ذہنی بیداری اور معاشی ترقی بوجوہ اس دوری اور منافرت کو بڑھانے ہی میں معاون اور مددگار ثابت ہورہی ہے۔ ترقی یافتہ یورپ و امریکہ اور دوسری اور تیسری دنیا کے بقیہ ممالک واقوام کا حال بھی اس خصوص میں اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افکار و خیالات کی ہزار ترقی کے باوجود صحیح خدائی رہ نمائی سے محرومی کے نتیجے میں مسئلے کی ڈور کچھ اس طرح الجھی ہے کہ کسی طرح سلجھنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ اس صحیح خدائی رہ نمائی کا دوسرا

---

(۱) ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات'، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

نام اسلام کی نجات دہندہ تحریک ہے۔ جو ہر طرح کے سفلی جذبات اور منفی رجحانات سے آزاد ہوکر اپنی خالص اصولی حیثیت میں دنیائے انسانیت کی رہ نمائی اور اس کے دکھوں کا درماں پیش کرتی ہے۔ اسلام کی یہ نجات دہندہ تحریک یوں تو آغاز انسانیت سے لوگوں کی رہ نمائی اور ہر دور میں ان کے مسائل حیات کا حل پیش کرتی رہی ہے۔ لیکن آخری پیغمبر محمد عربی ﷺ کے ذریعہ یہ ہدایت و رہ نمائی اپنے اوج کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ انسانی زندگی کے دوسرے مسائل کی طرح اس کے لیے سماجی مساوات کی یقین دہانی میں بھی یہ رہ نمائی اسی طرح پختگی اور کمال کے آخری مقام پر ہے۔ اور اس کو اپنا کر ہی معاصر دنیا اس سلسلے میں اپنے امن واطمینان کا سامان کرسکتی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اس رہ نمائی کی ایک جھلک سے ہی یہ حقیقت مبرہن اور روز روشن کی طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔

کتاب اللہ کی اس سلسلے میں بڑی دوٹوک رہ نمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی مٹی اور ایک ہی آدمؑ وحواؑ کے سلسلے سے پیدا کیا ہے تو ان کی مختلف اقوام اور طبقات کے درمیان اس طرح کی اونچائی اور نیچائی اور کم تری اور برتری کس طرح پیدا ہوسکتی ہے جو ناقابل غور ہو۔ کوئی طبقہ پیدائشی طور پر اس طرح افضل ہو کہ اس کے بدتر سے بدتر عمل سے اس کی برتری اور بڑائی میں کوئی فرق نہ آئے۔ اور دوسرا ایسا ہی اسفل ہو جو اپنے اچھے سے اچھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ کارکردگی کے باوجود بدستور اسی پستی اور تنزلی میں پڑا رہے۔ قرآن کا یہ اعلان اس طرح کی تمام غلط فہمیوں کے پردے کو چاک کرتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وعورت (آدمؑ حواؑ) سے پیدا کیا ہے۔ ساتھ ہی تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ (اس کے ذریعہ) تم ایک دوسرے کی پہچان کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے انتہائی ڈرنے والا ہے۔ اللہ بڑا جاننے والا، جان کاری رکھنے والا ہے۔''

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنے پہلے اور آخری حج کے موقع پر بھی اس حقیقت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ضروری خیال کیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے ذیل کے ارشاد کو بجا طور پر آیت بالا کی تشریح و تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اپنے سامنے ایک لاکھ سے زائد مجمع کو آپ ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یایھا الناس، ربکم واحد، و ان اباکم واحد، کلکم لاٰدم و اٰدم من تراب. اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم، و لیس لعربی علیٰ عجمی فضل الا بالتقویٰ الاھل بلغت اللّٰھم فاشھد، قالوا نعم۔(۱)

"اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے، اور تمھارا باپ ایک ہے۔ تم سب کے سب ایک آدمؑ کی اولاد ہو۔ اور آدمؑ کی اصل مٹی سے ہے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے انتہائی ڈرنے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ سوائے اللہ کے ڈر کے۔ کہو میں نے بات پہنچا دی نہ۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ لوگوں کا جواب تھا ہاں بالکل۔ (آپؐ نے بات پہنچانے کا حق ادا کر دیا)۔"

روایت کے دوسرے الفاظ میں اس کے مضمون پر اضافہ ہے:

یایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا

---

(۱) ابو عثمان عمرو بن الجاحظ م ۲۵۵ھ: البیان والتبیین ۲/ ۲۹، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر، طبعہ ثالثہ ۱۹۶۴ء ۱۳۶۶ھ۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حدیث و سیرت کی کتابوں میں جا بجا بکھرا ہے، جس کے حوالے ہماری محولہ کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعض حوالے یہاں بھی آئے ہیں۔ یہاں ہم اس کے بہ جائے جاحظ کا حوالہ اس پہلو سے دے رہے ہیں کہ حدیث و سیرت سے آگے نکل کر آپ ﷺ کا یہ ارشاد اسلامی ادب کا ایک حصہ اور مسلمان معاشرت کا ایک عنصر قرار پا چکا تھا۔ اسی کتاب میں اس سے پہلے جاحظ نے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے: الناس سواسیة کاشنان المشط (البیان والتبیین: ۲/ ۱۸) "(دنیا کے) تمام انسان کنگھے کے دانتوں کے مانند برابر ہیں۔" حدیث و فقہ کے ذخیرے میں اس ارشاد نبویؐ کے حوالے بھی جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں۔

لاحمر علیٰ اسود ولا اسود علیٰ احمر الا بالتقویٰ ابلغت قالوا بلّغ رسول اللہ ﷺ۔(۱)

''اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ تم سب کا رب ایک ہے۔ اور تم سب کا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، سوائے اللہ کے ڈر کے۔ میں نے بات پہنچادی نہ۔ لوگوں کا جواب آیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بات پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔''

حجۃ الوداع کا واقعہ ۱۰ھ کا ہے جس کے چند ماہ بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سے دو سال قبل فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ میں بھی آپ ﷺ کی یہ تاکید اور نصیحت مزید تفصیلات کے ساتھ ہمارے مآخذ میں موجود ہے جس کے حوالے ہماری محولہ کتاب کی متعلق بحث میں دیکھے جاسکتے ہیں(۲)

شعوب وقبائل کا وجود حقیقی ہے

قرآن وسنت کی تصریحات سے سب سے پہلے یہ حقیقت مبرہن ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے میں شعوب وقبائل کا وجود ایک حقیقی وجود ہے۔ یہ کسی اور کے نہیں بلکہ انسان اور کائنات کے خالق اللہ رب العزت اور خداوند ذوالجلال کے منصوبے کا حصہ ہے، جو بڑا مبنی بر حکمت ہے اور اس سے عظیم انسانی معاشرتی مصلحتیں وابستہ ہیں(۳) قوموں، قبیلوں، برادریوں، رنگوں اور نسلوں کی جتنی اور جس قدر مختلف ومتنوع اور تہ در تہ تقسیمات ہوسکتی ہیں سورۂ حجرات کی آیت کریمہ: ۱۳ میں 'شعوب وقبائل' کے دو الفاظ میں ان سب کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ قوموں، قبیلوں اور برادریوں کا یہ وجود فطری ہے اور گردش لیل ونہار کی طرح دنیا کی کوئی طاقت اس کو مٹانے میں

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۴۱۱

(۲) اسلام کا تصور مساوات ۷۹ اور اس سے آگے۔

(۳) حوالہ سابق زیر عنوان تقسیم طبقات کی حکمت ص ۶۱ اور اس سے آگے۔

کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جس کی جو نسل ہے اور جس کی جو برادری ہے وہ دنیا کے کسی حصے پر منتقل ہوجائے اور کہیں کی بود و باش اختیار کرلے، اس کی یہ نسل اور برادری تبدیل نہیں ہوسکتی۔ کوئی عجمی، عربی اور کوئی سیاہ فام، سفید فام نہیں ہوسکتا۔ نہ بنگالی پنجابی ہوسکتا ہے، نہ پنجابی بنگالی بننے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ اسی پر دوسری تمام نسلوں اور رنگتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ قوموں، قبیلوں اور برادریوں کے فطری وجود کو ایک حقیقت کے طور پر قبول کرلیا جائے۔

شعوب برادریوں کی اصل حقیقت

اس نکتہ کی وضاحت کے بعد قوموں، قبیلوں، رنگوں، نسلوں اور برادریوں کی اصل حقیقت پر غور کرنا چاہیے۔ اوپر اس موضوع کی سورۂ حجرات کی دستوری آیت کریمہ: ۱۳، میں انسانی جماعت کی اس تقسیم کا مقصد آپس کا تعارف اور پہچان قرار دیا گیا ہے:

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

''اور ہم نے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا تاکہ (اس کے ذریعہ) تم ایک دوسرے کی پہچان کرسکو۔''

'شعب' کی جمع 'شعوب' عام ہے اور 'قبیلہ' کی جمع 'قبائل' خاص۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تحقیق پیش کی گئی ہے[۱] اس تقسیم کا مقصد انسانوں کے درمیان تعارف اور پہچان (لتعارفوا) قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہ ذات خود کوئی قوم، نسل یا برادری، اخلاقی، ذہنی اور جسمانی طور پر اعلیٰ اور افضل (Superior) اور دوسری ان پہلوؤں سے ادنیٰ اور کم تر (Interior) نہیں ہے۔ اس سے اڈولف ہٹلر جیسے لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے، جو اپنی جرمنی نسل کے شاہ نسل (Master Race) ہونے کا دعوے دار تھا۔ اور دنیا کی تمام تر ترقیات اور دستیابیوں کو اسی قوم کی رہین منت قرار دیتا تھا۔ اسی طرح اس سے ہندو قوم کے اس واہمہ کا قلع قمع ہوتا ہے کہ برہمانے

(۱) ہماری کتاب اسلام کا تصور مساوات ص ۲۱۲

اپنے جسم کے مختلف اعضاء منہ، بازو، ران اور پیر سے مختلف طبقات برہمنوں، چھتریوں، ویشوں اور شودروں کو پیدا کیا ہے۔ پس جو شودر برہما کے پیر سے پیدا ہوا ہے کسی صورت بقیہ تینوں طبقات کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا[1] پس کتاب اللہ کی اس صراحت سے کہ انسانی طبقات کی مذکورہ تقسیم کا مقصد صرف اور صرف ان کا آپسی پہچان اور تعارف ہے، نسل پرستی اور برادری واد کے تمام جاہل تصورات کی نفی ہوتی اور ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ حدیث میں اس مضمون کو مزید کھول دیا گیا ہے کہ 'کوئی عربی کسی عجمی سے یا کوئی عجمی کسی عربی سے، کوئی گورا کسی کالے سے اور کوئی کالا کسی گورے سے اعلیٰ اور افضل نہیں ہے۔ خداوند ذوالجلال کے نزدیک جو تن تنہا اس کائنات اور انسان کا پیدا کرنے والا ہے عزت واکرام کا حق دار وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو اس سے اتنا ہی ڈرنے والا ہے۔''

اور:

ولا فضل لعربي علىٰ عجمي ... الا بالتقوىٰ

''کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے...سوائے اللہ کے ڈر کے۔''

قرآن وسنت کی اس صراحت سے نسلی برتری کے ہر فلسفے کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے کوئی نسل یا قوم کسی دوسری نسل یا قوم سے فائق تر ہو۔ کسی کا حافظہ قوی ہو، کوئی دوسرے سے زیادہ زبان آور ہو اور کوئی شجاعت و بہادری میں دوسروں سے بڑھی ہوئی ہو۔ لیکن قوموں اور نسلوں کا اس طرح کا امتیاز ان کے درمیان کسی کی بالا دستی کا جواز نہیں فراہم کرتا۔

تاریخ کا نشیب وفراز

آج سے چودہ سو سال پہلے محمد عربی ﷺ کی بعثت سے قبل عالمی منظر نامے میں عربوں

---

(۱) حوالہ سابق، باب اول۔

کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ترقی اور تہذیب پر روم وایران کی اجارہ داری تھی اور یہی اس زمانہ کی سب سے بڑی طاقتیں (Super Powers) تھیں۔ بعد میں اسلام کی برکت سے عربوں میں ابھار آیا تو اگلے ہزار سالوں تک وہ پوری دنیا پر چھائے رہے۔ آج کی معروف مغربی/یورپی اقوام جو اس عرصہ میں جہالت وتاریکی کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں مسلمانوں سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے جب انھوں نے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں غیر معمولی ترقی کر لی تو آج دنیا میں ان کو امامت اور سیادت کا مرتبہ حاصل ہے۔ اور کم از کم پچھلے تین سو سالوں سے وہ عالمی معاملات کی تمام تر سیاہ وسفید کی مالک ہیں۔ اس سے بھی تازہ مثال چین، جاپان اور کوریا کی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے تک چین اور کوریا جاپان کی نو آبادیاں تھیں۔ اور معمولی سے جاپان نے اپنے سے بہت بڑے چین کو عملاً اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ آج صورت یہ ہے کہ چین دنیا کی تسلیم شدہ بڑی طاقت (Super Power) ہے اور کوریا کا حال ہے کہ وہ اپنی غیر معمولی سائنسی ترقی سے امریکہ جیسے سپر پاور کو آنکھیں دکھاتا ہے۔ وطن عزیز ہندستان کا حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ وہ دو سو سال تک برطانیہ جیسے چھوٹے سے ملک کی نو آبادی اور اس کا غلام رہا۔ لیکن ابھی اس کی آزادی کو پچاس سال ہوتے ہیں کہ وہ دنیا کی ابھرتی ہوئی معاشی اور فوجی طاقت ہے۔ اور عالمی سیاست میں اس کی اس حیثیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عالم اسلام میں بھی اس کی مثال نایاب نہیں ہے۔ ترکی پانچ سو سال تک عالم اسلام پر چھایا رہا جب کہ آج اس کے مقابلے عربوں کا ابھار چھپائے نہیں چھپتا ہے۔ جب کہ کچھ دنوں پہلے یورپ نے باقاعدہ اسے اپنے مرد بیمار (Siekman) کا نام دے رکھا تھا۔ جسے آج بھی حسب موقع اس کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔

قوموں اور قبیلوں کا آغاز

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف نسلوں، قوموں اور برادریوں کا آغاز کس طرح ہوا۔ قرآن وسنت کے مندرجہ بالا کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدا تو تمام

انسانوں کی ایک ہی ماں باپ آدمؑ اور حواؑ سے ہوئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے پہچان کے مقصد سے ان کو مختلف قوموں، قبیلوں اور برادریوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ ایک فطری تقسیم ہے۔ اور خدا کے وفادار بندوں کو اس تقسیم کو پوری خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ اس تقسیم میں اگر کوئی کسی صلاحیت میں بہ ظاہر پیچھے بھی ہو تو اپنی ٹھہرائی ہوئی اللہ رب العزت کے اس فیصلے پر پوری طرح راضی اور مطمئن ہونا چاہیے۔ برتر صلاحیتوں کی بنا پر بسا اوقات کسی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کوئی محروم رہ سکتا ہے۔ فائدہ حاصل کرنے والے کو قابو سے باہر نہ ہونا چاہیے اور محروم رہ جانے والے کو صبر و قناعت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ زندگی میں مواقع، وسائل اور صلاحیتوں کا فرق و امتیاز قدم قدم پر ہے۔ ایک ہی برادری میں کوئی زیادہ صحت مند، ذہین اور مال دار ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دوسرا ان پہلوؤں سے کم تر ہو۔ لیکن ہر ایک کو اسلام کی حدود کا پابند ہونا چاہیے۔ ایک کم زور شخص کو بھی اپنی تمام معذوریوں (Handicaps) کے ساتھ زندگی کو جینا اور لازماً پورے حوصلے کے ساتھ جینا چاہیے۔ اسی طرح کی معذوری پوری برادری کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ ان امکانی معذوریوں اور کم زوریوں کے باوجود ایک نسل کو دوسری نسل سے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے صحت مندانہ مسابقت کرنی چاہیے۔ روئے زمین پر پہلے مرد و عورت آدم و حوا سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ اللہ نے بعد میں اس کو مختلف قوموں اور قبیلوں 'شعوب و قبائل' میں تقسیم کر دیا۔ روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہے۔ جنھیں آدم ثانی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر موجودہ انسانی آبادی کو ان کی تین اولادوں سام، حام اور یافث سے جاری مانا جاتا ہے۔ معمولی سفید اور سیاہ فام نسل حام سے، زردی مائل سرخ نسل یافث سے اور سفید اور گندمی نسل سام سے منسوب مانی جاتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے اس سلسلے کے علاوہ اولاد آدمؑ میں کوئی اور سلسلہ باقی نہیں رہا۔

وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ (صافات:۷۷)

''اور ہم نے نوحؑ کی نسل کو ہی (دنیا میں) باقی رہنے دیا۔''

اس آیت کریمہ کی معروف تفسیر کے مطابق پوری نسل انسانی حضرت نوحؑ کی انھی تینوں اولادوں سے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہے[1] یہ تو تین مختلف نسلوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد ان کی ذیلی برداریوں کی شاخ در شاخ کس طرح تقسیم عمل میں آئی۔ اس کی تحقیق ہمارا موضوع نہیں ہے۔ البتہ قرآن کے اوپر کے بیان سے اتنی بات صاف ہے کہ انسانی شرارتوں اور بے اعتدالیوں سے ہٹ کر بہ ذات خود قوموں اور برادریوں کی یہ تقسیم اللہ کی قائم کردہ ہے، جسے اول تو کوئی شخص بدلنے میں کام یاب نہیں ہوسکتا اور دھوکے اور فریب سے بدلتا بھی ہے تو الٰہی تقسیم کی خلاف ورزی کرتا اور حدیث کے لفظوں میں اپنے کو اس کی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے[2] اس لیے مختلف نسلوں اور قوموں کی تقسیم کی جو بھی تاریخ ہو، یہ تقسیم ہے من جانب اللہ، اس لیے اس کے کسی مخلص بندے کو اس تقسیم پر جزبز اور اپنے مولیٰ کریم کا ناقد اور حرف گیر نہیں ہونا چاہیے۔

---

(۱) ابن جریر الطبری م ۳۱۰ھ: تاریخ الرسل والملوک المعروف بہ تاریخ الطبری ۱/ ۱۹۱-۱۹۲ طبع جدید، دار المعارف مصر، یہی بات عہد نامہ قدیم میں بھی کہی گئی ہے: نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سام، حام اور یافت تھے، اور ان ہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی۔ کتاب پیدائش: باب: ۹۔ آیت: ۱۸-۱۹، بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور ۱۹۸۵۔ دوسرے موقع پر اس کی مزید تفصیل ہے: عرب، ایران اور روم کی نسل سام سے، افریقہ کے سیاہ فام حام سے اور ترک کی نسل یافث ہی نوح سے ہے۔ ابن اثیر الجزری م ۶۳۰ھ: الکامل فی التاریخ ۱/ ۴۴، دار الکتاب العربی، بیروت، طبعہ سادسہ ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء جدید محقق ایڈیشن، اس موقع پر اس سلسلے کی دیگر تفصیلات ہیں: ۱/ ۴۴-۴۷۔

(۲) تفصیل کے لیے: اسلام کا تصور مساوات ص ۴۷۔

باب دوم

ناموسِ نسواں کی حفاظت

دنیا کے دوسرے ملکوں اور خطوں کے علاوہ وطن عزیز میں صنفِ نازک اور طبقۂ نسواں کی جو حالتِ زار ہے اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاص طور پر زنا بالجبر کے بڑھتے ہوئے واقعات نے ایک طرح سے اس وقت پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ گھر کے باہر کا حال ہے۔ لیکن گھر کے اندر بھی غریب عورت کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ چناں چہ تازہ خبر ہے کہ ملک کی راجدھانی دہلی میں خاص طور پر امیر گھرانوں میں عورتوں کی پٹائی اور ان کے ساتھ زیادتی اور تشدد کا رجحان روز افزوں ہے۔[1] زمینی حقائق کا یہ حال ہے۔ دوسری طرف کاغذ کی یہ صورت حال ہے کہ عورت سے بڑھ کر عزت و احترام کا کوئی دوسرا حق دار نہیں۔ یہ نصف بہتر (Half the better) اور نصف بدی (अधी नामि) ہے۔ عورتیں پہلے (Ladies first) آج کی پڑھی لکھی سوسائٹی کا مسلمہ ہے، جس پر انگلی اٹھانے کی کسی کی مجال نہیں ہو سکتی۔ اس کے نتیجے میں مخلوط مجلسوں میں ان کو سب سے پہلے مردوں سے آگے بٹھایا جاتا ہے۔[2] مجلس، مذاکرے، سمینار ہر جگہ ابتدائے خطاب میں خواتین و حضرات (Ladies & gentleman) کہہ کر خواتین کو پہلی جگہ دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے یہاں بھی شادی کے دعوت ناموں میں (Mrs & Mr...) مسز اور مسٹر فلاں میں 'مسز' کو مسٹر سے اوپر رکھا جاتا ہے۔ طبقۂ نسواں کی

---

(۱) ملاحظہ ہو: دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۷ نومبر ۲۰۰۲ء جائزہ بہ عنوان: 'Wife beating on rise in rich Delhi families' (دہلی کے خوش حال خاندانوں میں بیویوں کی پٹائی کا معاملہ روز افزوں)۔

(۲) علی گڑھ میں شادی کی ایک تقریب میں ہمارا اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ نکاح کی مجلس میں ہال میں لگی کرسیوں پر عورتوں کو مردوں سے آگے بٹھایا گیا۔ اس کی ناگواری کا احساس ابھی تک ذہن سے پوری طرح محو نہیں ہو سکا ہے۔

چارہ جوئی، ان کے مسائل کے حل اور سماج اور معاشرہ میں ان کو ان کا جائز مقام دلانے کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا رویہ اس افراط وتفریط سے پاک ہے۔ اور ان دونوں انتہاؤں کے بیچ صرف زبانی جمع خرچ سے نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں وہ صنف نازک کے دکھوں کا مداوا کرتی اور بھرپور طریقے پر ناموس نسواں کی حفاظت کا اہتمام کرتی ہے۔

لیڈیز فرسٹ اور ہاف دی بٹر کا انکار

اس سلسلے میں سب سے پہلے اسلام کی نجات دہندہ تحریک 'لیڈیز فرسٹ' اور 'ہاف دی بٹر' کے غیر حقیقی اور غیر متوازن تصور کی بیخ کنی کرتی ہے۔ انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے عورت کو عزت واحترام سے ہم کنار کیا اور اس کو انسانیت اور شہریت کے حقوق کی ضمانت دی، جس کی تفصیلات اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہیں[1] لیکن اسلام کسی طبقہ انسانیت کو دھوکہ دینے اور اس کو کھلونوں سے بہکانے کا قائل نہیں ہے۔ عورت اور مرد انسانیت کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، اس سے انکار نہیں اور اس پہلو سے ہندی حکمت (Indian Wisdom) کے عورت کے سلسلے میں نصف بدن 'اردھانگنی' (अर्धांगनि) کے تصور کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر مذہب بے زار یورپ کی تقلید میں عورت کو لیڈیز فرسٹ اور ہاف دی بٹر کا درجہ دینے کو وہ کسی طرح تیار نہیں ہوسکتی۔ غور سے دیکھا جائے تو اس میں خود عورت اور انسانیت کا فائدہ ہے۔ جس طرح کسی فرد کی بھلائی اور بہتری کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اور اپنے کو حد سے آگے بڑھا کر اور اسٹیمیٹ کرکے نہ دیکھے، صنف نازک کے لیے بھی یہ ہر طرح سے اسی کے حق میں ہے کہ وہ اپنے کو وہ نہ سمجھے جو کہ وہ فی الواقع نہیں ہے۔ اس میں اس کا تو نقصان ہوگا ہی اس سے بڑھ کر اس کی وجہ سے انسانیت کی گاڑی اپنی پٹری سے اترے گی اور اس کے معاملات ناہمواری اور بے اعتدالی کا شکار ہوں گے۔ مشین کے کسی نازک پرزے کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا دیا جائے تو وہ خود تو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہی ہے، ساتھ ہی اس کی وجہ سے پوری مشین بگڑتی اور پورا انجن

---

(۱) ایک حوالہ کے لیے محترم مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ کی کتاب: 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' جسے اس موضوع پر سند کا درجہ حاصل ہے۔ مطبوعہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔ بار اول مارچ ۱۹۸۶ء۔

خراب ہوتا ہے۔ گاڑی کا ایکسی ڈنٹ ہوسکتا، ٹرین حادثہ کا شکار ہوسکتی اور ہوائی جہاز فضا میں تباہ ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے میلوں پر پھیلا ہوا سمندر کا جہاز غرق آب ہوسکتا اور اپنے اندر بسی پوری ایک بستی کو ہلاکت کے منہ میں ڈھکیل سکتا ہے۔ اس مثال کے ذریعے معاشرہ کی بہتر تنظیم اور انسانیت کے صحت مند ارتقاء کے مقصد سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک عورت کو اس کی صحیح حیثیت یاد دلاتی اور اس کو اس کے اصل مقام پر دیکھنا چاہتی ہے۔ عقل و نقل ہر ایک کا فیصلہ ہے کہ جسمانی اور عقلی ہر لحاظ سے مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ گھر، خاندان، معاشرے اور انسانیت ہر جگہ اس کو اسی برتری اور بالا دستی کا مقام حاصل ہونا چاہیے۔ جہاں یہ ترتیب ٹوٹی اور ترجیح الٹی معاشرہ فتنہ وفساد کا شکار ہوجائے گا۔ چناں چہ کتاب اللہ نے آگاہی دی:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء:۳۴)

”مرد عورتوں کے نگراں ہیں۔“

دوسرے موقع پر اس کی وضاحت فرمائی کہ بلاشبہ شریعت میں عورت اور مرد دونوں کے الگ الگ حقوق ہیں۔ لیکن بہ وجوہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے:

وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ط (البقرہ:۲۲۸)

”اور مردوں کو عورتوں پر یک گونہ برتری حاصل ہے۔“

اسی طرح سورۂ یوسف میں آں جنابؑ کے حوالے سے مرد کو عورت کا 'آقا' قرار دیا گیا:

وَ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط (یوسف:۲۵)

”اور عزیز مصر کی بیوی اور حضرت یوسفؑ نے اس کے آقا کو دروازے کے پاس پایا۔“

حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے عورتوں کو مردوں کا 'قیدی' قرار دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے تاریخی خطبہ کا ایک حصہ ہے:

واستوصوا بالنساء خیرا فانهن عندکم عوان۔ (۱)

”اور عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اس لیے کہ وہ تمھارے پاس قیدی ہیں۔“

---

(۱) جامع الترمذی جلد ۔۔۔ ابواب التفسیر، تفسیر سورۃ التوبہ ص ۱۳۵۔ رشیدیہ دہلی۔

'عوانٍ' 'عانٍ' کی جمع ہے جس کے معنی 'قیدی' ہیں۔ جیسا کہ اسی موقع پر اس کی وضاحت ہے:

...وفکوا العانی۔(۱) ''اور قیدی کو آزاد کراؤ۔''

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ مضمون مزید کھلتا ہے:

النکاح رق فلینظر احدکم عند من یرق کریمته۔(۲)

''نکاح ایک طرح کی غلامی ہے تو تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنی شریف زادی کو کس کے پاس باندی بنا کے رکھتا ہے۔''

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے اس بیان سے اس کے مضمرات کی وضاحت ہوتی ہے:

النکاح نوع رق فهی رقیقة له فعلیها طاعة الزوج مطلقا فی کل ما طالب منها فی نفسها مما لا معصیة فیه۔(۳)

''نکاح ایک طرح کی غلامی ہے اس طرح بیوی اپنے شوہر کی باندی ہوتی ہے۔ تو اس کو چاہیے کہ صرف گناہ کے کاموں کو چھوڑ کر شوہر اس کے معاملے میں اس سے جس چیز کا بھی مطالبہ کرے وہ اس میں اس کی مطلق اطاعت کرے۔''

فقہ میں بھی اس کی اس طرح صراحت ہے۔ چناں چہ یہاں نکاح کا مطلب ہی یہ بتایا گیا ہے کہ:

ان من احکامه ملک المتعة و هو اختصاص الزوج بمنافع بضعها و سائر اعضائها استمتاعا او ملک الذات و النفس فی حق التمتع علیٰ اختلاف مشائخنا فی ذلک۔(۴)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجهاد والسیر، باب فکاک الاسیر۔ دوسرے موقع پر اس کے یہی معنی حضرت سفیان ثوریؒ کی طرف سے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الاطعمة، باب قول اللّٰه تعالیٰ (کلوا من طیبات ما رزقنا کم)۔ نیز مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۳۹۴، ۴۰۶۔

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۲/ ۲۶۳، طبع جدید۔

(۳) احیاء علوم الدین: ۲/ ۷۳، طبع قدیم۔

(۴) ابن عابدین شامی م ۱۲۵۲ھ: ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، در سعادت، مطبعہ عثمانیہ (مصر) ۱۳۲۴ھ۔

''نکاح کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر شوہر کو اپنی بیوی سے استفادے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی شرم گاہ اور اس کے دیگر اعضاء سے ہر طرح سے فائدہ اٹھانے کا خصوصی حق حاصل ہوتا ہے۔ یا یہ کہ بیوی سے استفادہ کرنے کے معاملے میں اس کی ذات اور اس کے سراپا پر اس کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس معاملے میں ہمارے مشائخ کا معروف اختلاف ہے۔''

یہاں نکاح کے ذریعہ حاصل ہونے والے شوہر کے اختیار کے سلسلے میں مشائخ کے جس اختلاف کا ذکر ہے وہ صرف لفظی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنسی تسکین سمیت شوہر کا یہ اختیار صرف اس سے فائدہ اٹھانے تک محدود ہوتا ہے یا اس استفادہ میں وہ اس کی ذات کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نکاح کے بعد شوہر اس پہلو سے اس کا مالک ہوتا ہے اور جب تک عورت اس کے نکاح میں رہتی ہے اس کے اس حق سے اس کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح ہو جانے پر شوہر کی مخلصانہ اطاعت عورت کے لیے سب سے بڑی نیکی ہے، جس کی قرآن و سنت میں غیر معمولی طور پر تاکید ہے۔ مختلف اور متعدد موقعوں پر آپ ﷺ نے یہاں تک کہا کہ 'انسانوں میں کسی کے لیے اگر دوسرے کو سجدہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے'۔(۱) جس کی بنیاد پر علامہ ابن تیمیہؒ کا یہاں تک کہنا ہے کہ:

المرأة اذا تزوجت كان زوجها املك بها من ابويها، و طاعة زوجها عليها اوجب۔(۲)

''عورت جب نکاح کے بندھن میں بندھ جائے تو اس کے اوپر اس کے ماں باپ کے مقابلے میں شوہر کا زیادہ اختیار ہوتا ہے اور اپنے شوہر کی فرماں برداری اس کے اوپر زیادہ موکد ہوتی ہے۔''

عورت کی جسمانی اور طبعی اور ذہنی اور عقلی کم زوریاں اس کے علاوہ ہیں۔ حدیث میں صاف طور پر عورت کو عقل اور دین ہر لحاظ سے کمی اور کم زوری کا شکار 'ناقصات عقل و دین' بتایا

---

(۱) صحاح ستہ اور اس سے باہر کی ان روایات کے استقصاء کے لیے: فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۲/ ۲۶۱- ۲۶۳ طبع جدید سعودیہ

(۲) فتاویٰ مذکور ص ۲۶۱ آ گے ص ۲۶۳- ۲۶۴ پر علامہ موصوف نے مثالوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو مزید واضح کیا ہے۔

گیا[۱] نازک عہدوں سے اس کو دور رکھنے کی تلقین کی گئی[۲] اور جماعت کی نماز میں اس کی صف کو سب سے پیچھے رکھتے ہوئے اس کے حق میں یہ اصولی بات کہی گئی کہ:

اخروھن من حیث اخرھن اللّٰہ۔(۳)

''(نماز میں) عورتوں کو پچھلی صف میں جگہ دو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیگر معاملات میں پیچھے رکھا ہے۔''

---

(۱) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الزکوٰۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب۔ صحیح مسلم جلد ا۔ کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات و بیان اطلاق لفظ الکفر علی غیر الکفر باللّٰہ ککفر النعمۃ والحقوق۔ جہاں اس کی اور کم زوری کی تفصیل ہے۔ عقل کی کمی کے سلسلے میں آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ 'دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے'۔ اور دین کی کمی یہ ہے کہ عورت حیض کی وجہ سے ہر مہینے کچھ دن نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ اس میں رمضان کا روزہ آجائے تو روزہ رکھ سکتی ہے۔ عورت کی نصف گواہی کا تذکرہ سورۂ بقرہ کی آیت دین: ۲۸۲ میں ہے، جہاں ساتھ ہی اس کی وضاحت بھی ہے کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ؕ (البقرہ:۲۸۲)

''اور (قرض کی لکھائی کے معاملے میں) اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ ٹھہراؤ۔ لیکن اگر دو مرد نہ مل سکیں تو گواہی کے لیے تم جن کو پسند کرو ان میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ کرو۔ تاکہ اگر ان دونوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

(۲) کسریٰ کی بیٹی کے ایران کی ملکہ بننے پر اللہ کے رسول ﷺ کا مشہور ارشاد: لن یفلح قوم و لوا امرھم امرأۃ (وہ قوم ہرگز ہرگز فلاح یاب نہیں ہو سکتی جو اپنی حکومت کی باگ ڈور عورتوں کے حوالے کر دے)۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الفتن، باب کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ و قیصر۔ نیز ملاحظہ ہو: صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الفتن، باب بلا ترجمہ ص ۳۲۱۔

(۳) ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصغانی م ۲۱۱ھ: المصنف ۳/۱۴۹، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع جدید، طبعہ ثانیہ ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء۔ بہ تحقیق و تخریج: حبیب الرحمٰن الاعظمی۔ جہاں یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ لیکن دوسری جگہ 'غریب' سہی اس کی روایت مرفوع حدیث کے طور پر ہے: جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی م ۷۶۲ھ: نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۲/۳۶، طبع جدید 'دار الحدیث' مکتبہ ابن تیمیہ۔ (بدون مقام)۔ مع حاشیہ التنہیۃ المھمۃ 'بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی۔ تصحیح کردہ ایڈیشن۔

اس تفصیل سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں 'لیڈیز فرسٹ' کے مروجہ تصور کی تردید ہوتی ہے۔ اور اس خیال کی غلطی واضح ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ کے لیے عورت کو مرد کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا جائے۔ اس میں عورت کا فائدہ نہیں بلکہ اس کا نقصان ہے۔ سماج میں شوہر کی نگرانی اور اس کا تحفظ اس کے لیے کوئی بوجھ نہیں۔ بلکہ یہ سرتا سر اس کے لیے رحمت ہے۔ شوہر کی مخلصانہ اطاعت سے اس کی دین و دنیا دونوں کی کام یابی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس لیے مردوں کے غلبہ والا سماج (प्रुश प्रधान समाज اور Male dominated Society) اپنے اصلی اور حقیقی دائرے میں انسانیت کے صحت مند ارتقاء کی اصل واساس اور ترقی کا ابتدائی زینہ ہے۔ جس کی بہ دولت ہی اس کے آگے مراحل کو طے کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس سماج کے خلاف عورت کو بغاوت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اصل سچائی اس سے بھی آگے ہے۔ اور وہ یہ کہ اسی سماجی ڈھانچے ہی میں صحیح معنوں میں عورت کو تحفظ حاصل ہوتا اور اس کے ہمہ جہتی حقوق کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ شوہر کے بغیر عورت بے دیوار کا گھر ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ مرد کے مقابلہ پر آکر وہ اپنا بھلا نہیں کر سکتی۔ گھر سے لے کر باہر تک اس کی حفاظت ونگرانی ہی میں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں مرد کا غلبہ اسی مقصد سے ہے۔ معاصر دنیا میں غلط پس منظر کے ساتھ اس کو غلط ڈھنگ سے پیش کیا جاتا ہے۔

ہمہ جہتی حقوق کی ضمانت

اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں لیڈیز فرسٹ اور ہاف دی بٹر کا انکار صرف اس لیے ہے تاکہ فرق مراتب برقرار رہے۔ اور قدروں کی تبدیلی سے معاشرہ فساد اور انحراف کا شکار نہ ہو۔ عارف رومی کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ:

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اس سے ہٹ کر جہاں تک عورت کی بہتری اور نگہ داشت کا سوال ہے، اسلام نے بیٹی، بیوی اور ماں ہر حیثیت سے عورت کے ہمہ جہتی حقوق کی ضمانت دی ہے۔ دیگر پہلوؤں سے

ہٹ کر اسلام کی نجات دہندہ تحریک عورت کی مالی بہتری اور اس کے مالی استحکام کا سامان کرتی ہے۔ اوپر کی تینوں ہی حیثیتوں میں اسے باپ، بھائی، شوہر اور اولاد کے ترکے سے متعین حصہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ حدود کی رعایت سے وہ بڑے سے بڑا اپنا آزادانہ کاروبار کرسکتی اور اپنی معاشی خود انحصاری کا سامان کرسکتی ہے۔(۱) اسی طرح طلاق یا شوہر کی وفات کی صورت میں عدت کے بعد اپنی مرضی سے وہ اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ اور ہندو سماج کی معروف روایت کے مطابق اسے بیوگی کے اس عذاب کو جھیلنے کی اس کو ضرورت نہیں ہے، جس کی دل دہلا دینے والی تفصیلات کتاب کے پہلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں اور جسے اس وقت بھی حسب ضرورت تازہ کیا جاسکتا ہے۔ بیوگی کے اسی عذاب سے نجات کے لیے ہندستان میں 'ستی' کی رسم وجود میں آئی۔ جس کے بقایا جات آج بھی ہندستانی سماج میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل بھی کتاب کے پہلے باب میں آچکی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں عورت کے لیے ان مظالم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ چناں چہ عامۃ الناس نے جہاں اس کے حق میں اپنا فیصلہ دیا اور اس کو اقتدار کی منزل تک پہنچایا وہ ستی کے خاتمے کے ساتھ بیواؤں کی باز آبادکاری کا ایک ہمہ گیر اور جامع منصوبہ تیار کرے گی۔ اور ریاست کی پوری طاقت سے اس پر فوری اور بے داغ عمل درآمد کو یقینی بنائے گی۔ ملک میں دیوداسی نظام کی برائی اس سے بڑی ہے جس پر عوامی تائید سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک یک لخت پابندی عائد کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے وہ اس کی تہ تک گھسنے کی کوشش کرے گی اور ایک ایک کر کے ان اسباب وعوامل کا پتہ لگائے گی جو اس کی پیدائش کا سبب بنتے ہوں جس سے کہ دوبارہ اس کو پنپنے اور پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے۔ معاصر دنیا میں صنف نازک کے حقوق پر دوسرے پہلوؤں سے بھی ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ جس میں سب سے نمایاں ہے کہ پیدائش سے پہلے ہی جنین کی تشخیص سے رحم مادر ہی میں اسے مار ڈالا جاتا ہے۔ ہندستان اور چین جیسے ملکوں میں اس سے آبادی کا توازن بگڑ رہا

---

(۱) ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' ص ۱۸۸، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول اکتوبر ۱۹۸۵ء۔ مزید تفصیل کے لیے: مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ کے متعلقہ مباحث، محولہ بالا۔

ہے اور مردوں کے مقابلے عورتوں کی تعداد لگاتار گھٹ رہی ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں اس کی تفصیل بھی آچکی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک عوامی تائید سے اس کے حق میں بھی سخت سے سخت قانون بنائے گی۔ اور اس کے برعکس کی ترغیب اور تشجیع کے ساتھ خاتون کی طاقت سے عورت کے زندگی کے حق کو یقینی بنائے گی۔ قحبہ گری اور بردہ فروشی سے عورت کے مسلمہ حقوق کی جوان دیکھی ہوتی ہے اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تفصیل بھی پہلے باب میں آچکی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک ان برائیوں کے خاتمے کے لیے بھی سخت ترین اقدامات کرے گی۔ اور اس ظلم کی شکار طبقہ نسواں کی باز آبادکاری اور اس کو اس کی کھوئی عزت واپس دلانے کا اہتمام کرے گی۔

عریانی وفحاشی، اختلاط، مقابلہ حسن، یوم معاشقہ اور یوم گلاب

معاصر دنیا کے یہ وہ مظاہر ہیں جن کے ذریعہ اپنے خیال کے مطابق عورت کی عزت افزائی ہوتی اور اس کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی نظر میں یہ سب شیطان کا فریب ہے جس میں اس نے حوا کی بیٹی کو گرفتار کر رکھا ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ جدید زمانہ میں عورت کی عریانی اور فحاشی کو اس کی ترقی اور آزادی کی علامت قرار دیا گیا۔ لباس کے نام پر اس کو بے لباس کیا گیا اور اجنبی مردوں سے بے باکانہ اختلاط اور میل جول میں اس کو کوئی تردد نہیں رہا۔ بے حیائی یہاں تک پہنچی کہ آزادانہ معاشقے کا باقاعدہ دن منایا جانے لگا اور سر عام برہنہ دوشیزاؤں کے حسن کی پیمائش کی جانے لگی(۱) افسوس ہے کہ معاملات دنیا سے مذہب کی بے دخلی کے علم بردار یورپ کی ان بدعات کو ہمارے رشیوں اور

---

(۱) افسوس ہے کہ 'ترکی' اور 'ملیشیا' جیسے مسلمان ملکوں سے بھی اس 'مقابلہ حسن' کے انعقاد کی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ اس کھلی ہوئی بے حیائی کے لیے کسی مسلمان ملک میں گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اور ہر مسلمان کے لیے اس برائی کے خلاف اپنی صلاحیت کے لحاظ سے ہاتھ، زبان اور دل سے اس کی مخالفت کرنی واجب ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان اکثریتی ملک نائیجیریا کے تازہ تجربے کو نمونہ بنایا جاسکتا ہے جہاں مسلمانوں کی تھوڑی سی توجہ سے یہ مقابلہ وہاں منسوخ ہو کر اس ملک سے باہر اس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

منیوں کے اس دیس میں بھی پوری فراخ دلی کے ساتھ قبول کر لیا گیا اور آج حالت یہ ہے کہ اس کی نقالی میں وہ کسی طرح یورپ اور امریکہ سے پیچھے نہیں ہے۔ اس کی مخالفت میں کوئی آواز اٹھتی بھی ہے تو وہ نقار خانے میں طوطی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔[1] اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی باحیا تہذیب میں ان برائیوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، جس میں ہر طرح کی بدکاری اور بے حیائی سے دور رہنے کی واضح تعلیم دی گئی ہے۔ اپنی آخری کتاب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ (انعام:۱۵۱)

''اور بدی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ چاہے وہ کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی ہو۔''

خیال رہے کہ اس سے اوپر اور نیچے شرک و بت پرستی، قتل اولاد اور عام انسانوں کے قتل کی حرمت کے اہم ترین احکام ہیں اور ان کے بیچ میں اس حکم کا بیان ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے موقع پر بھی یہ بات اسی تاکید سے کہی گئی ہے۔ جہاں اس کے

---

(۱) اس موقع پر اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے علم بردار شیوسینا اور اس کے سپریمو جناب بالا صاحب ٹھاکرے کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے خاص طور پر عروس البلاد ممبئی میں 'یوم معاشقہ اور یوم گلاب' کی بہ زور قوت مخالفت کی اور اس شہر کی حد تک اس کو بالکل پھیکا بنا کر رکھ دیا۔ البتہ اس پر حیرت ہے کہ وشو ہندو پریشد کے جناب وشنو ہری ڈالمیا ملک میں 'نئے سال' کے جشن کی طرح 'یوم معاشقہ اور یوم گلاب' منانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ جب کہ وی ایچ پی اور شیوسینا کے ساتھ آر ایس ایس کے لوگ بھی اس 'یوم معاشقہ' اور 'یوم گلاب' کے تحت خلاف ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی روزنامہ 'دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۵ ردسمبر ۲۰۰۲ _خبر زیر عنوان: Sex is good, Says VHP President (وی ایچ صدر کا اظہار خیال: بے لگام جنس کے اظہار میں کوئی حرج نہیں)۔ البتہ شیوسینا کے ہمارے احباب کا 'یوم معاشقہ' کے خلاف احتجاج کا سلسلہ ممبئی اور اس سے باہر بھی جاری ہے۔ چناں چہ یہ تنظیم جو ۱۹۹۹ سے اس دن کے خلاف پرتشدد مظاہر کرتی رہی ہے سال رواں میں ۱۴ رفروری ۲۰۰۳ء بہ روز جمعہ کی مناسبت سے ملک کی راجدھانی دہلی میں بھی اس کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ بھارتیہ پکچھ (Bhartiya Paksha) نامی ایک غیر معروف دوسری تنظیم نے بھی اس مہم میں اس کا ساتھ دیا۔ انگریزی روزنامہ 'دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۱۳ رفروری ۲۰۰۳ء خبر تحت عنوان: Sena Sourds V-Day threat Says 'western obscenity nation ('ویلن ٹائن ڈے' کے موقع پر شیوسینا کی دھمکی۔ مغربی بے حیائی کو اب مزید چلنے نہیں دیا جائے گا)۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی شیوسینا کا یہ پرتشدد احتجاج جاری رہا۔

ساتھ اسی طرح گناہ، سرکشی اور شرک وکفر کے مضامین کا بیان ہے۔اس سے بھی اس کی یہی اہمیت سامنے آتی ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف:۳۳)

''(اے نبیؐ!) کہیے کہ میرے رب نے تو صرف اور صرف بدی اور بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی۔اسی طرح اس نے گناہ اور ناحق سرکشی سے منع کیا ہے، نیز اس سے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے حق میں اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر اس بات کا الزام دھرو جسے تم خود نہیں جانتے ہو۔''

زمانۂ نزول قرآن کے پس منظر میں پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں ظاہری برائی میں بہو سے شادی اور ایک ساتھ دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے وغیرہ جیسی چیزوں کو شامل کیا گیا ہے جب کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ:110 کا (اندور کے حوالہ سے خبر: راشٹریہ سہارا دہلی ۱۵؍فروری ۲۰۰۳ء۔ بہ عنوان: ویلن ٹائن ڈے پر کئی جگہ تخریبی کارروائیاں سیکورٹی کے باوجود شیوسینا کارکنوں نے توڑ پھوڑ کی (گوکہ اس کے گڑھ ممبئی میں اس کے احتجاج کے باوجود اس سال یہ دن منایا گیا۔اسی خبر میں اس دن کی تاریخ کی تفصیل بھی دل چسپی کی ہے۔پانچویں صدی عیسوی میں سینٹ ویلن ٹائن نامی ایک کیتھولک بشپ نے اس وقت کے عاشقوں کی شادی کرنے میں مدد دی تھی اور اس سے متعلق تقریب کو اپنے آشیرواد سے بھی متبرک بنا دیا تھا۔اسی کی یاد کے طور پر دنیا کے بعض حصوں میں اسے 'یوم عشاق' کے طور پر منایا جانے لگا۔جس کی آب وتاب آج کی مہذب دنیا میں دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔(ملاحظہ ہو راشٹریہ سہارا دہلی ۱۵؍فروری ۲۰۰۳ء خبر بہ عنوان: شیوسینا کی مخالفت کے باوجود ویلن ٹائن ڈے منایا گیا۔لاکھوں ایس ایم ایس پیغامات بھیجے گئے، ایف ایم ریڈیو نے بھی محبت کے پیغام نشر کیے)

اس دن کی مخالفت میں شیوسینا اور اس جیسی تنظیموں کے پرتشدد احتجاج اور توڑ پھوڑ کے معاملے میں اپنے تحفظ کے ساتھ اسلام کی نجات دہندہ تحریک فی الجملہ اس دن کی مخالفت میں ان کی کھلی ہمنوائی کا اعلان کرتی ہے۔ان تنظیموں کے نزدیک اس دن کی مخالفت ہندستانی روایت اور ہندستانی تہذیب کے حوالے سے ہے۔اور اہل اسلام کے لیے یہ ان کے دین و ایمان کا حصہ ہے۔بہ ہر حال یہ اس طرح کا ایک نقطۂ اشتراک ہے۔اس کے علاوہ ایسی دوسری بہت ساری چیزیں ہیں جن میں مختلف پس منظر کے ساتھ وطن عزیز میں مذہب پسندوں کا اشتراک و تعاون ہو سکتا ہے۔اسے لازماً ہونا چاہیے۔اور اس اشتراک و تعاون کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا چاہیے۔

'چھپی برائی' کی تفسیر زنا اور بدکاری سے کی گئی ہے[۱] دوسری آیت کریمہ کی تفسیر میں 'چھپی برائی' سے مراد زنا کاری اور 'کھلی برائی' میں اس وقت کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں کے خانہ کعبہ کے ننگے طواف کو شامل قرار دیا گیا ہے[۲] اگرچہ اسی موقع پر ایک قول اس کی تفسیر میں عموم کا بھی ہے اور یہی آیت کریمہ کی سب سے درست تفسیر ہے:

وقيل القبائح كلها فواحش۔(۳)

''اور کہا گیا ہے کہ جتنی طرح کی بھی برائیاں پائی جائیں وہ سب 'فواحش' میں داخل ہیں۔''

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن وسنت میں 'فاحشہ' زنا کاری کی برائی کے لیے خاص ہے۔ اور اس میں اسی طرح دوسری وہ تمام برائیاں شامل ہوتی ہیں جو یا تو اس کے مقدمات ہوں یا نتیجۃً وہ اس کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ زنا کے ساتھ قیامت تک کے لیے ان کی صورتیں اور نوعیتیں تو مختلف ہوسکتی ہیں لیکن ان کی حقیقت ایک ہی ہے کہ یا تو وہ زنا کاری اور بدکاری کا سبب بنتی ہیں یا آئندہ کے لیے اس کو پختہ تر کرتی اور اس کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے آج کے زمانہ میں عریانی اور فحاشی، یوم معاشقہ اور یوم گلاب اور مقابلہ حسن وغیرہ بدکاری اور بے حیائی کی جتنی شکلیں پائی جاتی ہیں وہ سب اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ اوپر کی آیت کریمہ میں اس کے ساتھ عام گناہ 'اثم'، ناحق سرکشی اور شرک وبت پرستی کو شامل کرکے اس کے دائرے کو غیر معمولی طور پر وسیع کردیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے اصل سرچشمے اور منبع کی بھی نشان دہی کردی گئی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں جو بدی اور بے حیائی کی مطلق حرمت ہے تو دن کے اجالے یا رات کے اندھیرے اور کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے بند کمرے میں یا کھلے لان اور کھلے پارک میں اس کا ارتکاب جس شکل اور جس طرح بھی ہو وہ یکساں طور پر حرام ہے۔ لیکن اسی عمومی تعلیم کے علاوہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے ان برائیوں پر دوسرے پہلوؤں سے بھی قدغن لگائی ہے اور ان تمام راستوں (Loopholes) کو ایک ایک کرکے بند کیا ہے جہاں سے ان کو سر اٹھانے اور آنے کا موقع مل سکتا ہے۔ سرفہرست اسلام کی شرم وحیا کی تعلیم ہے۔

---

(۱) ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی م ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۲۹/۳، مطبعہ بہیہ، مصر ۱۳۴۷ھ۔ بالتزام عبدالرحمٰن محمد عبیدان الجامع الازہر۔

(۲، ۳) احکام القرآن: ۴۱/۳، حوالہ بالا۔

حیا کی تعلیم

معاصر دنیا کی بدی اور بے حیائی کے طوفان میں ناموس نسواں کی حفاظت کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک مرد و عورت ہر ایک کے ہاتھ میں 'شرم و حیا' کی مشعل تھماتی ہے۔ چناں چہ صحیح مسلم میں محسن انسانیت ﷺ کا مشہور فرمان ہے:

الایمان بضع و سبعون شعبة والحیاء شعبة من الایمان۔ (۱)

"ایمان کے ستر سے اوپر اجزاء ہیں انھی میں ایک حیا بھی ہے جو اس کا اہم ترین جز ہے۔"

مزید ارشاد ہوا:

الحیاء لا یاتی الا بخیر۔ (۲) "حیا اپنے ساتھ بھلائی ہی لے کر آتی ہے۔"

نیز یہ کہ:

الحیاء خیر کله۔ (۳) "حیا سرتاپا بھلائی ہے۔"

دوسرے موقع پر اس سے بھی آگے کی بات کہی اور اسے پچھلی نبوتوں کے بقایاجات کا ایک حصہ قرار دیا:

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ (۴) "جب تم سے حیا رخصت ہو جائے تو تم جو چاہے کرو۔"

یہ تو نبی آخر الزماں ﷺ کا قول تھا۔ اس سلسلے میں جہاں تک ان کے عمل کا سوال ہے، اس کے متعلق صحابی رسول حضرت ابوسعیدؓ کا بیان ہے:

---

(۱) صحیح مسلم جلد ا۔ کتاب الایمان، باب شعب الایمان۔ خیال رہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت امام بخاریؒ کے معیار پر نہیں ہے۔ اس لیے اپنی صحیح میں اس مضمون کو انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی دوسری روایت سے ثابت کیا ہے۔ جو اس موقع پر صحیح مسلم میں بھی ہے کہ 'اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ایک انصاری کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی کی بڑھی ہوئی شرم و حیا پر انھیں ڈانٹ پھٹکار رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعه، فان الحیاء من الایمان۔ "ارے بھئی، انھیں چھوڑو، اس لیے کہ شرم و حیا تو ایمان کا حصہ ہے۔" صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان۔ نیز ملاحظہ ہو: صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب الحیاء۔

(۲، ۳) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

كان النبي ﷺ اشد حياء من العذراء في خدرها۔ (۱)

”نبی ﷺ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ حیادار تھے۔“

یہاں تک کہ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی بڑھی ہوئی شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اپنے چچا حضرت عباسؓ کے کہنے سے پتھر اٹھانے کی سہولت کے لیے آپ ﷺ نے اپنی تہ بند جو ذرا اوپر اٹھائی تو آپ ﷺ اس کی تاب نہ لا سکے اور زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور ہوش آنے پر جب تک تہ بند کو حسب سابق باندھ نہ لیا اس وقت تک آپ ﷺ کو سکون نہ ہوا۔(۲)

اس کے ساتھ محسن انسانیت ﷺ نے معاشرہ میں شرم و حیا کے فروغ کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کیں اور بدی اور بے حیائی کے چور دروازوں کو ایک ایک کر کے بند کیا۔ ضرورت کے مخصوص اوقات کے علاوہ مرد و عورت ہر ایک کو تاکید کی گئی کہ وہ عریانی اور بے لباسی سے اپنے آپ کو بچائیں(۳) یہاں تک کہ شوہر و بیوی ہم بستری کے وقت بھی اس طرح بے ستر و بے لباس نہ ہوں کہ ان کے جسم پر ایک سوت بھی باقی نہ رہے(۴) مرد و عورت بالکل تنہا اور اکیلے ہوں جب بھی وہ اپنے کو ننگے پن اور برہنگی سے بچائیں۔ اس صورت میں اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے(۵) مرد مرد کے ستر کو دیکھے، نہ عورت عورت کے ستر پر نظر ڈالے، اسی طرح کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک چادر میں سوئے نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک چادر میں لیٹے(۶) مرد و عورت دونوں کو تاکید کی کہ وہ غسل خانہ کے اندر بھی کپڑے کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ كتاب الادب، باب الحياء، محولہ بالا۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۱۔ كتاب الحج، باب فضل مكة و بنيانها۔ صحيح مسلم جلد ۱۔ كتاب الحيض، باب الاعتناء بحفظ العورة۔

(۳، ۴، ۵) ان احادیث کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب 'اسلام کا نظریہ جنس' ۱۵۵-۱۵۶، ادارہ علم و ادب، علی گڑھ، طبع دوم ۲۰۰۰ء۔

(۶) صحیح مسلم جلد ۱۔ كتاب الحيض، باب تحريم النظر الى العورات۔ نیز جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستيذان والادب عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في كراهية مباشرة الرجل الرجل والمرأة المرأة۔

بغیر نہ نہائیں[۱] دوسرے موقع پر اسی کے پس منظر میں یہاں تک فرمایا: جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے باہر کہیں بھی اپنے کپڑے کو اتارتی ہے وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان حیا کے پردے کو تار تار کرتی ہے[۲]

امام بخاریؒ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ایوبؑ کے واقعات کے حوالے سے تنہائی میں کپڑے کے بغیر نہانے کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک بھی افضل یہی ہے کہ آدمی کپڑا پہن کر نہائے اور اکیلے میں بھی بالکل بے لباس نہ ہو۔ جیسا کہ اس موقع پر ان کے قائم کردہ ترجمہ باب سے واضح ہے:

باب من اغتسل عریاناً وحده، و من تستر فالتستر افضل۔[۳]

"اس کا باب کہ کوئی شخص تنہائی میں ننگا نہائے اور جو اس کے باوجود کچھ پہن کر نہائے تو یہ زیادہ افضل ہے۔"

غض بصر کا حکم

ناموس نسواں کی حفاظت کی اپنی مہم میں مسلمانوں کو حیا کی تعلیم کے ساتھ، اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے 'غض بصر' کا حکم دیا ہے۔ گھر کے اندر یا گھر کے باہر مسلمان مرد و عورت کا جہاں کہیں اجنبی مرد و عورت سے واسطہ ہو ان کو اپنی نگاہیں نیچی کر لینی چاہئیں۔ گھر سے باہر ان کا نکلنا ہو تو یہ دونوں اپنی نگاہیں نیچی رکھ کر چلیں۔ اور اگر اتفاقیہ اور اچانک اجنبی مرد و عورت کی ایک دوسرے پر نگاہ پڑ جائے تو فوراً ہی وہ اپنی نظر ایک دوسرے سے پھیر لیں۔ ابتداءً نگاہ نیچی رکھنے کے ساتھ یہ بھی اسی طرح اس 'غض بصر' میں شامل ہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ جو لوگ بدکاری اور زنا کاری کی، اس سے آگے کی برائی سے اپنے

(۱) سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب المیاہ، باب الرخصة فی دخول الحمام۔ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، مثل مطبع مجتبائی دہلی۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی دخول الحمام۔ نیز: مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۳۱، ۳۳۹۔

(۲) جامع الترمذی، حوالہ بالا۔ نیز سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب دخول الحمام۔ طبع قدیم مطبع مجتبائی دہلی۔ مسند احمد بن حنبل: ۶/۱۷۹۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الغسل، باب مذکور۔

آپ کو بچانا چاہتے ہوں ان کے لیے اس کی تجویز کردہ اس احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور: ۳۰-۳۱)

”(اے نبیؐ!) مسلمان مردوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ اللہ کو اچھی طرح پتہ ہے جو لوگ کرتے ہیں۔ اور (اے نبیؐ!) مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت و آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو اس میں سے اپنے آپ کھل جائے۔ اور اپنے سینوں پر اپنے پلو مار لیا کریں اور اپنی زینت و آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہروں کے لیے اور اپنے باپوں کے لیے اور اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے اور اپنے بیٹوں کے لیے اور اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے اور اپنے بھتیجوں کے لیے اور اپنے بھانجوں کے لیے اور اپنی جوڑ کی عورتوں کے لیے اور اپنی باندیوں کے لیے اور اپنے ان مرد خادموں کے لیے جن کی جنسی حس بجھ چکی ہو اور ان بچوں کے لیے جن کو ہنوز عورتوں کی پوشیدہ جگہوں تک رسائی نہ ہوئی ہو۔ اور وہ اپنے پیروں کو (زمین پر) مارتے ہوئے نہ چلیں جس سے کہ ان کی پوشیدہ زینت و

آرائش کا پتہ چل جائے۔ اور اے مسلمانو! تم سب کے سب مل کر اللہ کی طرف رجوع ہو۔ تاکہ تم فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہو۔"

آیت کریمہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے 'غض بصر' کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ان کے لیے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ 'غض بصر' میں یہ تو ہے ہی کہ راستہ چلتے ہوئے مرد و عورت دونوں جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی نگاہیں نیچی کر کے چلیں۔ لیکن اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر کہیں اچانک ان کی نگاہ ایک دوسرے پر پڑ جائے تو وہ فوراً اسے پھیر لیں۔ جیسا کہ آگے نبی علیہ ﷺ کی احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ حدیث میں عام طور پر اس حکم کی تاکید مردوں کے حوالے سے ہے۔ شاید اس لیے کہ اس کا زیادہ تر ارتکاب مردوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اپنی فطری حیا کی بنا پر عورت کی طرف سے اس کا صدور کم ہوتا ہے۔ لیکن آیت کریمہ میں اس حکم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل کر کے اس کا اشارہ دے دیا گیا ہے کہ ان کی طرف سے بھی اس سلسلے میں غلطی اور کوتاہی ہو سکتی ہے۔ اور اگر اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہے تو مردوں کی طرح ان کو بھی اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ محتاط اور چوکنا رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی عورتوں کو الگ سے اپنے جسم کے حساس حصے کے پردے کے ساتھ اجنبی مردوں سے اپنی زینت و آرائش کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوائے اس زینت کے جو اپنے آپ اور بے اختیارانہ ظاہر ہو جائے۔ اس 'زینت' کا مطلب عورت کا لباس، زیور اور میک اپ وغیرہ ہے۔ دوسری تغیر کے مطابق اس سے مراد اس کا جسم اور سراپا ہے جو اپنے آپ میں سب سے بڑی زینت ہے۔ اس حکم سے صرف اس 'زینت' کا استثناء ہے جو اپنے آپ ظاہر ہو جائے۔ پہلی تفسیر کے مطابق اس کا مطلب زیور اور کپڑے وغیرہ کی وہ آرائش ہے جو چھپانے کی کوشش کے باوجود کھل جائے۔ دوسری تفسیر کے لحاظ سے اس سے مراد عورت کے سراپا سے اس کا وہ حصہ ہے جو عام طور پر کھل جاتا ہے اور جس کے ہر وقت ڈھکے رہنے میں غیر معمولی مشقت ہے۔ معروف تفسیر کے مطابق اس سے مراد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ہے جو گھر کے اندر اور باہر محرم مردوں کے علاوہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی کھل سکتی اور کھلی رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد آیت کریمہ میں شوہر کے علاوہ عورت کے قریبی اور محرم رشتے داروں کی تفصیل ہے جن کے سامنے بعض دیگر کے علاوہ وہ اپنی زینت و آرائش اور اس کی جگہ کو کھول سکتی اور کھلی رکھ سکتی ہے۔

کتاب اللہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ نگاہ کی حفاظت شرم گاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے، نبی ﷺ کی حدیث سے بھی اس کی اسی طرح تائید ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نبی ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

ان اللّٰہ کتب علیٰ ابن آدم حظه من الزنا، ادرک ذٰلک لامحالة فزنا العین النظر و زنا اللسان المنطق والنفس تتمنی و تشتهی، والفرج یصدق ذٰلک کله و یکذبه۔(۱)

”اللہ نے آدم کے ہر بیٹے پر اس کے زنا کے حصے کو مقدر کر رکھا ہے جو اسے خواہی نخواہی مل کر رہتا ہے۔ تو آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے۔ اور نفس آرزو کرتا ہے اور خواہش میں مبتلا ہوتا ہے اور شرم گاہ اس کے پورے منصوبے کو سچ کر دکھاتی ہے، یا اسے جھٹلا دیتی ہے۔“

یہ الفاظ مختصر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ حدیث تفصیل سے ہے، جس سے اس کا مضمون صاف ہوتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

کتب علیٰ ابن آدم نصیبه من الزنا، مدرک ذٰلک لامحالة، فالعینان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الکلام والید زناها البطش والرجل زناها الخطا، والقلب یهوی و یتمنی و یصدق ذلک الفرج و یکذبه۔(۲)

”آدم کے بیٹے پر اس کے زنا کا حصہ مقدر کر دیا گیا ہے، جو اس کو خواہی نخواہی مل کر رہتا ہے۔ تو دونوں آنکھیں ان کا زنا دیکھنا ہے، اور دونوں کان ان کا زنا سننا ہے۔ اور زبان اس کا زنا بات کرنا ہے۔ اور ہاتھ اس کا زنا پکڑنا ہے اور پیر اس کا زنا چلنا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاستیذان، باب زنا الجوارح دون الفرج۔ نیز مسند احمد: ۲/ ۳۲۹۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب القدر، باب قدّر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیرہ۔ مسند احمد ۲/ ۳۴۳، ۳۴۴۔ نیز مسند احمد ۱/ ۴۱۲۔ میمینہ، مصر۔ ایضاً سنن ابو داؤد جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب ابو مریه من غض البصر۔ مجیدی، کان پور۔ جس کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: والفم یزنی زناہ القبل۔ ’منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ لینا ہے۔‘

اور دل راغب ہوتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ یا تو اس کو سچ کر دکھاتی ہے یا اس کو جھٹلا دیتی ہے۔''

امام غزالیؒ کا تو یہاں تک فرمانا ہے کہ جس شخص کو اپنی شرم گاہ کی حفاظت پر تو قدرت ہو لیکن نگاہ کی حفاظت پر وہ قادر نہ ہو تو اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو اسے جلد سے جلد شادی کر لینی چاہیے تاکہ اس کے لیے اپنی جنسی خواہش کو قابو میں رکھنا آسان ہو جائے۔ ورنہ اگر وہ اپنی نگاہ پر قابو نہ رکھ سکے گا تو اپنی جنس (Sex) کی سوچ پر قابو نہ پا سکے گا اور پریشان خیالی شکار رہے گا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ کسی وقت کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں جو اصل قابل توجہ ہے:

و زنا العین من کبار الصغائر و ھو یودی علی القرب الی الکبیرۃ الفاحشۃ و ھی زنا الفرج و من لم یقدر علٰی غض بصرہ لم یقدر علٰی حفظ فرجہ۔(۱)

''آنکھ کا زنا بڑے صغیرہ گناہوں میں سے ہے اور یہ آدمی کو بڑی بے حیائی یعنی کہ شرم گاہ کی زنا کاری تک لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور جس شخص کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے پر قابو نہ ہوگا وہ اپنی شرم گاہ کو مشکل ہی سے قابو میں رکھ پائے گا۔''

چناں چہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک اجنبی مرد و عورت ایک دوسرے کو لذت اور شہوت کے ساتھ یا اس کے بغیر جس طرح بھی دیکھیں یہ حرام اور ممنوع ہے۔(۲) اس تفصیل سے یہ بات اپنے آپ واضح ہے کہ گھر سے باہر اور راہ چلتے ہوئے عورت کے لیے ہر حال میں اپنے چہرے کا ڈھکنا ضروری نہیں ہے۔ چناں چہ صحیح مسلم کے شارح علامہ نووی زیر نظر آیت کے سلسلے میں قاضی عیاض کے حوالہ سے کہتے ہیں:

قال القاضی قال العلماء و فی ھٰذا حجۃ انہ لا یجب علی المرأۃ ان تستر وجھھا فی طریقھا و انما ذٰلک سنۃ

---

(۱) امام غزالیؒ م ۵۰۵ھ: احیاء علوم الدین: ۳/ ۷۴، طبع قدیم، عامرہ شرقیہ، مصر ۱۳۲۶ھ، طبعہ اولیٰ۔

(۲) علامہ ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ: الاستقامۃ: ۱/ ۳۴۸، طبع جدید، سعودی عرب ۱۴۰۳ء ۱۹۸۳ھ۔

مستحبة لها و یجب علی الرجال غض البصر عنها فی جمیع الاحوال الا لغرض صحیح شرعی۔ (۱)

"قاضی عیاض کہتے ہیں کہ علماء کا کہنا ہے کہ اس کے اندر اس کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ راستے میں اپنے چہرے کو ڈھک کر چلے یہ اس کے لیے صرف سنت اور مستحب ہے۔ البتہ مردوں کے لیے واجب ہے کہ وہ ان سے اپنی نگاہوں کو ہر حال میں بچا کر رکھیں۔ سوائے اس کہ کسی صحیح شرعی ضرورت کا اس کے برعکس کا تقاضا ہو۔"

البتہ اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر سے باہر عورت کو باپردہ اور ساتر لباس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس میں اس کی دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس سلسلے میں اس وقت مسلمان معاشرے میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ چناں چہ اس وقت دین دار گھر کی اور دین دار شوہروں کی دین دار بیویاں بھی پونا آستین کے جمپر پہننے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی ہیں۔ آزاد خیال اور آزاد رو خواتین کا حال اس سے بھی برا ہے، جو ساڑی کے ساتھ تقریباً عریاں بلاؤز کے ساتھ بازاروں میں گھومنے اور اجنبی مردوں کے ساتھ عمل و تعامل (Interact) کرنے میں ہچک اور عار محسوس نہیں کرتی ہیں۔ ذیل کی حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ایسی ہی خواتین کو تنبیہ فرمائی ہے۔ اللہ کے آخری نبی ﷺ سے محبت کرنے والی مسلمان خواتین کو آپ ﷺ کے اس فرمان کے پیش نظر اپنے طرز عمل کو فوری طور پر تبدیل کر کے آخری محمدیؐ شریعت کے باحیا اور ساتر لباس کو اختیار کر لینا چاہیے:

نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات... لایدخلن الجنة ولا یجدن ریحها و ان ریحها لیوجد من مسیرة کذا و کذا۔ (۲)

---

(۱) امام نووی م ۶۷۶ھ: شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۵: ۱۴/ ۱۳۹، دار الریان للتراث، القاہرہ، طبعہ اولیٰ ۱۴۰۷-۱۹۸۷ھ، طبع جدید۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب اللباس و الزتیة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔

"بہت سی عورتیں ہیں جو کپڑا پہن کر بھی بغیر کپڑے کے رہتی ہیں۔ یہ بل کھاتی ہوئی چلتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں... یہ جنت میں نہ جائیں گی، حالاں کہ اس کی خوش بو اتنے اور اتنے فاصلے سے محسوس کی جا سکے گی (۱)"

اوپر یہ جو کہا گیا تھا کہ نگاہ نیچی رکھنے 'غض بصر' میں یہ بھی شامل ہے کہ اجنبی مرد و عورت ایک دوسرے پر اچانک نگاہ پڑ جانے پر اسے فوراً ہٹالیں۔ اور مرد ہو کہ عورت وہ ایک نظر کے بعد نگاہ سے دیر تک دوسرے کا پیچھا نہ کریں۔ حضرت علیؓ کو خطاب کر کے اللہ کے رسول ﷺ نے اسی کی تاکید کی تھی:

یا علی لا تتبع النظرة النظرة فان لک الاولی ولیست لک الآخرة۔ (۲)

"اے علیؓ! (عورت پر) ایک نظر پڑ جانے کے بعد اس کو دوبارہ مت دیکھو۔ اس لیے کہ پہلی نظر میں تمھارے لیے چھوٹ ہے، دوسری میں چھوٹ نہیں ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہؓ نے نبی ﷺ سے اس کی بابت جو سوال کیا ہے اس کا آپ ﷺ نے جو جواب دیا ہے اس سے بھی اسی حقیقت کی نشان دہی ہوتی ہے:

عن جریر بن عبد اللہ قال سألت رسول اللہ ﷺ عن نظر الفجأة فامرنی ان اصرف بصری۔ (۳)

"حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اچانک کی نظر کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھ کو حکم فرمایا کہ میں اپنی نگاہ (اسی وقت) پھیرلوں۔"

(۱) حدیث کے الفاظ 'کاسیات' 'ممیلات' کی تشریح دوسرے انداز سے بھی کی گئی ہے۔ ہمارا ترجمہ راجح کے لحاظ سے ہے۔ اور لغت سے اس کی گنجایش نکلتی ہے۔

(۲) سنن ابو داؤد جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب ما یومر به من غض البصر۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی نظر الفجاءة۔ رشیدیہ دہلی۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الآداب، باب نظر الفجأة۔ عامرہ، مصر۔ نیز سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب مایومر به من غض البصر۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی نظر الفجأة۔

اس کی تشریح میں شارح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں اور اسی پر یہ بحث ختم ہوتی ہے:

و معنی نظر الفجأة ان یقع بصره علی الاجنبیة من غیر قصد فلا اثم علیه فی اول ذٰلک و یجب علیه ان یعرف بصره فی الحال فان صرف فی الحال فلا اثم علیه و ان استدام النظر اثم لھٰذا الحدیث۔(۱)

''اچانک نگاہ کا مطلب ہے کہ اجنبی عورت پر آدمی کی نگاہ بغیر ارادے کے پڑ جائے تو ایسی صورت میں پہلے وہلے میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ فوری طور پر وہ اپنی نظر کو پھیر لے۔ اگر اس نے فوراً نظر پھیری تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ لیکن اس کے بہ جائے اگر وہ لگاتار دیکھتا رہے تو اس حدیث کی بنیاد پر وہ گنہ گار ہوگا۔''

اختلاط کی ممانعت

عورت کو زندگی میں عزت و وقار کا مقام ملے، اس کے ناموس کی حفاظت ہو اور اس کو زیادتی اور استحصال سے بچایا جائے، اس مقصد سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے مرد و عورت کو حیا کی تعلیم اور 'غض بصر' کی تاکید کے ساتھ تیسرا اہتمام یہ کیا ہے کہ اجنبی مرد و عورت ایک دوسرے سے فاصلے کے ساتھ رہیں۔ اسلام میں عورت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر وقت گھر کی چار دیواری کے اندر بند رہے۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ اپنے گھر، خاندان، اسی طرح اپنی کاروبار، سماجی، علمی، تحریکی اور دعوتی ذمے داریوں کو پوری دل چسپی اور سرگرمی کے ساتھ ادا کر سکتی ہے، بلکہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے۔ اس مہم میں اس کا گھر سے باہر بھی نکلنا ہوگا اور ضرورت کے مطابق اجنبی مردوں سے بھی اس کا واسطہ ہوگا۔ پردے اور حیا کی تعلیم کے ساتھ اس طرح کی صورت حال میں اسلام کا چاہنا ہے کہ عورت کا اجنبی مرد/مردوں سے واسطہ بہ قدر ضرورت مختصر سے مختصر اور محدود سے محدود اور بالکل اتفاقیہ اور چلتے پھرتے ہو۔ مخلوط تعلیم، مخلوط دفتر، مخلوط ملازمت اور مخلوط کاروبار کا اس کے یہاں کوئی تصور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں

(۱) شرح نووی للمسلم مع المسلم: ۱۴/۱۳۹، دار الریان للتراث، محولہ بالا۔

اجنبی مردوں اور عورتوں کا ایک ساتھ لگاتار اور مستقل ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہو۔ جیسا کہ اس وقت کا رواج ہے اور اسے آج کے معاشرے میں روشن خیالی اور ترقی کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ مسلمان کے اندر بھی یہ مرض اسی طرح عام ہوتا جا رہا ہے اور دن بہ دن اس کے سلسلے میں ان کی حس کم زور سے کم زور تر ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام کی ترجیح اس سے مختلف ہے۔ قرآن کے لیے ناقابل تصور ہے کہ اجنبی مرد و عورت کسی مقام پر ایک ساتھ ملیں، ان کی مخلوط مجلس جمے اور ان کی ایک دوسرے سے بے تکلفی اور آپس میں خوش گپی اور تبادلۂ خیال ہو۔ اس طرح کے مواقع پر اکثر و بیشتر یہ بے احتیاطی ہوتی ہے کہ لوگ کسی کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور اسے برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قرآن کا کہنا ہے کہ یہ تو منع ہے ہی اور اس برائی سے لازماً بچنا چاہیے۔ لیکن اگر اس برائی کا ارتکاب ہوتا بھی ہے تو یہ مردوں اور عورتوں کی الگ مجلسوں ہی میں ہوسکتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجلس میں بے شرمی اور بے حیائی کے اضافہ کے ساتھ اللہ کی کتاب کے لیے اس برائی کا تصور محال ہے۔ اسی کو اصول فقہ کی اصطلاح میں 'اشارۃ النص' یا 'اقتضاء النص' کہتے ہیں۔ پہلے حکم کا ثبوت اگر 'عبارۃ النص' اور 'دلالۃ النص' سے ہوتا ہے تو یہ دوسرا حکم اس کے 'اشارے' اور 'اقتضاء' سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں سورۂ حجرات کی آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ پڑھیے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِٱلْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ۝

(الحجرات:۱۱)

"اے مسلمانو! (تم میں سے) مردوں کی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کیا معلوم کہ وہ اس سے بہتر ہو اور نہ (تمھاری) عورتوں کی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق اڑائے کیا معلوم کہ وہ اس سے بہتر ہو۔ اور ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کرو اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان کے بعد فسق و فجور کا نام لہو ہے۔ اور جو لوگ اپنی پرانی روش سے باز نہ آئیں تو لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔"

ناگزیر ضرورت سے اجنبی مرد و عورت کا ایک دوسرے سے رابطہ اور تعامل ہو تو اس کا طریق اور انداز کیا ہو، اس کی رہ نمائی سورۂ قصص میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے تو عرب کی بدوی زندگی میں گھر کی بکریاں چرانے اور انھیں چراگاہ میں پانی پلانے کی خدمت ان کی جوان صاحب زادیاں انجام دیتی تھیں۔ لیکن اس سلسلے میں ان کا مستقل طریقہ اجنبی مردوں سے بچنے کے لیے وہ اپنی بکریوں کو کنوئیں سے دور روک لیتی تھیں اور جب تمام چرواہے اپنے جانور کو پانی پلا کر وہاں سے دور نکل جاتے تھے تب وہ اپنی بکریوں کو اس میں سے پانی پلاتی تھیں۔ مصر سے نکل کر حضرت موسیٰؑ کے مدین کے کنوئیں پر پہنچنے پر ان کے ان سے استفسار پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے ساتھ ہی انھوں نے اپنے والد کی پیرانہ سال کا عذر بھی بتانا ضروری خیال کیا:

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ○

(قصص: ۲۳)

''اور موسیٰؑ نے لوگوں سے دور دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ریوڑ کو روک رہی ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کیا معاملہ ہے۔ ان کا جواب تھا کہ اپنے جانوروں کو گھاٹ سے پانی نہیں پلاتے جب تک کہ دوسرے چرواہے نکل نہ جائیں۔ اور ہماری مجبوری ہے کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں۔''

تفسیری روایت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے دوسرے کنوئیں سے ان کی بکریوں کو جلد پانی پلا کر فارغ کرنے پر مشقت سفر کی انتہائی پریشانی میں جب کہ وہ بھوک سے بے حال تھے، ببول کے درخت کے سائے تلے دست دعا دراز کیے بیٹھے رہے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ○ (قصص: ۲۴)

''تو موسیٰؑ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر آپ درخت کے سائے کی طرف

ہو گئے۔ اور دعا کرنے لگے کہ خدایا! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں ان کے لیے سراپا احتیاج ہوں۔"

صاحب زادیوں نے واپس جا کر نوجوان کے مثالی کردار کی تفصیل بزرگ باپ سے بتائی تو انھوں نے ان میں سے ایک کو انھیں بلانے کے لیے بھیجا۔ اس کی تعبیر میں بھی کتاب اللہ کا کہنا ہے کہ شرم سے اس کے قدم ٹھیک نہ اٹھتے تھے اور وہ حیا سے ادھر اور ادھر جھکی جاتی تھی:

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ (قصص:۲۵)

"تو ان میں سے ایک شرم میں ڈوبی ہوئی موسیٰ کے پاس چلتی ہوئی آئی۔ اس نے کہا کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی مزدوری آپ کو دے سکیں۔"

تفسیر میں اس کی مزید تفصیل ہے کہ ابتدا حضرت شعیبؑ کی یہ صاحب زادی آگے اور حضرت موسیٰؑ ان کے پیچھے چلے، لیکن تھوڑی ہی دور میں جب حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ تیز ہوا کے چلنے سے بسا اوقات لڑکی کی پنڈلیاں کھل جاتی ہیں تو وہ خود آگے ہو لیے اور لڑکی کو اس کے بہ جائے اپنے پیچھے چلنے کو کہا[۱] اس کے بعد واقعہ کی آگے کی تفصیلات ہیں جس کے مطابق ان دو بہنوں میں سے ایک سے حضرت موسیٰؑ کی شادی ہوگئی اور وہ حضرت شعیبؑ کے داماد بن گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگزیر ضرورت کی صورت میں بھی اجنبی بالغ مرد و عورت کے اختلاط کے سلسلے کو بہت زیادہ دراز نہیں ہونا چاہیے۔ اس صورت میں یا تو وہ بہت جلد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں ورنہ ان کی راہیں بالکل الگ ہو جانی چاہئیں۔ قرآن کے بیان کردہ اس پس منظر میں واقعہ کے فقہ کی بعض جزئیات دل چسپی کی ہیں، جس سے اس کی اس ترجیح اور اس کی اس پسند کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ چناں چہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی دعوت میں شریعت کے خلاف بعض دوسری چیزوں کی طرح اس میں بے پردہ خواتین کی شرکت ہو تو اگر آدمی اس کو طاقت کے زور سے رکوا نہ سکے تو زبان سے اس کو برا کہہ کر وہاں سے اس کو واپس آ جانا چاہیے[۲] اسی طرح اس طرح کے

(۱) تفسیر الجلالین ص ۵۱۰، محولہ بالا۔ اس طرح کی تفصیلات سے قرآن کے اجمال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے جب تک کوئی اصول نہ ٹوٹے ان کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۲/ ۱۰

مجمع میں اگر عورتیں بے تکلف اجنبی مردوں کو دیکھیں تو ان کو اس سے روکنا چاہیے۔ دوسری صورت میں آدمی کے لیے ایسی جگہ سے ہٹ جانا لازمی ہے۔(۱)

اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس معاملے میں اس درجہ حساس ہے کہ نابینا مرد/مردوں کے ساتھ بھی کسی عورت کا بے تکلف ہونا اور اس کے ساتھ اس کا وقت گزارنا اس کو گوارا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ مرد اگر پیدائشی نابینا ہو اور وہ عورت کو نہ دیکھ سکے جب بھی اجنبی عورت کا اس کو دیکھنا اور اس سے بے تکلف ہونا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ ایک موقع پر یہ دونوں آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن مکتومؓ تشریف لائے اور انھوں نے آپ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس موقع پر یہ دونوں ازواج مطہراتؓ جو آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں تو آپ ﷺ نے ان کو ہٹ جانے اور ان سے پردہ کرنے کو کہا، اس پر ان کا کہنا ہوا کہ یہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھ نہیں رہے ہیں پھر ہم کو ان سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر آپ ﷺ کا ان کو جواب تھا کہ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو اور ان کو نہیں دیکھ رہی ہو(۲) اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و هٰذا يدل علٰى انه لا يجوز للنساء مجالسة العميان كما جرت به العادة فى المآتم والولائم فيحرم على الاعمٰى الخلوة بالنساء و يحرم على المرأة مجالسة الاعمٰى و تحديق النظر اليه لغير حاجة و انما جوز للنساء محادثة الرجال والنظر اليهم لاجل عموم الحاجة۔(۳)

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۳۰۶/۲، طبع قدیم، مطبعۃ العامرۃ الشرفیہ، مصر ۱۳۲۶ھ

(۲) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب قوله تعالٰى و قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الادب والاستيذان عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فى احتجاب النساء من الرجال۔ نیز مسند احمد: ۲۹۶/۶۔

(۳) احیاء علوم الدین: ۷۵/۳، محولہ بالا۔

”اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے نابینا مردوں کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ خوشی اور غم کے مواقع پر عام طور پر اس کا رواج ہے۔ چناں چہ نابینا مرد کے لیے اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی حرام ہے۔ اسی طرح عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ کسی نابینا مرد کے ساتھ بیٹھے اور بلا ضرورت اس کو گھور کر دیکھے۔ عورتوں کے لیے مردوں سے گفتگو اور انھیں دیکھنے کی اجازت محض اس لیے دی گئی ہے کہ ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے۔“

حدیث وفقہ کی بعض دوسری جزئیات

حدیث وفقہ کی بعض دوسری جزئیات سے بھی اسلام کی اسی پسند کا اندازہ ہوتا ہے کہ معاملات زندگی میں وہ اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اور دین و دنیا کی مضرتوں سے بچانے کی خاطر وہ ان کے درمیان فاصلے کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔

غسل کے بغیر مردے کی تدفین

چناں چہ اگر کسی موقع پر ایسا ہو کہ کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور وہاں سوائے مردوں کے دوسری کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح کسی مرد کا انتقال ہو جائے اور وہاں سوائے عورتوں کے دوسرا کوئی مرد نہ ہو تو ان دونوں ہی صورتوں میں تنہا مرد و عورت کو تیمّم کرا کر دفن کر دیا جائے گا اور اجنبی مردوں کے لیے اجنبی عورت کو، اسی طرح اجنبی عورتوں کے لیے اجنبی مرد کو نہلانے اور اسی کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقہ کے اس جزئیہ کا بیان نبی ﷺ کی ایک حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد نے اپنی کتاب 'مراسیل'[1] میں نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے آخری رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا ماتت المرأة مع الرجال ليس فيهم امرأة غيرها والرجل مع النساء ليس معهن رجل غيره فانهما ييممان و يدفنان۔(۲)

---

(۱) مرسل وہ روایت جسے کوئی تابعی، تبع تابعی صحابیؓ کے واسطے کو چھوڑ کر نبی ﷺ سے براہ راست بیان کرے۔ اسی کی جمع 'مراسیل' ہے۔ یہ امام ابوداؤد کی الگ کتاب ہے۔ سنن ابوداؤد میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔

(۲) بہ حوالہ: صنعانی م ۱۱۸۲ھ سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۲/۵۵۰، مکتبہ عاطف (مصر) تحقیق وتعلیق: محمد عبدالعزیز الخولی۔

''اگر کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور وہاں صرف مرد ہوں کوئی عورت نہ ہو اسی طرح کسی مرد کا انتقال ہو جائے اور وہاں صرف عورتیں ہوں کوئی مرد نہ ہو تو ان دونوں کو تیمم کرایا جائے گا۔ اور یہ دفن کر دیے جائیں گے۔ (اجنبی مرد و عورت ایک دوسرے کو غسل نہ دیں گے)۔''

تنہا عورتوں کی امامت

اسی سلسلے میں فقہ کا یہ جزئیہ بھی قابل غور ہے کہ تنہا عورتوں کی جماعت میں جب تک مرد امام کی اس میں کوئی محرم موجود نہ ہو، اس کے لیے ان کی امامت جائز نہیں ہے۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

لا یجوز للرجل ان یصلی بنساء مفردات الا ان تکون احداھن محرما لہ۔ (۱)

اس کے لحاظ سے اس وقت ہمارے یہاں رمضان کی تراویح میں لڑکیوں کے ہوسٹلوں میں محرم کے بغیر مرد حافظ کے ان کی نماز پڑھانے کا جو رواج ہے وہ قابل غور ہے۔ اور اس روایت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

ہجڑوں کی شہر بدری

عورتوں کو اختلاط کے فتنہ سے بچانے کے لیے پیدائشی ہجڑوں کو بھی شہر سے باہر کر دیا جائے گا۔ اس کی تفصیل احادیث و آثار میں ہے۔ اس کے مطابق اگر پیدائشی ہجڑے 'مخنث' کے بارے میں بھی پتہ چل جائے کہ اس کا جنسی رجحان بیدار اور اس کا عورتوں کی طرف میلان ہے، اگر اس کی کسی حرکت اور گفتگو سے اس کا اندازہ ہو جائے تو اس کو شریف عورتوں کے درمیان رہنے نہیں دیا جائے گا اور اس کو آبادی سے دور نکال دیا جائے گا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اس کی تاکید کے ساتھ اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ بعد کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا بھی

---

(۱) فتح الباری: ۴؍۷۷، طبع جدید۔

اس کے مطابق عمل رہا(۱) تفصیلات کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے زمانہ میں اس کی وجہ سے ہیمت، ماتع اور انّہ نامی ہجڑوں کو مدینہ سے باہر نکال دیا(۲) اسی وجہ سے 'انجشہ' نامی معروف حبشی حدی خواں ہجڑے کو بھی آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل جانے کا حکم دیا(۳) اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے 'ابوذویب'، 'نصر بن حجاج' اور 'جعدہ سلمی' نامی ہجڑوں کو مدینہ سے باہر چلے جانے کے احکام نافذ کیے(۴) یہاں تک کہ کسی مرد نے اگر اپنی 'بدھیا' کرالی ہو یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو، جب بھی اس کو اجنبی عورتوں کے درمیان بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہنے دیا جائے گا۔

امام نووی اس مضمون کی احادیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ففیه منع المخنث من الدخول علی النساء و منعهن من الظهور علیه و بیان ان له حکم الرجال الفحول الراغبین فی النساء فی هٰذا المعنیٰ و کذا حکم الخصی و المجبوب ذکره و اللّٰه اعلم۔(۵)

''اس سے نکلتا ہے کہ ہجڑے کو عورتوں کے پاس جانے سے روکا جائے گا، اسی طرح عورتوں کو منع کیا جائے تا کہ وہ اس کے اوپر چڑھ کر نہ رہیں۔ اور اسی سے یہ بات صاف ہوتی ہے کہ اس معاملے میں ہجڑے کا حکم پٹھے مردوں کا ہوگا جن کی کہ عورتوں میں غیر معمولی دل چسپی ہوتی ہے۔ اور یہی حکم بدھیا مرد اور ایسے مرد کا بھی ہوگا جس کا کہ عضو تناسل کٹا ہوا ہو۔''

عورتوں کی الگ صف

اسی ضرورت سے اسلام میں نماز میں عورتوں کی صف مردوں سے دور اور الگ رکھی گئی

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الحدود، باب نفی اہل المعاصی والمخنثین۔

(۲) فتح الباری: ۹/ ۳۳۴۔

(۳) فتح الباری: ۱/ ۳۳۴۔

(۴) فتح الباری: ۱۲/ ۱۵۹، ۱۶۰۔

(۵) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۵: ۱۴/ ۱۶۳، طبع مذکور۔

ہے۔ چناں چہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے نماز باجماعت میں سب سے اچھی صف پہلی ہے، اسی طرح عورتوں کی اس موقع پر سب سے اچھی صف پچھلی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

خير صفوف الرجال اولها و شرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها و شرها اولها۔(۱)

''مردوں کی سب سے عمدہ صف پہلی ہوتی ہے اور سب سے بری آخری ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی سب سے عمدہ صف آخری ہوتی ہے اور سب سے بری پہلی ہوتی ہے۔''

یہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔ مسند احمد میں اس کے یہ الفاظ ہیں:

خير صفوف الرجال المقدم و شرها الموخر و شر صفوف النساء المقدم و خيرها المؤخر۔

''مردوں کی سب سے عمدہ صف اگلی ہوتی ہے اور سب سے بری پچھلی ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی سب سے بری صف پہلی اور سب سے اچھی پچھلی ہوتی ہے۔''

حدیث کی تشریح میں اس کی حکمت یہی بیان کی گئی ہے کہ مسلمان معاشرے میں مردوں اور عورتوں کو باہمی اختلاط سے بچایا جاسکے:

و انما فضل آخر صفوف النساء الحاضرات مع الرجال لبعدهن من مخالطة الرجال و رؤيتهم و تعلق القلب بهم عند رؤية حركاتهم و سماع كلامهم و نحو ذلك و ذم اول صفوفهن لعكس ذلك والله اعلم۔ (۲)

''مردوں کے ساتھ مسجد میں آنے والی عورتوں کی آخری صف کی فضیلت کی صاف وجہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الصلاۃ، باب تسوية الصفوف و اقامتها و فضل الاول فالاول منها والازدحام على الصف الاول والمسابقة اليها و تقديم اولى الفضل و تقريبهم من الامام۔

(۲) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۲، ۴/ ۱۵۹-۱۶۰، طبع جدید دار الریان للتراث القاهرہ، طبعہ اولیٰ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

ہے کہ اس صورت میں ان کا مردوں سے میل جول نہیں ہوگا اور وہ ان کو دیکھنے سے دور رہیں گی۔ اور اس طرح ان کی حرکات وسکنات اور ان کی بات چیت سننے وغیرہ کی وجہ سے ان کا دل ان سے نہیں لگے گا۔ عورتوں کی پہلی صف کی مذمت اس کے برعکس سبب سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔"

جماعت کی نماز میں صف کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے مرد، پھر بچے اور سب سے آخر میں عورتیں ہوں گی۔[1] بچے نہ ہوں اور جماعت میں امام کے علاوہ ایک یا ایک سے زائد مرد ہوں یا صرف ایک عورت ہو جب بھی کسی کے اختلاف کے بغیر ہر حال میں امام سے پیچھے اکیلی الگ صف میں کھڑی ہوگی۔[2] صحیح بخاری کے مطابق یہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے گھر کا واقعہ ہے جہاں آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نفل نماز باجماعت پڑھائی۔ اس میں آپ ﷺ کے پیچھے حضرت انسؓ اور ان کے گھر کے ایک یتیم کھڑے ہوئے اور ان دونوں کے پیچھے حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ اکیلے تنہا کھڑی ہوئیں۔ چناں چہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس پر یہی باب باندھا ہے:

باب المرأة وحدها تكون صفا۔(۳)

"اس کا باب کہ عورت اکیلے ہو تب بھی اس کی صف الگ بنے گی۔"

روایت کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

فيه ان المرأة لا تصف مع الرجال، واصله ما يخشى من الافتتان بها۔(۴)

"اس سے نکلتا ہے کہ عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مرد فتنہ میں پڑسکتا ہے۔"

---

(۱) ہدایہ: ۱/ ۱۰۳، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔
(۲) بدایۃ المجتہد: ۱/ ۱۴۸، دار المعرفۃ، بیروت، طبعہ سادسہ ۱۴۰۳ - ۱۹۸۳ھ۔
(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الاذان، باب مذکور۔ صحیح مسلم جلد ۱۔ كتاب الصلوٰة، باب جواز الجماعة فی النافلة والصلاة على حصير و خمرة و ثوب وغيرها من الطاهرات۔
(۴) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، مع البخاری: ۲/ ۲۱۲، طبع جدید، توزیع: دار الباز بمكة۔ مطبوعة دار المعرفة، بیروت۔

دوسرے موقع پر بھی اس روایت کے حوالہ سے ایسا ہی کہا گیا ہے:

و فيه ان المرأة تقف خلف الرجال و انها اذا لم يكن معها امرأة اخرىٰ تقف وحدها متأخرة۔ (۱)

''اس سے نکلتا ہے کہ عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہوگی اور اگر اس کے ساتھ دوسری عورت نہ ہوئی تو وہ سب سے پیچھے تنہا کھڑی ہوگی۔''

معاصر دنیا کے مخلوط معاشرے کا فیشن تو یہ ہے کہ عورت گھر سے باہر پوری تڑک بھڑک، چمکیلے لباس، گہرے میک اپ اور طرح طرح کے پاؤڈر اور سنٹ لگا کر نکلتی ہے، جس سے بسا اوقات مسلمان معاشرے کی خواتین کا استثناء نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی احتیاط کا عالم ہے کہ نماز کے لیے مسجد جاتے ہوئے بھی عورت کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ سادہ اور بوسیدہ لباس میں نکلے۔ اور خوش بو اور عطر سے پوری طرح یہ پرہیز کرے، جس سے کہ اجنبی مردوں کی اس کی طرف توجہ ہونے کا کم سے کم امکان رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تمنعوا اماء اللّٰه مساجد اللّٰه ولكن ليخرجن وهن تفلات۔ (۲)

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔ لیکن وہ اس کے لیے نکلیں تو تیل خوش بو کے بغیر نکلیں۔''

اسی سلسلے میں آپ ﷺ کا مزید کہنا ہے:

اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيبا۔ (۳)

''جب تم میں سے کوئی مسجد جانے کا ارادہ کرے تو خوش بو نہ لگائے۔''

نیز یہ کہ:

---

(۱) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۲: ۵/ ۱۶۳، دار الریان التراث، محولہ بالا۔

(۲) سنن ابو داؤد جلد ۱۔ کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد۔ نیز ملاحظہ ہو مصنف عبد الرزاق: ۳/ ۱۵۱، محولہ بالا۔

(۳) صحیح المسلم جلد ۱۔ کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ وانها لا تخرج مطیبۃ۔ سنن ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب طیب المرأۃ للخروج۔

ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة۔ (۱)

''جس عورت نے بھی خوشبو کی دھونی لے رکھی ہو تو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔''

اذا شهدت احداكن العشاء فلا تطيب تلك الليلة۔ (۲)

''جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں آنے کا ارادہ کرے تو اس رات کو خوشبو نہ لگائے۔''

اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کی عورتوں کی مسجد میں جانے کی اجازت سے متعلق جو مطلق حدیث ہے:

لا تمنعوا اماء اللّٰه مساجد اللّٰه۔ (۳)

''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔''

اس کی تشریح میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ اجازت جن بہت سی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجد میں اس کا جانا اس طرح سے ہونا چاہیے کہ راستے میں مردوں سے اس کا اختلاط نہ ہو:

و هو ان لا تكون متطيبة ولا متزنية ولا ذات فلا خل يسمع صوتها ولا ثياب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولاشابة و نحوها ممن يفتتن بها۔ (۴)

''(عورت کی مسجد میں جانے کی شرطوں میں سے ہے کہ) وہ خوش بو لگائے ہوئے نہ ہو، سجی دھجی نہ ہو، ایسا پازیب نہ پہنے ہو جس کی آواز سنائی دیتی ہو، قیمتی اور بھڑکیلے لباس نہ پہنے ہو، مردوں کے ساتھ مل کر نہ جائے، نہ وہ جوان ہو، نیز اسی طرح کی دوسری چیزیں جن سے کہ فتنے کا اندیشہ ہو۔''

یہاں تک کہ مسجد میں جانے کے لیے عورتوں کا دروازہ بھی مردوں سے الگ ہونا

(۱،۲) صحیح المسلم جلد ۱۔ کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ وانھا لاتخرج مطیبۃ ۔سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب طیب المرأۃ للخروج۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد۔

(۴) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۲: ۴/ ۱۶۱، ۱۶۲۔ طبع جدید قاہرہ، محولہ بالا۔

چاہیے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنے زمانہ میں مسجد نبویؐ کے سلسلے میں اس کی خواہش ظاہر کی کہ اس کے ایک دروازے کو عورتوں کے لیے خاص کر دیا جائے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عمرؓ آخر وقت تک اس دروازے سے مسجد نبویؐ میں داخل نہیں ہوئے۔(۱) اسی موقع پر حضرت نافعؒ کی روایت سے یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو مسجد نبویؐ میں عورتوں کے مخصوص دروازے سے اندر جانے کو منع کیا کرتے تھے۔(۲)

عید اور بقر عید میں عورتوں کی مردوں سے دوری

اسی طرح عید اور بقر عید کے موقع پر نبی ﷺ کی سنت اور اس سے متعلق روایات کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعت و عبادت کے اس موقع پر بھی عورتیں مردوں سے دور رہتی تھیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں عید اور بقر عید کے موقع پر عورتیں عید گاہ تک جاتی اور دوگانہ کی نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ لیکن نماز کے لیے نکلنے سے لے کر نماز کے بعد خطبہ سننے سے فارغ ہونے تک ہر مرحلے میں عورتیں مردوں سے الگ رہتی تھیں۔ چناں چہ اس سلسلے کی احادیث جن میں بزرگ اور عمر رسیدہ خواتین کے ساتھ جوان اور بالغ لڑکیوں/عورتوں کے لیے بھی نبی ﷺ کی طرف سے عید اور بقر عید میں عید گاہ جانے کا حکم ہے اس پر امام مسلم کی طرف سے یہی باب باندھا گیا ہے:

ذکر اباحة خروج النساء فی العیدین الی المصلی و شهود الخطبة مفارقات للرجال۔ (۳)

"اس کا باب کہ عورتوں کے لیے عید بقر عید میں عید گاہ جانا اور امام کا خطبہ سننا جائز ہے، بہ شرطے کہ وہ مردوں سے دور اور ان سے الگ رہیں۔"

اسی موقع پر اس کی بھی تفصیل ہے کہ جو عورتیں/لڑکیاں حیض کی حالت میں ہوں وہ بھی عید گاہ ضرور جائیں البتہ وہ نماز کی جگہ سے قدرے فاصلہ پر قیام کریں۔ چناں چہ اس باب کی

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ا۔ کتاب الصلوٰۃ، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال، نیز اسی کتاب کا اس سے آگے باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد سے آگے کا باب "باب التشدید فی ذلک" ان دونوں ہی موقعوں پر صاحب سنن امام ابوداؤد نے حضرت عمرؓ والی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔)

(۲) (سنن ابوداؤد جلد ا۔ کتاب الصلوٰۃ، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال۔)

(۳) (صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب العیدین، باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین الخ محولہ بالا۔)

پہلی روایت کا آخری حصہ ہے:

وامر الحُيَّض ان يعتزلن مصلى المسلمين۔ (۱)

"اور آپ ﷺ نے حیض والی عورتوں/لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ عیدگاہ سے فاصلہ پر رہیں۔"

اس کی حکمت بھی یہی بیان کی گئی ہے کہ:

و سببه الصيانة والاقراز من مقارنة النساء للرجال من غير حاجة ولا صلوٰة۔ (۲)

"اس کی وجہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور نماز کے بغیر عورتوں کو مردوں سے بچایا جائے اور ان کو ان سے ملنے سے باز رکھا جائے۔"

حیض کے عذر سے یہ عورتیں جماعت میں تو شریک نہ ہوں گی۔ لیکن اس سے ہٹ کر وہ مردوں کے ساتھ تکبیر اور دعا میں شریک رہیں گی۔ چناں چہ اسی موقع پر صحیح مسلم میں آ گے ہے:

الحُيَّض يخرجن فيكن خلف الناس يكبرن مع الناس۔ (۳)

"حیض والی عورتیں/لڑکیاں عیدگاہ جائیں گی تو مردوں کے پیچھے رہیں گی اور تکبیر میں مردوں کے ساتھ شریک رہیں گی۔"

صحیح بخاری کے الفاظ سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

فاما الحُيَّض فيشهدن جماعة المسلمين و دعوتهم و يعتزلن مصلاهم۔ (۴)

"رہیں حیض والی عورتیں/لڑکیاں تو وہ مردوں کی جماعت اور ان کی دعا میں تو شامل رہیں گی، البتہ وہ عیدگاہ سے دور رہیں گی۔"

---

(۱) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔ نیز: صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب العیدین، باب خروج النساء والحيّض الى المصلى۔ نیز اسی کتاب کا اس سے آگے کا باب۔

(۲) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۲: ۶/۱۷۹، طبع جدید محولہ بالا۔ باب اعتزال الحيّض المصلى۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب صلاۃ العیدین، باب ذکر اباحة خروج النساء في العيدين الى المصلى و شهود الخطبة مفارقات للرجال۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب العیدین، باب اعتزال الحيّض المصلّى۔

اس موقع کی روایات میں اس کا بار بار تذکرہ ہے کہ نماز کے بعد خطبہ کے وقت مردوں کو نصیحت کرنے کے بعد جب آپ ﷺ نے عورتوں کو نصیحت کرنی چاہی تو آپ ﷺ کو قصد کر کے ان کے پاس آنا پڑا۔ امام مسلم نے اپنے دستور کے مطابق ان تمام روایات کو ایک باب کے تحت جمع کر دیا ہے۔ اس کے متعلقہ حصے ہیں:

...فنزل نبی اللّٰہ ﷺ ...یجلّس الرجال بیدہ ثم اقبل یشقھم حتی جاء النساء۔(۱)

"...تو اللہ کے نبی ﷺ نیچے اترے...آپ ﷺ اپنے ہاتھ کے اشارہ سے مردوں کو بٹھاتے جاتے پھر آپ ﷺ ان کو پھاڑتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس پہنچے۔"

...ثم خطب فرأی انہ لم یسمع النساء فاتاھن فذکرھن ووعظھن۔(۲)

"پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، لیکن آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ عورتوں تک آپؐ کی بات نہیں پہنچ سکی ہے تو آپ ﷺ ان کے قریب آئے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی وعظ و نصیحت سے مستفید کیا۔"

...ثم خطب الناس فلما فرغ نبی اللّٰہ ﷺ نزل و اتی النساء فذکرھن۔(۳)

"...پھر آپ ﷺ نے مردوں کے درمیان اپنا خطبہ دیا تو اللہ کے نبی ﷺ جب اس سے فارغ ہوئے تو نیچے اترے اور عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو نصیحت کی۔"

...ووعظ الناس و ذکرھم ثم مضٰی حتی اتی النساء فوعظھن و ذکرھن۔(۴)

(۱، ۲، ۳، ۴) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب صلاۃ العیدین۔ نیز اسی کتاب کا اس سے قبل کا باب: باب خروج النساء والحیّض الی المصلی۔

"اور آپ ﷺ نے مردوں کو نصیحت کی اور ان کی تذکیر فرمائی پھر آپ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے پھر ان کو نصیحت کی اور ان کی تذکیر کی۔"

صحیح بخاری میں بھی یہ روایات اپنی ترجیحات کے ساتھ موجود ہیں، جس کے لیے انھوں نے اپنے الگ تراجم ابواب قائم کیے ہیں، جو تفقہ فی الحدیث کے ان کے بلند ترین مرتبے کے شاہد عدل ہیں:

فلما فرغ نبی اللہ ﷺ نزل فاتی النساء فذکرھن۔(۱)

"تو جب اللہ کے نبی ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو نیچے اترے پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور ان کی تذکیر کی۔"

...ثم اتی النساء و معہ بلال فامرھن بالصدقۃ۔(۲)

"...پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے۔ تو آپ ﷺ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔"

...ثم اتی النساء و معہ بلال فوعظھن و ذکرھن و امرھن بالصدقۃ۔ (۳)

"...پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے تو آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی اور ان کی تذکیر کی اور انھیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔"

...ثم اقبل لیشقھم حتی جاء النساء معہ بلال۔ (۴)

"...پھر آپ ﷺ مردوں کو پھاڑتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے۔"

---

(۱) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب العیدین، باب المشی والرکوب الی العید بغیر اذان والاقامۃ۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب مذکور، باب الخطبۃ بعد العید۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب مذکور، باب العلم الذی بالمصلی۔

(۴) صحیح بخاری، کتاب مذکور، باب موعظۃ الامام النساء یوم العید۔

اس موقع پر اپنی سہولت اور مدد کے مقصد سے آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اپنے ساتھ لے رکھا تھا۔ اور خواتین کو نصیحت میں آپ ﷺ کا خاص زور راہ خدا میں صدقہ اور خیرات کا تھا۔ جس کے جواب میں انھوں نے اپنی انگوٹھیوں (خاتم، فتخ) بالیوں (خرص، قرط) اور ہاروں (سخاب) سے اس مقصد سے حضرت بلالؓ کی پھیلائی ہوئی چادر کو بھر دیا۔(۱)

اس مضمون کی روایات سے حاصل ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل کرتے ہوئے علاوہ دیگر باتوں کے ایک بات علامہ نووی یہ کہتے ہیں کہ:

و فيه ان النساء اذا حضرن صلاة الرجال و مجامعهم يكن بمعزل عنهم خوفا من فتنة او نظرة او فكر و نحوه.(۲)

''اس سے نکلتا ہے کہ عورتیں جب مردوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھیں یا ان کے ساتھ کسی اور مجمع میں شامل ہوں تو وہ ان سے الگ اور دور رہیں گی تاکہ وہ کسی فتنہ میں نہ پڑیں اور ان کی نظر مردوں پر نہ پڑے اور وہ ان کے بارے میں سوچنے وغیرہ سے باز رہ سکیں۔''

اسی طرح حافظ ابن حجر ان احادیث کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے ایک فائدہ یہی بتاتے ہیں:

و فى هذا الحديث من الفوائد... و يستحب حثهن على الصدقة و تخصيصهن بذلک فى مجلس منفرد۔(۳)

''اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں... اور اسی میں ہے کہ عورتوں کو صدقہ و خیرات کے لیے ترغیب دی جائے البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے اس مقصد سے الگ مجلس کا اہتمام کیا جائے۔''

اسی طرح اوپر:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب العیدین، ابواب بالا، نیز صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب صلاۃ العیدین۔

(۲) شرح نووی للمسلم جلد ۲: ۶/ ۱۷۲ محولہ بالا۔

(۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۲/ ۴۶۸ محولہ صدر۔

ثم اتی النساء۔(۱)

''پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لائے۔''

کی تشریح میں حافظ موصوف لکھتے ہیں:

یشعر بان النساء کن علیٰ حدة من الرجال غیر مختلطات بھم۔(۲)

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں سے دور تھیں۔ وہ ان کے ساتھ گھلی ملی ہوئی نہیں تھیں۔''

اوپر کی روایات میں ایک سے زائد بار اس کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی مدد اور اعانت کے مقصد سے حضرت بلالؓ آپ کے ساتھ تھے (و معه بلال) اس کی توجیہ میں بھی اسی نکتے کا ذکر ہے:

فیه ان الادب فی مخاطبة النساء فی الموعظة او الحکم ان لا یحضر من الرجال الا من تدعو الحاجة الیه من شاھد و نحوه، لان بلالا کان خادم النبی ﷺ و متولی قبض الصدقة۔(۳)

''اس سے وعظ و نصیحت یا عدالتی فیصلے میں عورتوں کے ساتھ گفتگو کا یہ ادب سامنے آتا ہے کہ ان مواقع پر گواہ وغیرہ مردوں میں سے بس وہی رہے جس کی کہ ضرورت ہو۔ اس لیے کہ حضرت بلالؓ نبی ﷺ کے خادم اور آپ ﷺ کی طرف سے صدقہ وصول کرنے کے ذمہ دار تھے۔ (اسی ضرورت سے وہ اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے)۔''

اسی طرح اس موقع پر کم سن صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی آپ ﷺ کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب العیدین، باب العلم الذی بالمصلی۔

(۲) فتح الباری: ۲/۴۶۶۔

(۳) فتح الباری، حوالہ مذکور۔

ساتھ تھے۔ روایت میں اس کی وجہ وہ تو وہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ وہ عورتوں کے مجمع کے پاس صرف اس لیے جا سکے کہ:

ولولا مکانی من الصغر ما شھدته۔ (۱)

”اگر میں بہت چھوٹا نہ ہوتا تو اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوتا۔“

اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر کا بھی یہی کہنا ہے:

و اما ابن عباس فقد تقدم ان ذلک اغتفر له بسبب صغرہ۔ (۲)

”جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا سوال ہے، ان کے سلسلے میں بات آ چکی ہے کہ ان کے لیے اس موقع پر موجودگی کی چھوٹ ان کی کم سنی کی وجہ سے دے دی گئی تھی۔“

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظمؓ حج کے موقع پر حرم کے اندر بھی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا سختی سے اہتمام کرتے تھے۔(۳)

اجنبی مردوں اور عورتوں کے اختلاط کے سلسلے میں اسلام کی کہاں یہ حساسیت ہے۔ دوسری طرف امت کی بے حسی کا عالم ہے کہ مسلمان ملکوں کے بہت سے سربراہ اپنے غیر ملکی دوروں میں، دور حاضر کے فاسد عرف کی پیروی میں، میزبان ملک کے صدر/ وزیر اعظم کی بیوی کے پاس کھڑے ہو کر اور اپنی بیوی کو ان کے نزدیک رکھ کر فوٹو کھنچوانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ پڑوسی ملک پاکستان کے حوصلہ مند صدر مملکت جناب جنرل پرویز مشرف صاحب کا طرز عمل بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ وہاں کے دین دار طبقے کا اس سلسلے میں اب تک ہمیں کوئی رد عمل دیکھنے کو نہیں ملا۔ متعلق ملکوں کے مسلمان علماء و مصلحین اور ان کی دینی تنظیموں اور جماعتوں کو حکمت اور دل سوزی کے ساتھ اپنے سربراہوں کی اس غلطی کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے ہم ان مسلمان سربراہوں سے مثبت جواب اور مثبت رد عمل کی توقع رکھتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری، حوالہ سابق۔

(۲) فتح الباری، حوالہ بالا۔

(۳) ابن جوزی م ۵۹۷ھ: سیرۃ عمر بن الخطابؓ اول حاکم دیمقراطی فی الاسلام ص ۱۱۳، الدار القومیہ، مصر۔

تنہا سفر

اختلاط کے اسی فتنہ سے بچنے کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں عورت کے تنہا سفر کی ممانعت ہے۔ سفر کی نیت سے عورت گھر کے باہر قدم اسی صورت میں رکھ سکتی ہے جب کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو یا اس کی عدم موجودگی میں اس کا باپ، بیٹا اور بھائی یا اس جیسا اس کا دوسرا محرم رشتہ دار ہو، جس کا اس سے انتہائی احترام اور پاکیزگی کا رشتہ ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا ان سے شادی کا رشتہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوتا ہے۔ عورت کے لیے تنہا سفر کی یہ ممانعت مطلق ہے اور اس میں حج اور غیر حج کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ چناں چہ اس مضمون کی احادیث کے لیے امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی باب باندھا ہے:

باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔ (۱)

''اس کا باب کہ عورت حج یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا سفر کسی محرم کے ساتھ ہی کر سکتی ہے۔''

یہ سفر کتنی مسافت کا ہے جس میں کوئی عورت محرم کے بغیر تنہا گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، اللہ کے آخری رسول ﷺ سے اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ تین دن تین رات، تین رات اور اس سے اوپر، دو دن، ایک دن ایک رات، ایک رات، ایک دن، اس سب کی روایت آپ ﷺ سے اس سلسلے میں موجود ہے جس میں کوئی عورت اپنے باپ، بیٹے، شوہر، بھائی یا ایسے ہی کسی دوسرے محرم کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکل سکتی (۲)

البتہ فقہ حنفی میں تین دن تین رات اور اس سے اوپر والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے عورت کے لیے اجازت دی گئی ہے کہ وہ حج اور غیر حج ہر ایک کے لیے اس سے کم مدت کے سفر میں محرم کے بغیر گھر سے باہر نکل سکتی ہے (۳) لیکن نبی ﷺ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں عورت کے لیے محرم کے بغیر چھوٹے بڑے کسی طرح کے سفر میں گھر سے باہر قدم

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الحج، باب مذکور۔

(۲) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

(۳) ہدایہ: ۱/ ۲۱۳، ۴/ ۴۴۶۔

رکھنے کی ممانعت ہے۔ جس طرح کہ محرم کے بغیر کسی بھی اجنبی مرد کے ساتھ عورت کی تنہائی نہیں ہوسکتی ہے:

لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم، ولا یدخل علیها رجل الا و معها محرم۔ (۱)

''عورت کسی طرح کا سفر محرم کے ساتھ ہی کر سکتی ہے نیز یہ کہ اس کے پاس کوئی اجنبی مرد اسی وقت آ سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو۔''

اور اس کی اس درجہ تاکید ہے کہ اس کو راہ خدا میں جنگ اور جہاد پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ چناں چہ اس موقع پر ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ میں فلانے اور فلانے لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے نکلنے کا عزم رکھتا ہوں اور میری بیوی حج کا ارادہ کر چکی ہے۔ تو اس صورت میں میں کیا کروں، وہ تنہا حج کو جائے اور میں جنگ کے لیے نکل جاؤں یا میں جنگ کو چھوڑ دوں اور اس کو ساتھ لے کر حج کے لیے جاؤں۔ اس پر آپ ﷺ نے اسی دوسری بات کے حق میں اپنی رائے دی:

فقال رجل یا رسول اللّٰه انی ارید ان اخرج فی جیش کذا و کذا وامرأتی ترید الحج۔ فقال: اخرج معها۔ (۲)

''تو ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں فلاں اور فلاں لشکر کے ساتھ نکلنا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کو جانا چاہتی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کے ساتھ جاؤ۔''

اسی کی بنیاد پر شارح صحیح مسلم امام نووی شافعی کا کہنا ہے کہ:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب جزاء الصید، باب حج النساء۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔ محولہ بالا۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب جزاء الصید، باب حج النساء۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔

فالحاصل ان کل ما یسمی سفرا تنھٰی عنه المرأة بغیر زوج او محرم سواء کان ثلاثة ایام او یومین او یوما او بریدا او غیر ذٰلک... لا تسافر امرأة الا مع ذی محرم و ھٰذا یتناول جمیع ما یسمی سفرا واللہ اعلم۔(۱)

''حاصل کلام یہ کہ جس چیز کو بھی سفر کہا جا سکے عورت کو روکا جائے گا کہ وہ اس میں شوہر یا محرم کے بغیر نہ جائے چاہے یہ سفر تین دن کا، دو دن کا یا ایک دن کا ہو۔ یا ایک برید یا اس سے کم اور زیادہ ہی کیوں نہ ہو... عورت ہر حال میں کسی محرم کی معیت میں ہی سفر کر سکتی ہے، اور اس میں ہر وہ سفر شامل ہے جس کو سفر کہا جا سکے۔ واللہ اعلم۔''

مشہور مالکی فقیہ باجی کی رائے ہے کہ تنہا سفر کی یہ ممانعت جوان عورت کے لیے ہے، بوڑھی اور عمر رسیدہ عورت کا معاملہ اس سے مختلف ہے:

قال الباجی ھٰذا عندی فی الشابة و اما الکبیرة غیر المشتھاة فتسافر کیف شاء ت فی کل الاسفار بلا زوج ولا محرم۔ (۲)

''علامہ باجی کا کہنا ہے کہ یہ حکم میرے نزدیک جوان عورت سے متعلق ہے۔ رہی سن رسیدہ عورت جواب پر کشش نہ رہ گئی ہو تو وہ شوہر اور محرم کے بغیر جیسا اور جس طرح کا سفر چاہے کر سکتی ہے۔''

لیکن امام نووی اس رائے کے ناقد ہیں۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

و ھٰذا الذی قاله الباجی لا یوافق علیه لان المرأة مظنة الطمع فیھا و مظنة الشھوة ولو کانت کبیرة و قد قالوا لکل ساقطة لاقطة و یجتمع فی الاسفار من سفھاء النٰس وسقطھم من لا یرتفع عن الفاحشة بالعجوز وغیرھا

---

(۱) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۳: ۹/ ۱۰۳-۱۰۴۔ طبع جدید محولہ بالا۔

(۲) نووی جلد ۳: ۹/ ۱۰۴ محولہ بالا۔

لغلبة شهوته وقله دينه و مروئته و خيانته و نحو ذٰلک والله اعلم۔ (۱)

’’یہ بات جو علامہ باجی نے کہی ہے اس کی تائید نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ عورت ایسی چیز ہے جس سے مرد کی لالچ اور خواہش کبھی نہیں اٹھ سکتی ہے چاہے وہ عمر رسیدہ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ کہنے والوں کا کہنا ہے کہ ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا مل جاتا ہے۔ سفر میں ایسے نادان اور گھٹیا لوگ مل جاتے ہیں جو بوڑھیا غیر بوڑھیا کسی سے بدکاری کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ ایسے لوگوں پر جنسی خواہش کا غلبہ ہوتا ہے، دین داری اور شرافت برائے نام ہوتی ہے اور غداری اور خیانت کاری ان کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے (تو ایسے لوگوں سے کچھ بعید نہیں ہے)۔ واللہ اعلم۔‘‘

یہاں تک کہ محرم رشتوں میں بھی مصلحت کے تقاضے سے تخصیص اور استثناء ہے۔ امام مالکؒ سوتیلے لڑکے کے ساتھ عورت کے تنہا سفر کو درست نہیں سمجھتے:

ووافق مالک علٰی ذلک کله الا ابن زوجها فکره سفرها معه لفساد الناس بعد العصر الاول ولان کثیرا من الناس لا ینفرون من زوجة الاب نفرتهم من محارم النسب قال والمرأة فتنة الا فیما جبل الله تعالٰی النفوس علیه من النفرة عن محارم النسب۔ (۲)

’’امام مالک کا اس سب سے اتفاق ہے سوائے (دوسری بیوی سے) شوہر کے لڑکے سے تو اس کے ساتھ عورت کے سفر کو وہ مکروہ مانتے ہیں اس لیے کہ صدر اول کے بعد لوگوں کا حال بہت خراب ہو گیا ہے۔ اور بہت سے لوگ ہیں جن کو دوسرے حرام رشتوں کے معاملے میں جو اجنبیت اور دوری ہوتی ہے اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے

---

(۱) نووی: ۹/ ۱۰۴-۱۰۵، بحوالہ صدر۔

(۲) نووی: ۹/ ۱۰۵۔ حوالہ بالا۔ نیز: فتح الباری شرح صحیح البخاری مع البخاری: ۴/ ۷۷، طبع جدید، دار المعرفۃ، بیروت۔

ان کو وہ دوری نہیں ہوتی ہے۔ اور عورت تمام تر فتنہ کی آماج گاہ ہے اس سے صرف ایک ہی استثناء ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں حرام رشتوں سے اجنبیت اور دوری پیدا کر دی ہے۔ اور وہ اس پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہتے ہیں۔''

اس طرح محرم مردوں میں سالی یعنی بیوی کی بہن، اس کی پھوپھی اور خالہ کے سلسلے میں بھی استثناء ہے۔ مرد کے لیے چوں کہ ان کی حرمت ابدی نہیں ہے۔ عورت کے طلاق یا اس کے انتقال کی صورت میں وہ اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ سے شادی کر سکتا ہے۔ صرف اس کی موجودگی میں وہ ان دونوں کو ایک ساتھ جمع نہیں کر سکتا ہے، اس لیے چوں کہ ان سے نکاح کی حرمت دائمی اور ابدی نہیں ہے اس لیے ان کا اس کے ساتھ تنہا سفر درست نہیں ہو سکتا ہے جس طرح کہ ان کے ساتھ اس کی تنہائی اور یکجائی نہیں ہو سکتی ہے اور وہ پردہ کی رخصتوں کے ساتھ ان کو دیکھ نہیں سکتا ہے[۱] محرم گنہ گار اور فاسق ہو جب بھی عورت اس کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی اور اس صورت میں اس کے اوپر حج کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر وہ مجوسی ہو تو اس کے ساتھ بھی وہ حج کے لیے نہیں نکل سکتی اس لیے کہ یہ لوگ محرمات کے ساتھ نکاح کے جواز کا عقیدہ رکھتے ہیں[۲]

تشبہ

اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی اسلام کی یہ کوشش اور اس کی یہ مہم اس وقت تک کام یابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جب تک معاشرہ میں عورت اور مرد کا الگ لباس، ان کی الگ وضع قطع اور ان کا الگ رنگ و آہنگ ممتاز نہ رہے۔ اگر اس کا پتہ ہی نہ چلے کہ گھر بازار، چوراہے اور اسٹیشن پر کون مرد ہے اور کون عورت تو کس بنیاد پر ان کو ایک دوسرے سے دور اور الگ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کی سخت ممانعت ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کی اور کوئی عورت کسی مرد کی کسی پہلو سے مشابہت اختیار کرے۔ چناں چہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے نبی ﷺ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

---

(۱) نووی، حوالہ سابق۔

(۲) ہدایہ: ابو [illegible] رشیدیہ دہلی۔

شر رجالکم الذی یتشبھون بنساء کم و شر نساء کم الذین یتشبھون برجالکم۔(۱)

''تمھارے سب سے برے مرد وہ ہیں جو تمھاری عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور تمھاری سب سے بری عورتیں وہ ہیں جو تمھارے مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔''

دوسرے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے:

لعن رسول اللہ ﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔(۲)

''اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔''

آپ ﷺ کے ان ارشادات میں وسعت ہے۔ مرد و عورت لباس، وضع قطع، چال ڈھال، بات چیت اور دیگر حرکات و سکنات وغیرہ جس معاملے میں بھی اپنی مخالف صنف کی مشابہت اور اس کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں، یہ ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ اس موقع پر بہ جا طور پر اس کی تشریح میں ایسا ہی کہا گیا ہے۔(۳) لیکن اس ممانعت کا غالب رجحان لباس اور وضع قطع کی طرف ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ کی طرف سے اس کی صراحت ہے:

لعن رسول اللہ ﷺ الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل۔(۴)

---

(۱) قاضی ابو یوسف م ۱۸۲ھ: کتاب الآثار ص ۲۱۴۔ لجنة احیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد الدکن، طبعہ اولیٰ ۱۳۵۵ھ۔ اس موقع پر حاشیہ میں کتاب کے مصحح اور تعلیق نگار کا یہ کہنا کہ اوپر کے صیغۂ مذکر کے بہ جائے درست ''و شر نسائکم اللاتی یتشبھن ہے''، کچھ وزن دار نہیں۔ قرآن و حدیث کے ذخیرے میں اس طرح کی مثالیں جا بجا موجود ہیں۔ اس لیے ہم نے اوپر اصل متن کو بحال رکھا ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب المتشبھون بالنساء والمتشبھات بالرجال۔ نیز: سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب لباس النساء۔

(۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۰/ ۳۳۲-۳۳۳، طبع جدید، بیروت۔

(۴) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب لباس النساء، محولہ بالا۔ مجیدی کان پور۔

"اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ایسے مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور ایسی عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔"

اس موقع پر حضرت عائشہؓ کے بیان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے عورت کو مرد کی طرح جوتے پہننے سے منع فرمایا:

عن ابی ملیکة قال قیل لعائشة ان امرأة تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ ﷺ الرجلة من النساء۔(۱)

"حضرت ابوملیکہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت ہے جو (مردوں کی طرح) جوتا پہنتی ہے۔ تو اس پر ان کا جواب تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے کہ عورت مردوں کا طور طریقہ اختیار کرے۔"

یوں تو اس مشابہت اور مماثلت کی ممانعت مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ مرد عورت بنیں، اس کے مقابلے عورتوں کے مرد بننے کا رجحان زیادہ ہے۔ جیسا کہ آج زمانہ میں بھی اس کا اسی طرح مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ نبی امی ﷺ کی چشم بینا نے آج سے چودہ سو سال قبل اس کی آگاہی دے دی تھی:

ثلاث لایدخلون الجنة ولا ینظر اللہ الیھم یوم القیامة... والمرأة المرجلة المتشبھة بالرجال۔(۲)

"تین طرح کے لوگ ہیں جو جنت میں جائیں گے، نہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر اپنی کرم کی نگاہ ڈالے گا... ان میں سے ایک وہ عورت جو (اپنے لباس، اور اپنے طور طریقے میں) مرد کی مشابہت اختیار کرے۔"

اس کی بنیاد پر فقہ میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

و ان لبست المرأة عمامة لم یجز المسح علیھا لما ذکرنا من التشبه بالرجال فکانت محرمة فی حقھا۔(۳)

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب لباس النساء، بحولہ بالا۔ مجیدی کان پور۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱۳۴، میمنیہ، مصر۔

(۳) المغنی لابن قدامہ: ۱/ ۳۰۴، مکتبة الجمهوریة العربیة، مصر۔

”اور اگر عورت عمامہ باندھے تو اس کے لیے اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہوگا اس لیے کہ اس سے مردوں کی مشابہت پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ اس کا تذکرہ آچکا ہے، تو ایسا کرنا اس کے حق میں حرام ہوگا۔“

اسی طرح کسی ملک اور علاقے میں اگر عام طور پر مردوں اور عورتوں کا لباس ایک جیسا ہو اور ان کے درمیان کوئی خاص فرق نہ پایا جاتا ہو تو برقعے، حجاب اور اسکارف کے ذریعہ ان دونوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔(۱)

اس کی بنیاد پر عورت کے مخصوص لباس ساڑی بلاؤز، شلوار جمپر، اسکرٹ بلاؤز وغیرہ کے علاوہ، آج کے زمانہ کے مرد و عورت کے مشترک لباس شلوار کرتا اور جینس اور شرٹ وغیرہ مشرق مغرب اور شمال جنوب کے ہر ایسے لباس میں، اس کے سلسلے میں شریعت کی اصل ترجیح کہ اسے زیادہ سے زیادہ ڈھیلا ڈھالا اور ساتر ہونا چاہیے، اس کے علاوہ خاص طور پر اس کی کٹنگ اور اسٹائل کو ہر حال میں مردوں سے الگ رکھنا ہوگا۔(۲)

اسی طرح شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر وہ اپنے بالوں کے پل جھڑواتی یا آج کے زمانہ کے کسی اور طریقے سے اس کی آرائش کرتی ہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے لیکن بہ ہر صورت اسے اپنے بال کو مردوں سے الگ رکھنا ہوگا۔ پوری طرح سے بوائے کٹ بال کی اس کو ہرگز ہرگز اجازت نہ ہوگی۔(۳)

اس سلسلے میں صرف ایک استثناء پیدائشی ہجڑوں کا ہے۔ جو خلقی طور پر عورت کے لباس، ان کے طرز گفتگو اور ان کی دیگر حرکات و سکنات کی پیروی کے لیے اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری: ۱/ ۳۳۲، حوالہ بالا۔

(۲) ساتر ساڑی بلاؤز کی طرح مسلمان عورت ایسے ہی ساتر اسکرٹ بلاؤز اور جینس اور شرٹ بھی پہن سکتی ہے۔ اس معاملے میں کسی شخص کو اپنے ذاتی ذوق و رجحان کو شریعت کے اوپر نہیں رکھنا چاہیے۔

(۳) آپ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہراتؓ نے اپنے بال چھوٹے کرائے تھے اور یہ چیز ان کے معمولات میں شامل ہوگئی تھی۔ صحیح مسلم: ۱/ ۱۷۶، عامرہ، مصر۔ جس کی بنیاد پر حدیث کے شارحین نے عورت کے لیے اپنے بالوں کو چھوٹا کرنے کی گنجائش رکھی ہے: و فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور النساء۔ نووی مسلم جلد ۲: ۴/ ۵، طبع جدید دار الریان للتراث، القاہرہ۔ یہاں صرف اسی قدر پیش نظر مضمون 'بیوٹی پارلر اور اسلام' میں ان شاء اللہ ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ و باللہ التوفیق۔

تو یہ مجبور ہیں اور اس دائرے میں ان کے اوپر شریعت کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے[1] اگر چہ اس صورت میں بھی ان سے کہا جائے گا کہ وہ عورتوں کی طرح سے چلنے اور ان کی طرح سے لوچ اور لچک دکھانے سے اپنے کو آہستہ آہستہ دور کریں[2] اس کے برعکس وہ ہجڑا 'مخنث' جو پیدائشی طور پر عورتوں سے قریب تر نہ ہو لیکن وہ بہ تکلف عورتوں کے اخلاق و عادات، ان کی حرکات وسکنات، ان کے اسٹائل، ان کی گفتگو اور ان کے لباس کی نقل اتارنے کی کوشش کرے اور اگر چہ وہ ان حرکتوں سے اپنے کو دور کر سکتا ہو لیکن وہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ دے تو شریعت میں مردوں کے عورتوں اور عورتوں کی مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کی جو مذمت ہے وہ اس کا مصداق ہوگا[3] اور ایسے ہجڑوں کو شرفاء کی آبادیوں سے دور رکھا جائے گا۔ ذیل کی حدیث میں نبی ﷺ کی لعنت کے مصداق ایسے ہی ہجڑے ہیں، جو بہ تکلف مردوں یا عورتوں کا لباس اور ان کے طور طریقوں کو اختیار کرنے کی کوشش کریں:

لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء و قال: اخرجوھم من بیوتکم۔(۴)

"نبی ﷺ نے ایسے مرد نما ہجڑوں پر لعنت کی ہے جو لباس اور دوسرے طور طریقوں میں عورتوں کی نقل کریں اسی طرح عورت نما ہجڑنوں پر لعنت کی ہے جو لباس اور دیگر معاملات میں مردوں کی نقل اتاریں۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔"

چناں چہ اس طرح کا مرد سے قریب تر ہجڑا اگر عورتوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگائے گا تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا اور نہ ماننے پر آبادی سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک ایسے ہی ہجڑے کو لایا گیا جو اس طرح عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا تھا تو آپ ﷺ کے حکم سے اس کو مدینہ سے باہر 'نقیع' کی طرف نکال دیا

---

(۱) شرح نووی للمسلم جلد ۵: ۱۴/ ۱۶۴۔

(۲) فتح الباری: ۱۰/ ۳۳۲۔

(۳) نووی شرح مسلم: ۱۴/ ۱۶۴ محولہ بالا۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب اللباس، باب اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت۔

گیا۔[1] دوسرے موقع پر لوگوں کی طرف سے اس کے لیے اس سے اوپر کی سزا کا مطالبہ کیا گیا کہ آپ ﷺ اس کے قتل کا حکم صادر فرمادیں۔ اس پر آپ ﷺ کا جواب تھا کہ:

انی نہیت عن قتل المصلین۔[2]

''مجھ کو نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔''

تشبہ کی بدترین صورت

تشبہ کی بدترین صورت ہے کہ کوئی عورت دواؤں کے ذریعہ ہارمونس کی تبدیلی اور آگے سرجری کے ذریعہ اعضاء رئیسہ کی تبدیلی کے ساتھ عملاً مرد بن جائے۔ یا اسی عمل سے گزر کر کوئی مرد عورت کی صورت اختیار کرلے۔ جیسا کہ اس وقت معاصر دنیا میں اس کا عام رواج ہو چلا ہے۔ اور مذہب اور مذہبیت میں اپنی جڑیں گہری رکھنے والا ہمارا رشیوں اور منیوں کا یہ ملک اب اس سے بالکل اچھوتا نہیں رہ گیا ہے۔ جب کہ دنیا کے بعض ملکوں میں لڑکوں کو باقاعدہ لڑکیوں میں تبدیل کرکے ہوٹلوں میں ان سے بدکاری کا پیشہ کرایا جاتا ہے۔ اصطلاح میں اس کے لیے Transexual کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اوپر حدیث میں مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی مشابہت اور مشاکلت اختیار کرنے کی ممانعت کی جو تعلیم ہے، اس میں شامل ہونے کے ساتھ جراحی کے اس عمل میں اللہ کی بناوٹ کی تبدیلی 'تغییر خلق اللہ' کی دوسری برائی بھی شامل ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ بتوں کے نام پر بعض جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے تو بہ طور علامت کے ان کے کان چیر دیتے تھے۔ قرآن نے شرک کی گندگی کے علاوہ اس عمل کو اللہ کی قرار دی ہوئی بناوٹ میں تبدیلی بتاتے ہوئے اس کی صاف طور پر ممانعت کا حکم دیا۔ قرآن کے مطابق یہ شیطان کی بڑی چال ہے جس میں وہ انسانوں کو پھنسانا چاہتا ہے:

---

(۱) فتح الباری: ۹/ ۳۳۵ نیز: فتح الباری: ۱۲/ ۱۶۰، بہ حوالہ ابوداؤد۔

(۲) فتح الباری: ۹/ ۳۳۵۔ اسلام کے لحاظ سے 'ہجڑوں کے احکام و مسائل' پر الگ مستقل کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے حدیث و فقہ کے ذخیرہ میں اس پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ مرتب ہوکر سامنے آسکے تو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے لیے بھی یہ بڑی پرکشش ہوسکتی ہے۔ اس کی روشنی میں آخری محمدی شریعت کی وسعت و جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

......وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ط (النساء:۱۱۹)

"...اور (شیطان نے کہا کہ) میں ضرور انسانوں کو پٹی پڑھاؤں گا تو وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے اور میں انھیں پٹی پڑھاؤں گا تو وہ (اس طرح) اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے۔"

تو جب قرآن میں 'تغییر خلق اللہ' کی اس درجہ کی صورت کی یہ ممانعت ہے تو اس کی اس سے بڑی اور باریک دوسری صورتوں کے سلسلے میں اس کے ذوق اور رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی روشنی میں زیر نظر مضمون کی رعایت سے خواتین کے لیے بناؤ سنگار کی وہ تمام صورتیں ممنوع ہیں جو انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی بناوٹ میں تبدیلی کا ذریعہ بنتی ہوں۔ آج کے زمانہ کی طرح ابتداء اسلام میں بھی اس کی بہت سی صورتیں معروف تھیں۔ عورتیں اپنے کم بالوں کو زیادہ دکھانے اور انھیں گھنا کرنے کے مقصد سے انسانی بالوں اور دوسری طرح کے مختلف جوڑے استعمال کرتی تھیں۔ خوب صورتی بڑھانے کے لیے چہرے اور پیشانی کے روؤں کو صاف کرانے کے ساتھ اپنے بھوؤں کو باریک کرتی تھیں۔ اسی طرح حسن میں اضافے یا اپنی عمر کم دکھانے کے لیے ریتی سے گھسا کر اپنے دانتوں کو باریک کراتی تھیں(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بناوٹی حسن کی ان تمام صورتوں کو 'تغییر خلق اللہ' میں شامل کرتے ہوئے نبی ﷺ کے حوالے سے ممنوع قرار دیا اور ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا۔ اس روایت کو ایک طرح سے اوپر کی آیت کریمہ کی تشریح اور تفسیر کہا جاسکتا ہے۔

لعن اللّٰہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللّٰہ تعالیٰ، ما لی لا العن من لعن النبی ﷺ و ھو فی کتاب اللّٰہ: وما اٰتاکم الرسول فخذوہ الیٰ: فانتھوا۔(۲)

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری مع البخاری: ۱۰/ ۳۷۲-۳۸۰ طبع جدید دار المعرفۃ، بیروت۔ شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۵: ۱۴/ ۱۰۲-۱۰۹، دار الریات للتراث، القاہرہ، طبع جدید۔ طبعہ اولیٰ ۱۹۸۷ء/ ۱۴۰۷ھ۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن۔ صحیح مسلم جلد ۶۔ کتاب اللباس والزینۃ۔

''اللہ کی لعنت ہے بال کا جوڑا باندھنے والیوں اور بندھوانے والیوں پر اور چہرے اور پیشانی کے روئیں صاف کرنے والیوں اور بھوؤں کو باریک کرنے والیوں پر اور خوب صورتی بڑھانے کے لیے دانتوں کو گھسا کر باریک کرانے والیوں پر جو اس طرح اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بناوٹ کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں) میں کیوں لعنت نہ کروں اس پر جس پر نبی ﷺ نے لعنت کی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ کی کتب میں موجود ہے کہ: اور رسول تم کو جس بات کا حکم دیں تم اس کو مانو اور جس چیز سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو۔''(۱)

بناوٹی حسن کی ان مختلف صورتوں کا اس روایت میں یک جا بیان ہے۔ نبی ﷺ کی الگ الگ احادیث میں بھی ان کا اسی طرح تذکرہ ہے۔(۲) اس کی روشنی میں آج کے بیوٹی پارلروں میں بلیچنگ اور فیشیل وغیرہ کے عورتوں کی آرائش کے جو مختلف طریقے رائج ہیں ان کے بارے میں بھی آسانی کے ساتھ رائے بنائی جاسکتی ہے۔ ضرورت کے دائرے سے ہٹ کر اس کی بہت سی صورتوں کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں گنجائش نہیں ہوسکتی۔(۳)

چھیڑ خانی اور عصمت دری

معاصر دنیا میں طبقۂ خواتین جن مسائل سے دوچار ہے اس میں چھیڑ خانی اور عصمت دری سرفہرست ہے۔ خواتین کا گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ خاص طور پر بڑے شہروں میں ان کی زندگی اور بھی اجیرن ہے۔ چناں چہ آج ان جرائم کی خبریں ہمارے اخبارات کا مستقل کالم ہیں۔ اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ الکٹرانک میڈیا میں بھی ان کی گونج اسی طرح سنائی دیتی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے صنف نازک کے سلسلے میں اوپر کے تحفظات کے ساتھ ان جرائم سے ان کی حفاظت کا بھی اسی شدومد کے ساتھ بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے لیے ہمیں سورۂ احزاب کی آخری

---

(۱) یہ سورہ حشر کی آیت کریمہ کا حصہ ہے: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ اور رسول تم کو جو کچھ دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے رک جاؤ۔

(۲) صحیح بخاری: ۴/۷۸-۸۱، باب المتفلجات للحسن اور باب المستوشمہ اور ان کے درمیان کے مختلف ابواب، صحیح مسلم، حوالہ مذکور۔

(۳) یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ محولہ مضمون 'بیوٹی پارلر اور اسلام' میں اس کے متعلقات اور جزئیات کی تفصیل کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

آیات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جہاں مسلمان مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کو ان کی کسی خطا کے بغیر اذیت دینے اور تکلیف پہنچانے کو صریح تہمت طرازی اور بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اللہ کے ان چہیتوں کو تکلیف دینے کو براہ راست اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف دینے کے مترادف قرار دیتے ہوئے دنیا و آخرت میں ان کو اللہ کی لعنت کا رسوا کن عذاب کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے[۱] مسلمان معاشرے کی شریف عورتوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی کوشش کی جائے، راہ چلتے انھیں چھیڑا جائے، ان پر آوازے کسے جائیں اور آگے بڑھ کر ان پر بدکاری کی تہمت لگایا جائے تو اس سے مسلمان مردوں کا اذیت میں مبتلا ہونا اپنے آپ ظاہر ہے۔ جسے آیات زیر نظر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے کے ہم معنی ٹھہرایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًاo وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًاo (الاحزاب:۵۷-۵۸)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت دونوں جگہ ان کے اوپر لعنت کر رکھی ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اس کے بغیر، کہ ان کی طرف سے کسی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہو تو یقیناً انھوں نے اپنے ذمہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا۔“

اللہ کی آخری کتاب نے اس سماجی برائی سے بچنے کے لیے دوہری تدبیر کا اہتمام کیا ہے۔ پہلی یہ کہ شریف عورتیں گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے لیے پردے کا مخصوص اہتمام کریں، جس سے کہ اس وقت کے عرب کے دستور کے مطابق باندی عورتوں سے ان کا امتیاز قائم ہو جائے اور شرپسند عناصر ان پر غلط نظر ڈالنے اور پریشان کرنے سے دور رہیں۔ جب کہ باندیوں کا

---

(۱) ابوبکر جصاص رازی م ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۱/۴۵۷، مطبعہ بہیہ، مصر ۱۳۴۷ھ۔ بالتزام: عبدالرحمٰن محمد عام مفسرین کی تفسیر اس سے مختلف ہے۔ اس موقع پر ہم نے رازی کی اس تفسیر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو مزید کھولنے کی کوشش کی ہے۔

معاملہ اس سے مختلف تھا۔ ان کی ستر آزاد عورتوں سے مختلف تھی اور معروف سماجی مصلحتوں سے وہ ان کی طرح سے گھونگھٹ نکال کر گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں۔ اس مخصوص پس منظر سے ہٹ کر قیامت تک کے لیے دوسری تمام شریف خواتین کے لیے کتاب اللہ کا یہ حکم اسی طرح برقرار ہے[1] اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کو خطاب کر کے اس وقت کی خواتین کے لیے جو کچھ کہا گیا ہے، وہ دنیا کی تمام مسلمان خواتین کے لیے قیامت تک کے لیے عام ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں یہ اس میں بہت معاون ہے کہ (آزاد عورت کی حیثیت سے) ان کی پہچان کر لی جائے پھر وہ ستائی نہ جائیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

دوسری تدبیر میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی نمائندہ کتاب نے ایسے بدقماشوں اور بداطواروں سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا اعلان کیا۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۚۛ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

(الاحزاب:۶۰-۶۲)

''اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بدکاری کا مرض ہے اور مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو (اے نبیؐ!) ہم آپؐ کو ان کے سر پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ وہاں آپؐ کے ساتھ زیادہ دن نہیں رہ پائیں گے۔

---

(۱) تفسیر کا معروف اصول کہ خاص پس منظر اور مخصوص شانِ نزول کے باوجود آیت کا عموم اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ اور وہ مخصوص زمانے اور مخصوص حالات کے لیے محدود نہیں رہتی۔

یہ لعنت زدہ لوگ ہیں۔ جہاں کہیں پائے جائیں یہ پکڑے جائیں اور بری طرح سے قتل کیے جائیں۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اسی طرح ان سے پچھلے لوگوں میں بھی رائج رہا ہے۔ اور اللہ کے طریقے میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

زمانۂ نزول قرآن کے پس منظر میں یہ مدینہ میں منافقوں کی جماعت تھی جو مسلمانوں کو دو طرح سے بددل اور کمزور کرنا چاہتے تھے۔ ایک طرف تو وہ کفار کی بڑھی ہوئی فوجی تیاری اور عسکری بالادستی اور جنگی فتوحات کی جھوٹی اور من گھڑت خبریں لا لا کر مسلمانوں کے درمیان پھیلاتے، جس سے کہ وہ دل شکستہ ہوں اور ان کے حوصلے پست ہوں، ساتھ ہی مسلمان خواتین کا پیچھا کر کے مختلف طریقوں سے ان کو بے آبرو کرنے کی کوشش کرتے، جس سے مسلمان اجتماعیت کا اخلاقی وزن کم ہو اور وہ بے وقار ہو کر بے اثر ہو جائے۔ آیت بالا میں پہلے طبقہ کے لیے 'رجفہ' زلزلہ سے مشتق 'مرجفون' بے بنیاد اور تزلزل خبریں اڑانے والے[1] اور دوسرے کے لیے دل کے مریض 'والذین فی قلوبھم مرض' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ پہلے کی طرح اس کے سلسلے میں امام نحت ولغت علامہ زمخشری نے ایک رائے یہ نقل کی ہے:

و قیل ھم الزناۃ و اھل الفجور۔(۲)

"ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اس سے مراد زناکار اور گناہ کار اور بدکردار لوگ ہیں۔"

جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت کریمہ:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا

(الاحزاب:۵۸)

---

(۱) زمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳/۲۷۴۔

(۲) الکشاف، حوالہ سابق۔ نیز تفسیر الجلالین/۵۶۰، طبع مذکور اس سے پہلے سورۂ احزاب کی آیت کریمہ: ۳۲ سے بھی مرض کے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے پہلے سورۂ احزاب کی آیت ۳۲ یہاں سے شروع کریں:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (الاحزاب:۳۲)

"اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تمہارے اندر اللہ کا ڈر ہے تو تم لوچ دار انداز میں بات نہ کرو جس سے کہ جس کے دل میں بدکاری کا مرض ہے اس کو غلط لالچ پیدا ہو۔ اس کے بجائے تم سادہ انداز میں بات کرو۔"

''اور وہ لوگ جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اس کے بغیر کہ ان کی طرف سے کسی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہو۔''

کے سلسلے میں بھی ان کا یہی کہنا ہے کہ:

و قيل في زناة كانوا يتبعون النساء وهن كارهات۔(۱)

''ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ بدکار اور زناکار ہیں جو (بھولی بھالی اور شریف) عورتوں کا پیچھا کرتے تھے دریں حالے کہ وہ ان کی حرکتوں کو سخت ناپسند کرتی تھیں۔''

اس موقع پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذخیرۂ تفسیر میں بہت سی باتیں جو دبی ہوئی رائے اور شاذ قول کی حیثیت سے پیش کی جاتی ہیں بسا اوقات سیاق کلام اور دیگر قرائن سے وہی آیت کریمہ کی راجح تفسیر ہوتی ہیں(۲) جیسا کہ اس مقام پر اس کا ایک اچھا نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔ بہ ہر حال اس موقع پر ان بدکاروں اور جنسی مریضوں کے لیے علاقہ بدری کی تعزیر کی سزا کے ساتھ ان کو جو قتل کرنے کا عام حکم ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ مدینہ میں عقیدہ کے منافقین تھے جن کے مسلمان ہونے کی کوئی امید نہ تھی اور پیغمبر اسلام ﷺ کو بہ ذریعۂ وحی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی اور عرب کی مخصوص سرزمین میں کوئی کافر اور مشرک حالت کفر و شرک میں مستقل باقی نہیں رہ سکتا تھا اسی لیے عقیدے کے ان منافقین کے لیے قتل کی یہ سزا تجویز کی گئی۔ اسی صورت میں یہ حکم زمانۂ نزول قرآن کے ساتھ خاص ہوگا۔ بعد کے زمانہ میں علاقہ بدری کے ساتھ اس جرم کی سزا صرف تعزیر ہوگی۔ دوسری صورت میں اگر اس حکم کو عام رکھا جائے تو کہا جائے گا کہ علاقہ بدری کے ساتھ مخصوص صورتوں میں امام وقت کو تعزیر کی اس مبالغہ آمیز صورت کا بھی اختیار ہوگا۔ جس طرح کہ تمام فقہاء کے اتفاق سے لواطت یا مرد پرستی اور ہم جنسی وغیرہ کے

---

(۱) الزمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳/ ۲۷۴، طبع جدید، مصر۔

(۲) خاتمۃ المفسرین مولانا حمید الدین فراہیؒ کا یہ بہت مشہور نکتہ ہے۔ ہمارے مرحوم استاذ مولانا غالب احسن اصلاحیؒ دوران درس اس کا اکثر حوالہ دیتے تھے اور خود اس کے حق میں اپنا بھی یہی رجحان ظاہر کرتے تھے۔ مولانا بہت ذہین اور طباع تھے اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ رحمہ اللہ۔

عادی مجرمین کے لیے عام تعزیر کے ساتھ امام وقت کے لیے ایسے مجرمین کے قتل کا اختیار حاصل ہوتا ہے[1] اس طرح کی حرکتوں سے جو لوگ معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کو فروغ دیں، دوسرے موقع پر بھی ان کے سلسلے میں قرآن کا تیور اسی طرح سخت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(النور:۱۹)

''بلاشبہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بدکاری اور بے حیائی کو فروغ ملے ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ دردناک سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔''

اس سے آگے کا مرحلہ ہے کہ شریف اور بھولی بھالی عورتوں پر زنا کی تہمت لگا کر ان کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی جائے۔ اسی سورہ میں آگے اس جرم کی بڑی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔ مسلمان کے دل میں آخرت کا ذرا بھی خوف ہو تو وہ اس کو یاد کر کے دنیا میں کبھی اس حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ۙ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ○

(النور:۲۳-۲۵)

''بلاشبہ جو لوگ پاک باز اور بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر بدکاری کا الزام لگاتے ہیں وہ دنیا آخرت دونوں جگہ لعنت کے مستحق ہیں۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ جس دن کہ ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے

---

(۱) یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام رازی شافعی اور ابوبکر جصاص حنفی اور علامہ زمخشری سمیت تمام مفسرین نے آیت کریمہ کے اس حصے پر [illegible] اور مبہم لکھا ہے۔ بحمد اللہ کہ ہماری اس تفصیل سے یہ مسئلہ صاف ہوتا ہے۔

(اور یہ بتائیں گے کہ وہ دنیا میں) کیا کرتے رہے تھے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں اللہ ان کو ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا اور ان کو اچھی طرح پتہ چل جائے گا کہ اللہ کی ذات سب سے بڑی کھلی سچائی ہے۔"

صحیح بخاری و مسلم کی اس روایت کو اس آیت کریمہ کی شرح کہا جا سکتا ہے جس میں اسے سات بڑے مہلک گناہوں 'السبع الموبقات' میں سے ایک قرار دیا گیا ہے:

وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔(۱)

"اور ایک یہ کہ پاک باز اور بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر زنا کی تہمت لگائی جائے۔"

دنیا میں بھی اس جرم کی سزا کچھ کم نہیں ہے۔ جو شخص کسی پاک باز عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور اپنے دعوے کے حق میں چار گواہیاں پیش نہ کر سکے تو قرآن کی صراحت سے اس کو اسلامی سزاؤں کے عام اصول کے مطابق علانیہ اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور ایسا شخص ہمیشہ کے لیے مردود الشہادہ قرار پائے گا، جس کی مسلمان معاشرے کے کسی قابل لحاظ معاملے میں گواہی قابل اعتبار نہ ہوگی۔(۲) جہاں تک عصمت دری (Rape) اور (बलात्कार) کا سوال ہے تو یہ زنا کی ایک بہت ہی مخصوص صورت ہے۔ عام حالات میں معلوم ہے کہ اسلامی شریعت میں زنا کاری کے مرتکب مرد و عورت اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ ہوں(۳) تو رجم ہے یعنی کہ انھیں سنگ سار کیا جائے تا آں کہ ان کی موت واقع ہو جائے۔ دونوں صورتوں میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس جرم کا ارتکاب فریقین کی مرضی سے ہوا ہو۔ اور زنا کی اوپر کی سزاجوں کی توں برقرار رہے گی۔ عصمت دری (Rape) کا معاملہ اس سے مخصوص ہے۔ اس اصطلاح کا اطلاق زنا کی اسی صورت پر ہوتا ہے، جس میں کہ عورت کے ساتھ زبردستی ہو اور

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الحدود، باب رمی المحصنات "والذین یرمون المحصنات...الخ صحیح مسلم جلد ۱: کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرھا۔

(۲) نور: ۴

(۳) فقہ میں اس کے لیے اصطلاح 'احصان' اور 'محصن' کی ہے۔ فقہ حنفی میں 'احصان' کے لیے شادی شدہ ہونے کے ساتھ دلائل ... بھی ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں

طاقت کے زور سے اس کے پردۂ عصمت کو تار تار کیا جائے۔ اس صورت میں قرائن سے ثبوت فراہم ہونے پر عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس گناہ کے لیے اس پر کوئی سزا نہیں ہے اس لیے کہ وہ مظلوم ہے۔

ملک کی راجدھانی دہلی میں چھیڑ خانی کے بڑھتے ہوئے واقعات کے پیش نظر پولیس کے محکمہ نے اس کے خلاف ایک خصوصی مہم چلائی ہے۔ اور اس کام کے لیے خواتین پولیس کو میدان میں اتارا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس مہم کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کو ایک مطالعہ کی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں بہت سے دل چسپ حقائق سامنے آئے ہیں۔ انھی میں سے ایک یہ کہ:

"The eve-teasers told the Police that looks of the girl mostly drove Them to commit the offence. At least 173 girls who were standing alone became vic,tims. Clothes became the "Provocation" in only 10 cases." (1)

''چھیڑ خانی کرنے والوں نے پولیس کو بتایا کہ اکثر و بیشتر کسی لڑکی کی ظاہری خوب صورتی نے انھیں اس جرم کے ارتکاب کے لیے مہمیز کیا۔ کم از کم ایک سو تہتر لڑکیاں جو اس زیادتی کا شکار ہوئیں وہ وہ تھیں جو اکیلے کھڑی ہوئی تھیں۔ جب کہ صرف دس معاملات میں لڑکیوں کے نامناسب لباس نوجوانوں کو بھڑکانے کا سبب بنے۔''

اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اوپر کی تفصیلات میں ناموس نسواں کی حفاظت کے لیے شرم و حیا، لباس اور پردے اور تنہا سفر سے گریز کی جو تعلیم ہے وہ طبقہ خواتین کو چھیڑ خانی کی اس آفت سے بچانے کا بھرپور سامان فراہم کرتی ہے۔ اس کی روشنی میں اس تحریک کے دوسرے تمام اجزا سے بھی اسی طرح پوری فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) انگریزی روز نامہ 'دی ہندو' دہلی ایڈیشن ۴ رجنوری ۲۰۰۳ء، جائزہ بہ عنوان: Eve-Teasers are not illiterates (تمام چھیڑ خانی کرنے والے ناخواندہ اور ان پڑھ ہی نہیں ہیں)۔ اس سلسلے کی دل چسپ تفصیلات کے لیے مزید ملاحظہ ہو: اردو روز نامہ راشٹریہ سہارا دہلی ۶ رجنوری ۲۰۰۳ء، رپورٹ زیر عنوان: چھیڑ خانی کرنے والوں کو پکڑنے کا کام خاتون کانسٹبلوں کے لیے باعث لطف و تفریح۔ شکار کی تلاش میں شکار کا کردار ادا کرنے پر خاتون پولیس اہل کاروں کو دل چسپ تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔

بیواؤں کی نگہ داشت

ہندستان کے منظر نامہ میں بیواؤں کی جو صورت حال ہے اس کی تفصیل کتاب کے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ کاشی اور بندرابن میں تو ان کی زندگی اجیرن ہے ہی ہندو معاشرے میں اس کے علاوہ بھی ان کی حالت بہت اچھی نہیں ہے۔ اس کا اندازہ الکٹرانک میڈیا کی صرف اس اطلاع سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنوری ۲۰۰۱ء کے الٰہ آباد کے کمبھ میلے میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو بیواؤں کو ان کے اپنے بیٹے اور چہیتے بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اپنے مخصوص پس منظر کے ساتھ ان کے لیے اپنے گھروں کی واپسی ممکن نہ تھی۔ اور اسی بنیاد پر اس میلے کے بہانے سے ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ کاش کہ وطن عزیز کی آر ایس ایس، وی ایچ پی اور بجرنگ دل جیسی ہندو تنظیمیں اپنی قوت مسلمانوں کی مخالفت میں صرف کر کے اس کے ذریعہ سیاست کی روٹی سیکنے کے بہ جائے اپنے سماج کے ان حقیقی مسائل کی طرف توجہ کریں۔ اس سے ملک اور سماج کا تو بھلا ہوتا ہی، اسلام کی نجات دہندہ تحریک بھی ان کی اس طرح کی کوششوں کی کھلے دل سے حوصلہ افزائی کرتی اور ان کے ساتھ ممکن حد تک تعاون کر کے ان کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کرتی۔ اگرچہ بلالحاظ مذہب وملت اس کے یہاں خدمت خلق کی جو اہمیت ہے اس کی بنیاد پر اس مظلوم طبقۂ انسانیت کے تئیں اپنے طور پر وہ جو کچھ کرسکتی ہے ان شاء اللہ اس سے دریغ نہیں کرے گی۔

جہاں تک اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا تعلق ہے بحمد اللہ اس میں بیواؤں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے سائے تلے اسے بھرپور تحفظ اور احترام حاصل ہے۔ عورت جو بیوہ ہو جائے یعنی کہ شادی کے بعد جس کا شوہر مر جائے اس کی چند ہی حالتیں ہوسکتی ہیں۔ وہ صاحب اولاد یا بے اولاد ہو اور شوہر کے طلاق یا انتقال کے بعد دوسری شادی کی آرزومند ہو۔ بیوہ عورت کی اولاد جوان اور کمیری ہو اور اس کو اپنے خرچے اور گزارے کے لیے دوسری شادی کی ضرورت نہ ہو۔ بیوہ کی اولاد چھوٹی ہو اور وہ ان کی پرورش اور پرداخت پر اپنے کو وقف کرنے کی غرض سے دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرے۔ بیوہ لڑکی بے اولاد و یا با اولاد ہو اور شوہر کے طلاق یا انتقال

کے بعد باپ کے یہاں رہنے کے لیے مجبور ہو۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں ان تمام صورتوں کے لیے بیوہ خاتون کو بھرپور تحفظ حاصل ہے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں شوہر دیدہ عورت کے لیے اس کی دوسری شادی کے معاملہ میں ماں باپ اور دیگر اولیاء کا دخل بہت محدود ہے۔ عرب جاہلیت میں رواج تھا کہ مختلف محرکات کے تحت لوگ اس طرح کی عورتوں کو دوسری شادی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس کے لیے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ قرآن نے صاف حکم دیا کہ عورت کا طلاق ہو جائے اور وہ دوسری شادی کی خواہش مند ہو تو میکے اور سسرال والے کسی طرف سے اس کے اوپر دباؤ نہ بنایا جائے اور اسے اپنی پسند کی شادی سے باز رکھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ طلاق کی صورت میں غیر معمولی تاکیدات کے ساتھ ارشاد ہوا:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ:۲۳۲)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو تو جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو ان کے پسندیدہ شوہروں سے شادی کرنے سے نہ روکو جب کہ دستور کے مطابق ان کی آپس میں اس کے لیے رضامندی ہو جائے۔ اس کی تم میں سے نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزگی اور ستھرائی کا باعث ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔“

طلاق کی صورت میں عورت کی عدت تین حیض یا تین طہر 'قروء' ہے، (بقرہ:۲۲۸) جس کی مدت حالات کے لحاظ سے تین ماہ سے کچھ کم یا زائد ہو سکتی ہے۔ مطلقہ عورت اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہی دوسری شادی کر سکتی ہے۔ شوہر کی وفات کی صورت میں عدت کی یہ مدت متعین چار مہینہ دس دن ہے۔ اس کی صورت میں بھی قرآن کی صراحت ہے کہ اس مدت کے

گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے۔ اگر وہ دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس کے اوپر کوئی رکاوٹ عائد نہیں کی جا سکتی:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(البقرہ:۲۳۴)

''اور تم میں سے جن کا انتقال ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑیں تو یہ اپنے لیے چار مہینہ دس دن تک انتظار کریں۔ پھر جب یہ اپنی یہ عدت پوری کر لیں تو تمھارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ دستور کے مطابق اپنے معاملے میں وہ کیا فیصلہ کرتی ہیں۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اس کا اچھی طرح پتہ ہوتا ہے۔''

عرب میں رواج تھا کہ قریبی رشتہ دار مرد کی وفات کے بعد اس کے ترکے اور وراثت میں گھر کے دیگر مال و اسباب کے ساتھ اس کی عورت کو بھی ہتھیا لیتے تھے۔ اور مختلف ترکیبوں سے شوہر کی وفات کے بعد عورت کو اس کی پسند کی شادی سے باز رکھتے تھے[1] قرآن نے دوسرے موقع پر اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت کی اس طرح سے دوسرا برا رواج تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا بڑا لڑکا زبردستی اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا تھا[2] اور اس صورت میں اس رشتے کی دوسری خرابی اور برائی کے علاوہ جس کی وجہ سے اگلی آیت کریمہ میں قرآن نے دیگر حرام رشتوں کے ساتھ اس کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا[3]، عورت اپنی پسند سے دوسری شادی کرنے سے قاصر رہتی تھی۔ قرآن نے سخت ترین تہدیدات کے ساتھ اس برائی کا بھی فوری طور پر خاتمہ کیا:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ (النساء:۲۲)

---

(۱) تفسیر الجلالین ص ۱۰۲۔ مزید ملاحظہ ہو: احکام القرآن للجصاص: ۲/۱۳۱-۱۳۲۔ طبع مذکور نیز: جامع البیان المعروف بتفسیر الطبری: ۸/۱۰۴ اور اس سے آگے۔ طبع جدید، دار المعارف، مصر۔ طبعہ ثانیہ تحقیق و مراجعت: محمود محمد شاکر، احمد محمد شاکر۔

(۲) نساء:۱۹

(۳) تفسیر الطبری: ۸/۱۳۳، ۱۳۸ بحوالہ بالا۔

''اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں کی شادی ہو چکی ہے (ان کی وفات پیچھے) تم ان کو اپنی زوجیت میں نہ لاؤ۔ اس سے پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا۔ (اب نہیں ہو سکتا)۔ یہ بڑی بے حیائی کا کام، بڑا قابل نفرت عمل اور بہت برا راستہ ہے۔''

بیوہ ہونے کی دوسری صورت ہے کہ عورت کی اولاد جوان ہو اور اس کو دوسری شادی کی احتیاج نہ ہو یا یہ کہ وہ اپنے کو اس سے دور رکھنا چاہے، اس صورت میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں ماں کے جو غیر معمولی حقوق بیان کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ اضافی حسن سلوک کی جو تاکید پر تاکید ہے وہ ہندستانی پس منظر میں بیوگی کی تمام آفتوں اور ناگواریوں سے اس کو دور رکھتی ہے۔ قرآن وسنت میں ماں باپ کی حق شناسی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی جو تعلیم ہے اس سے کون نہیں واقف ہے، لیکن قرآن میں اس حوالہ سے کہ وہ کم زوری پر کم زوری اٹھا کر اور ناگواری پر ناگواری برداشت کر کے اولاد کے حمل کا بوجھ اٹھاتی اور پیدائش کے بعد اپنا دودھ پلا کر ادب کے استعارے میں نہیں حقیقت کی زبان میں اس کو اپنے خون جگر سے سینچتی ہے، اولاد کے تئیں اس کی اس غیر معمولی قربانی کے پیش نظر کتاب اللہ میں اس اہتمام سے اس کی بڑھی ہوئی شکر گزاری اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی[1] حدیث میں بھی ماں کے ساتھ اس اضافی حسن سلوک کی تاکید ہے۔ جسے ایک طرح سے ان آیات کریمہ کی تشریح اور تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور روایت ہے:

جاء رجل الی رسول اللّٰہ ﷺ فقال: یا رسول اللّٰہ: من احق بحسن صحابتی؟ قال امک: قال: ثم من؟ قال: امک، قال: ثم من؟ قال امک۔ قال: ثم من؟ قال ثم ابوک۔(۲)

''ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون۔

---

(۱) لقمان: ۱۴۔ احقاف: ۱۵۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ۔

آپ ﷺ نے فرمایا تمھاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تمھارا باپ۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں اس پر اضافہ ہے:

قال رجل یا رسول اللہ من احق بحسن الصحبة قال امک ثم امک ثم امک ثم ابوک ثم ادناک ادناک۔(۱)

"اس شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھاری ماں۔ پھر تمھاری ماں پھر تمھاری ماں۔ پھر تمھارا باپ۔ پھر وہ جو تم سے قریب تر ہو جو تم سے قریب تر ہو۔"

دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ:

اذا دعاک ابواک فاجب امک۔(۲)

"جب تمھارے ماں باپ دونوں تم کو ایک ساتھ بلائیں تو پہلے اپنی ماں کا جواب دو۔"

اسی طرح حضرت جاہمہ نامی صحابیؓ اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ میں شریک ہونے کے سلسلے میں مشورہ کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کو غالباً پہلے سے ان کی صورت حال کا اندازہ تھا، جس کے پیش نظر آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تمھاری ماں تو موجود ہیں جس پر ان کا جواب اثبات میں تھا: فقال هل لک من ام قال نعم، اس پر آپ ﷺ کا جواب تھا:

قال فالزمها فان الجنة تحت رجليها۔(۳)

"آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی ماں کے ساتھ رہو اس لیے کہ جنت ان کے پیروں تلے ہے۔"

جس نظام زندگی میں ماں کو عزت اور احترام کا یہ مقام حاصل ہو اور اس کی خدمت اور

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب البر والصلة والآداب۔ نیز: سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب بر الوالدین۔ مجتبائی دہلی۔ سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب بر الوالدین۔

(۲) المناوی: التفسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱۳۶/۲۔ الطباعۃ العامرہ، مصر ۱۲۸۶ھ۔

(۳) سنن نسائی جلد ۲۔ کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخلف لمن له والدان۔ ایضا ه رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان۔

نگہ داشت کی یہ اہمیت تسلیم کی گئی ہو، ایسی عورت اگر بیوہ ہو جانے کی صورت میں دوسری شادی کا فیصلہ نہ کرے تو زندگی میں اس کے لیے کسی دشواری اور پریشانی کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ مقام شکر ہے کہ مسلمان معاشرہ گئی گزری حالت میں بھی بہت کچھ اپنے مذہب کی اس تعلیم کو نبھائے ہوئے ہے اور اس کے بیواؤں کی بہر حال وہ حالت زار نہیں ہے جس کا مظاہرہ دوسری جگہوں پر دیکھنے میں نظر آتا ہے اور جس کی ایک جھلک اس سے پہلے کتاب کے پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بدقسمتی سے کوئی جوان عورت بیوہ ہو جائے۔ اور وہ تنہا یا اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنے باپ کے گھر یعنی کہ اپنے میکے واپس آ جائے۔ باپ کے پاس لڑکی کی یہ واپسی طلاق کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اس کے لیے اس کے شوہر کی وفات یا اس کا بیوہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن پہلی صورت کی طرح یہ صورت بھی اس میں اسی طرح شامل ہے اور اس کا اس سے استثناء نہیں ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے ایسی لڑکی پر خرچ کرنے کی جو فضیلت بیان کی ہے اس کے پیش نظر کوئی دین دار باپ اس سے اکتا نہیں سکتا اور کسی حال میں اس کی لخت جگر اس کے لیے بوجھ نہیں بن سکتی۔ حضرت سراقہ بن مالکؓ کی روایت سے نبی ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

> الا ادلک علیٰ افضل الصدقة ابنتک مردودة الیک لیس لها کاسب غیرک۔(۱)
>
> ”کیا میں تم کو سب سے افضل صدقہ کی بابت نہ بتاؤں وہ یہ کہ تمھاری بیٹی (طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد) تمھارے پاس لوٹ کر آ جائے اور تمھارے علاوہ اس کے لیے کوئی دوسرا کمانے والا نہ ہو۔“

اسلام میں نفقات کے نظام کی ایک تفصیل ہے۔ اس کے تحت خاندان اور معاشرے کا کوئی فرد ننگا بھوکا اور اس کی بنیادی ضروریات زندگی غیر تکمیل شدہ نہیں رہ سکتیں۔ باپ کی عدم موجودگی میں درجہ بہ درجہ ایسی بچی کی ذمے داری اس کے دادا، چچا، بھائی بھتیجے وغیرہ کی ہوگی۔ اور اتفاق سے لڑکی کا میکا اور ددیہال سارا کا سارا نادار اور مفلس ہو تو ایسی لڑکی کے نفقہ کی یہ ذمے داری

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب بر الوالد والاحسان الی الذات۔ نیز: مسند احمد: ۴/۱۷۵۔

اس کے نانیہال کی طرف منتقل ہو جائے گی۔(۱) بہ ہر حال اس نظام میں اس کی کفالت کی ذمے داری جس پر بھی عائد ہو طلاق کی طرح بیوگی کی مار کھائی کسی جواں سال کی زندگی اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں بہ ہر حال اجیرن نہ ہوگی۔ متعلق فرد بہ رضا و رغبت اس کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا تو اسلامی ریاست طاقت کے زور سے اس کو اس کے لیے مجبور کرے گی اور جوان بیوہ کسی حال میں ادھر ادھر کی ٹھوکر کھانے کے لیے مجبور نہ ہوگی۔

کسی عورت کے بیوہ ہونے کی چوتھی اور آخری صورت یہ ہے کہ اس کا میکا اور نانیہال بہت زیادہ خوش حال نہ ہو اور وہ اپنی محنت و مشقت اور زور بازو سے اپنے چھوٹے بچوں کی کفالت کے لیے مجبور ہو۔ عورت خوب صورت اور خاندانی ہو اور بہت آسانی سے اس کی دوسری شادی ہو سکتی ہو لیکن محض بچوں کی مصلحت سے وہ دوسری شادی سے گریز کرے تا کہ بچے بے داس نہ ہوں اور اس کی بھر پور نگرانی میں اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں(۲) اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی عورت کے لیے جنت میں اپنی قربت کی جو خوش خبری سنائی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایسی کوئی مسلمان عورت اپنے کو اس سعادت سے محروم نہیں کر سکتی۔ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ کی روایت سے اس حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ انا و امرأۃ سقعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ و اومأ یزید بن زریع الی الوسطی والسبابۃ امرأۃ اٰمت من زوجھا ذات منصب و جمال جست نفسھا علٰی یتاماھا حتی بانوا او ماتوا۔(۳)

’’اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور جھلسے ہوئے رخساروں والی ایک عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے (اس پر حدیث کے ایک راوی یزید بن

---

(۱) تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ ’مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام‘ کا آخری حصہ، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ۔

(۲) عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ: طبقات شرح مشکوٰۃ علی ہامش ابی داؤد: ۲/ ۳۴۵۔ مطبع مجیدی کان پور۔

(۳) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب فضل من قال یتامیٰ۔

زریع نے شہادت اور بیچ کی انگلی کو ایک ساتھ ملا کر بتایا[(۱)] یہ عورت وہ جس کا شوہر مرجائے اور وہ بیوہ ہو جائے یہ اچھے حسب نسب والی اور حسین اور خوب صورت ہو، اس کے باوجود وہ اپنے یتیم بچوں کے ساتھ اپنے کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ (بڑے ہو کر اس سے) الگ ہو جائیں یا مر کر اس سے جدا ہو جائیں۔''

یقیناً جس نظام حیات میں بیوہ کو یہ تحفظ اور یہ احترام حاصل ہو شوہر کی وفات کے بعد زندگی کی مشکلات سے نجات کے لیے اس کی چتا میں بیٹھ کر ہندستان کی 'ستی' کی رسم میں پناہ لینے کی اس کو ضرورت نہیں ہو سکتی۔ وطن عزیز کی دیانت دارانہ تاریخ میں اسلام کی برکت اور مسلمانوں کے اثر سے ہند کی سرزمین سے اس رسم کا خاتمہ ہوا۔ لیکن ہندو روایت کی خاکستر میں اس کی چنگاری ابھی بھی موجود ہے، کتاب کے پہلے باب میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ اس کے باوجود برادران وطن کا ایک برخود غلط طبقہ اہل اسلام سے سیکھنے کے بہ جائے ان کو سکھانے کے درپے ہے۔ کاش کہ جاہلی عصبیت اور اندھی روایت پرستی کے حصار سے نکل کر یہ طبقہ مسلمانوں کی اصلاح کے بہ جائے اپنے گھر کو درست کر سکے اور اسلام کو بدنام کرنے کے بہ جائے اس کی اور اسلام کی نجات دہندہ تحریک کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھنے کے قابل ہو۔ اسلام کے سایۂ رحمت میں 'ستی' کی اس ظالمانہ رسم کے لیے کوئی جگہ نہیں اور اس کی نجات دہندہ تحریک اس کے خاتمے کے ساتھ ہندو سماج میں اس کے اسباب و عوامل کے ازالہ کے سلسلے میں برادران وطن کے ساتھ اپنا پرخلوص تعاون پیش کرتی ہے۔

طوائفوں کی باز آبادکاری

معاصر دنیا اور خاص طور پر وطن عزیز کے پس منظر میں 'ناموس نسواں کی حفاظت' کی ہماری یہ بحث اب قریب تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اس کے بعد اس بحث کے دو ہی عنوانات باقی رہتے ہیں۔ عجیب سانحہ ہے کہ آج کے زمانہ میں جہاں عورتوں کی فلاح و بہبود کا غیر معمولی چرچا ہے اور ہر زبان پر طبقہ خواتین کو طاقت و قوت سے سرفراز کیے جانے (Empowerment of women) کا ورد جاری ہے، وہیں ہر بڑے شہر میں ان کا ایک حصہ قحبہ گری اور بیسوائی کی زندگی گزارنے کے

---

(۱) اس تمثیل کا مطلب ان دونوں انگلیوں کا ملا ہونا نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، انگلیاں تو سبھی ایک دوسرے کے ساتھ مل سکتی ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب بیچ کی انگلی سے شہادت کی انگلی کا فاصلہ ہے جو باقی تمام انگلیوں میں سب سے کم ہوتا ہے۔ شروح حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

لیے مجبور ہے۔ یہاں تک کہ ملک کی راجدھانی دہلی بھی اس سے اچھوتی نہیں ہے۔ اس کی جی، بی روڈ کی خبریں آئے دن اخبارات اور میڈیا میں گونجتی رہتی ہیں۔ جب پورے ملک کے عوامی نمائندوں اور مرکزی حکومت کے ناک کے نیچے بدکاری اور بے حیائی کا یہ کاروبار اپنی تمام تر محرومیوں اور کسم پرسیوں کے ساتھ جاری ہے تو ملک کے دیگر شہروں اور قصبوں اور دور دراز علاقوں کا اس سے کیا استثناء ہوسکتا ہے۔ چناں چہ وطن عزیز کے ہر چھوٹے اور بڑے شہر اور قصبے میں آج قحبہ گری کے یہ مراکز موجود ہیں اور ہر دن ہزاروں کی تعداد میں مظلوم اور مقہور دوشیزائیں چاہے ان چاہے اس کاروبار کے الاؤ میں جھونک دی جاتی ہیں۔ جس کی تفصیل اس سے پہلے کتاب کے پہلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ غیر مسلم خواتین کے ساتھ اس کاروبار میں مسلمان خواتین بھی اسی طرح شامل ہیں۔ اور ہندستان کے ساتھ پڑوس کی دونوں مسلمان ملکوں پاکستان و بنگلہ دیش میں اس برائی کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم ہے۔ اس سے آگے کا اس کا عالمی منظر نامہ حد درجہ بھیانک ہے۔ اس کی تفصیل آچکی ہے۔ دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے نزدیک طبقہ خواتین کی یہ بے عزتی اور ناقدری ناقابل برداشت ہے۔ اور اس رسم بد کے خاتمے اور اس مظلوم طبقہ انسانیت کی بازآبادکاری کو وہ اپنی اولین ترجیحات میں شمار کرتی ہے۔ اس سلسلے میں طبقہ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے ان تمام فلاحی اسکیموں پر عمل درآمد کو تو وہ یقینی بنائے گی ہی جس سے اس قابل نفرت کاروبار میں ان کی آمد کا سلسلہ فوری طور پر بند ہو۔ اس سے بڑھ کر اس کی فکرمندی اس کے لیے ہے کہ ان کا جو مظلوم طبقہ بدقسمتی سے اس برائی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اس کو بلا تاخیر اس سے آزاد کرایا جائے اور ملک اور سماج میں ان کے لیے باعزت زندگی گزارنے کی سبیل پیدا کی جائے۔

چناں چہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک موقع پاتے ہی اس مظلوم طبقہ انسانیت کی بازآبادکاری کے لیے زبردست مہم چلائے گی۔ اس کاروبار سے جڑی ہوئی جو عورتیں بوڑھی اور عمر رسیدہ ہوں گی ان کو وہاں سے نکال کر اس مقصد سے قائم کیے گئے 'خواتین کے علحدہ مراکز' میں رکھا جائے اور ان کی حسب صلاحیت ملک اور سماج کی خدمت کے متنوع کاموں میں ان کو لگایا جائے گا۔ کم سن بچیوں کو وہاں سے الگ کر کے الگ سے آباد کیا جائے گا اور ان کی تعلیم اور آئندہ باعزت زندگی کو یقینی بنایا جائے گا۔ سب سے اہم مسئلہ اس سلسلے میں ان جوان عورتوں کا ہے جو حالات کی مجبوری سے قحبہ گری کے پیشے میں سرگرمی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور اسے ایک طرح سے

کاروبار سمجھ کر انھوں نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا ہے۔ ناموافق حالات اور گندے اور ناپاک ماحول کے اثرات سے بہت کچھ انسان کی اخلاقی قوت اور حس مردہ پڑ جاتی ہے، چناں چہ آج اس طبقے کی خواتین کی ایک تعداد ہے جو اس پیشے کو ایک مستقل کاروبار سمجھنے لگی ہے اور اسی کے لحاظ سے وہ اپنے لیے حقوق اور 'تحفظات' کی طالب ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس حوالے سے اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنے سے قاصر ہوگی۔ قحبہ گری اور بیسوائی کے پیشے پر فوری طور پر پابندی عائد کی جائے گی۔ اس کے مراکز پر فوری طور پر تالا ڈالا جائے گا اور جلد سے جلد اس کے بدنام علاقوں کی نئی باوقار شناخت قائم کی جائے گی۔ یہ بدنام زمانہ پیشہ انسانیت کے نام پر داغ ہے۔ بنت حوا کی اس سے بڑھ کر بے عزتی اور ناقدری کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس کے سلسلے میں کسی قسم کی نرمی اور رعایت کے بغیر اسلام کی نجات دہندہ تحریک وطن عزیز سے اس کے خاتمے کے لیے سرگرم عمل ہوگی۔ ظاہر ہے اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس پیشے سے وابستہ جوان لڑکیوں اور عورتوں کو اس سے نکال کر جلد سے جلد ان کو شادی کے بندھن میں باندھا جائے۔ اپنی مرضی کے خلاف اس پیشے میں جھونک دی گئی مسلمان خواتین کے لیے اسلام کی چار شادیوں کی رخصت اور اجازت بہت کام آئے گی، جس سے وہ فائدہ اٹھاسکتی ہیں۔ اس پیشے میں لگی غیر مسلم خواتین کے سلسلے میں ان کی باز آبادکاری اور بحالی کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک ان کی متعلق قوم اور ان کے مذہبی رغیر مذہبی نمائندوں سے درخواست کرے گی کہ وہ اپنے مذہب اور تہذیب کے مطابق ان کی نئی زندگی کا سامان کریں۔ اس پیشہ میں پھنسی مسلمان خواتین کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک چار شادیوں کی اوپر کی رخصت کے حوالہ سے دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی کی حیثیت سے ان کی آبادکاری اور بحالی کی بھرپور مہم چلائے گی۔ وہ اس کے حق میں مسلمان رائے عامہ کو ہموار کرے گی کہ ایسی عورتوں کو پہلی بیوی کی صورت میں بھی قبول کیا جائے۔ اس لیے کہ اگرچہ کتاب اللہ میں اس کی صراحت ہے کہ:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ز وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ o (النور:۳)

"زناکار مرد کا نکاح زناکار عورت یا مشرک عورت سے ہی ہوسکتا ہے، اسی طرح زناکار عورت سے کوئی زناکار مرد یا مشرک مرد ہی شادی کرسکتا ہے۔ اہل ایمان کے لیے ایسے لوگوں سے رشتہ کرنا حرام ہے۔"

اسی طرح اسی سورہ میں آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ (النور:۲۶)

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہے، اس کے برعکس پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔''

لیکن یہ بات عام حالات کے لحاظ سے ہے۔ اور یہاں مخصوص صورت حال درپیش ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں جو زانی مردوں اور عورتوں کو مشرک مردوں اور عورتوں کے برابر قرار دیا گیا ہے تو اس کا مطلب اہل کفر و شرک کی کوئی تحقیر و تذلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف حقیقت واقعہ کا بیان ہے۔ اہل کفر و شرک کے یہاں نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کی وہ باقاعدگی نہیں ہے جو اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے امتیازات سے ہے۔ اس لیے ان کے یہاں نکاح اور شادی کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی اکثر صورتوں میں بدکاری اور بے حیائی میں بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں برادران وطن کے معاملات کے گہرے جائزے سے اس کا بہ آسانی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے ہٹ کر آیات بالا میں بلاشبہ یہ کہا گیا ہے کہ کام کا ہوتے ہوئے بھی بدچلن اور بدکار مرد و عورت کا جوڑ انھی کے درمیان ملتا ہے اور خبیث و بدباطن عورت و مرد ایک دوسرے کے لیے ہی زیادہ سازگار اور حسب حال ہیں۔ پاک باز اور سچے مسلمان مرد و عورت کے لیے اپنے سے برعکس سے نکاح اور رشتہ کا معاملہ بہت مشکل ہے۔ اور ان دونوں کا کسی صورت سے جوڑ نہیں لگتا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا۔ بات عام حالات کے لحاظ سے ہے اور یہاں صورت حال مخصوص ہے۔

چناں چہ اس موقع کے لیے شریعت کے راز دانوں نے پاک باز مردوں کے لیے بھی اس کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ گنہ گار اور بدکار عورتوں سے شادی کر سکتے اور ان کے لیے باعزت زندگی کی سبیل پیدا کر سکتے ہیں۔ چناں چہ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّب م ۹۳ھ سورۂ نور کی اوپر کی آیت کریمہ:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ (النور:۳)

”زنا کار عورت یا مشرک عورت سے ہی شادی کر سکتا ہے، اسی طرح زنا کار عورت کی شادی زنا کار مرد یا مشرک مرد سے ہی ہو سکتی ہے۔“

کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ یہ اسی سورہ کی بعد آیت کریمہ سے منسوخ ہے، جس میں مسلمان معاشرے کے ذمے دار افراد کو مطلق بے نکاح مردوں اور عورتوں کو اس کے بندھن میں باندھ دینے کا حکم ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ط

(النور:۳۲)

”اور تم میں سے جو (مرد و عورت) بے نکاح کے ہوں، اسی طرح تمھارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نیک اور صالح ہوں انھیں (جلد سے جلد) نکاح کے بندھن میں باندھ دو۔“

اس کو نقل کرنے کے بعد فقہ حنفی کے تیسرے اہم ستون حضرت امام محمد م ۱۸۹ھ اس کے حق میں اپنی رائے دیتے ہیں، ساتھ ہی اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ عام فقہاء کی یہی رائے قرار دیتے ہیں:

قال محمد و بهذا ناخذ و هو قول ابی حنيفة والعامة من فقهائنا لا باس بتزوج المرأة و ان كانت قد فجرت و ان يتزوجها من لم يفجر۔ (۱)

”امام محمدؒ کہتے ہیں کہ یہی ہمارے رائے ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ اور ہمارے دوسرے فقہاء کا عام طور پر یہی قول ہے کہ عورت سے اگر بدکاری کا صدور ہوا ہو جب بھی اس سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی عورت سے وہ شخص بھی شادی کر سکتا ہے جس نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہ کیا ہو۔“

جس کا مطلب ہے کہ اس طرح کی دیگر عورتوں کے ساتھ آج کے زمانہ کی طوائفوں اور کسبیوں کے ساتھ بھی اچھے اور نیک مسلمان شادی کر سکتے ہیں اگر وہ اپنے گنہ گار پیشے سے نکل کر شریعت کے مطابق پاک باز عورتوں کی زندگی بسر کرنی چاہتی ہوں۔ علامہ ابن رشد قرطبی م ۵۹۵ھ بھی اسے جمہور فقہاء کی رائے قرار دیتے ہیں کہ زنا کار اور بدکار عورت سے شادی کی جا سکتی ہے:

(۱) موطا امام محمد ص ۴۰۵، باب التفسیر، خورشید بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۲ء۔

واختلفوا فی زواج الزانیة فاجازها الجمهور۔(۱)

''اور بدکار عورت سے شادی کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کو جائز رکھا گیا ہے۔''

اس کی دلیل میں جمہور فقہاء اوپر کی سورۂ نور کی آیت کریمہ:

...وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (النور:۳)

''...اور زنا کار عورت سے زنا کار مرد اور مشرک مرد ہی شادی کر سکتا ہے۔ اہل ایمان کے لیے ایسے مرد و عورت سے رشتہ کرنا حرام ہے۔''

کو حرمت کے بہ جائے مذمت پر محمول کرتے ہیں۔ اس کے حق میں ان کی دلیل نبی ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کی طرف سے اپنی بیوی کے آوارہ اور بدچلن ہونے کے اعتراف کے باوجود انھیں اس کو اپنے نکاح میں باقی رکھنے کی اجازت دی۔ تو جب ایسی عوت کو نکاح میں باقی رکھا جا سکتا ہے تو اس سے نیا نکاح بھی کیا جا سکتا ہے:

ان رجلا قال للنبی ﷺ فی زوجته انها لا ترديد لامس، فقال له النبی ﷺ طلقها، فقال له: إنی احبها۔ فقال له: امسکها۔(۲)

''ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنی بیوی کے متعلق شکایت کی کہ وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں لوٹاتی ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تو تم اس کو طلاق دے دو۔ اس پر ان کا کہنا تھا کہ لیکن میں اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تو پھر اس کو اپنے پاس رہنے دو۔''

دور آخر کے راز دار شریعت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ بھی توبہ کر لینے پر پیشہ کرنے والی عورت سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں:

و منها کون المرأة زانیة مکتسبة فلا یجوز نکاحها حتی تتوب و تقلع من فعلها ذٰلک۔ (۳)

(۱، ۲) بدایۃ المجتہد: ۲/۴۰، دار المعرفۃ، بیروت۔

(۳) حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۳۳، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

''عورت اگر بدکار اور پیشہ کرنے والی ہو تو اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور اپنے پیشے سے باز آجائے۔ (ایسا کر لینے پر اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے)۔''

اس سے بہت پہلے علامہ ابن حزم ظاہری م ۴۵۶ھ صراحت کر چکے ہیں کہ بدکار عورت توبہ کر لے اور بدکاری سے باز آجائے تو اس سے پاک باز مسلمان کے لیے بھی شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنی شاہ کار 'المحلی' میں فرماتے ہیں:

ولا تحل للزانية ان تنكح احدا لا زانيا ولا عفيفا حتى تتوب فاذا تابت حل لها الزواج من عفيف حينئذ۔(۱)

''(مسلمان) زنا کار عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ زنا کار (مسلمان) مرد یا پاک باز کسی سے شادی کر سکے۔ لیکن جب وہ زنا کاری سے توبہ کر لے تو اس کے لیے اس وقت پاک باز مرد سے شادی کرنا حلال ہوگا۔''

یہی بات آگے مسلمان زنا کار مرد کے سلسلے میں کہی گئی ہے کہ اسی طرح اگر وہ بھی توبہ کر لے اور زنا کاری سے باز آجائے تو اس کے لیے پاک باز مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اس کی روشنی میں خاص طور پر مسلمان طوائفوں اور ان کے مسلمان گاہکوں دونوں کے لیے پاک بازی کی زندگی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

چناں چہ آگے ہے:

ولا يحل للزاني المسلم ان يتزوج مسلمة لا زانية ولا عفيفة حتى يتوب فاذا تاب حل له نكاح العفيفة المسلمة حينئذ۔(۲)

''مسلمان زنا کار کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ مسلمان زنا کار پاک باز عورت کسی سے شادی کر سکے۔ یہاں تک کہ وہ اس گناہ سے توبہ کر لے تو جب وہ توبہ کر لے تو اس کے لیے اس وقت پاک باز مسلمان عورت سے نکاح کرنا حلال ہوگا۔''

(۱،۲) فخر الاندلس ابو محمد علی بن احمد بن حزم م ۴۵۶ھ: المحلی: ۹/۴۷۴، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ (مصر) ۱۳۵۱ھ، طبعہ اولی، بہ تحقیق: محمد منیر الدمشقی صاحب الادارۃ۔

اس کی آمدنی کی حرمت

سماج سے قحبہ گری کی لعنت کے خاتمہ کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک اوپر کی تفصیل سے پیشہ ور طوائفوں کی باز آباد کاری کا اہتمام کرے گی۔ ساتھ ہی اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کی برائی اور خرابی کے سلسلے میں رائے عامہ کو پوری شد و مد کے ساتھ ہموار کرے گی۔ بدکاری اور بے حیائی کے اس دھندھے سے حاصل ہونے والی کمائی نہ ایسی کسی عورت کے لیے حلال ہے، نہ اس کی دلالی کرنے والے یا اس پیشے کا ریکٹ چلانے والے کسی فرد یا افراد کے لیے یہ حلال ہوسکتی ہے۔ چناں چہ اللہ کے آخری رسول ﷺ اپنی مختلف اور متعدد احادیث میں اسی طرح کی بعض دوسری آمدنیوں کے ساتھ قحبہ گری کے پیشے سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مطلق حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم میں صحابی رسول حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے:

أن رسول الله ﷺ نهي...عن مهر البغي... (۱)

"اللہ کے رسول ﷺ نے... پیشہ کرنے والی عورت کی آمدنی سے منع فرمایا ہے...."

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں اس کے الفاظ ہیں:

شر الكسب مهر البغي... (۲)

"سب سے بدترین کمائی پیشہ کرنے والی عورت کی آمدنی ہے۔"

نیز یہ کہ:

ومهر البغي خبيث ... (۳)

"پیشہ کرنے والی عورت کی آمدنی ناپاک ہے...."

یہ احادیث آزاد عورتوں سے متعلق ہیں جنھیں بدقسمتی سے بدکاری کے اس پیشے میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب البيوع، باب كسب البغي والاماء۔ صحيح مسلم جلد ۳۔ كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب و حلو ان الكاهن و مهر البغي والنهي عن بيع السنور۔

(۲) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

(۳) صحیح بخاری، حوالہ مذکور۔

ڈھکیل دیا گیا ہو یا وہ اس میں آنے کے لیے مجبور ہو گئی ہوں۔ اس کے علاوہ عرب میں رواج تھا کہ لوگ اپنی باندیوں سے قحبہ گری کا یہ دھندہ کراتے اور اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ حدیث میں اس کی بھی ممانعت کی گئی:

نھی النبی ﷺ عن کسب الاماء۔ (۱)

''نبی ﷺ نے باندیوں سے پیشہ کرانے کی ممانعت فرمائی ہے۔''

سورۂ نور کی یہ آیت کریمہ بھی عرب کے اسی برے رواج سے متعلق ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کی باندیاں بھی مجبور کن حالات میں ہی اپنے کو اس پیشے سے وابستہ کرتی تھیں۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس سے فوراً رک جانے کی تاکید کی:

...وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (النور:۳۳)

''...اور اپنی نوخیز باندیوں کو زبردستی بدکاری میں مت لگاؤ اگر وہ (اس کے بجائے) پاک بازی کی زندگی بسر کرنی چاہتی ہوں۔ تاکہ (اس کے ذریعہ) تم دنیا کی زندگی کا مال و دولت حاصل کر سکو۔ اور جو (اس کے باوجود) ان کو زبردستی اس کام میں لگائے تو اس کے پیچھے کہ ان کے ساتھ زبردستی کی گئی اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

قحبہ گری کی بدترین صورت

قحبہ گری کی بدترین صورت وہ ہے جو ہمارے برادران وطن میں 'دیوداسی نظام' کے نام سے رائج ہے۔ جس کی تفصیل کتاب کے پہلے باب میں آچکی ہے۔ ہندو بھائیوں میں اس رسم کا مذہبی تقدس محض ایک دھوکہ ہے۔ جن دیوتاؤں سے ان مظلوموں کی شادی کرائی جاتی ہے ان سے ان کا تعلق کبھی قائم نہیں ہوتا۔ عملاً یہ ان کے پجاریوں ہی کے کام آتی اور ان کی داشتاؤں کی صورت میں زندگی گزارتی ہیں۔ پرانے زمانہ میں باندیوں کو بھی بہت سے حقوق حاصل تھے۔

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب کسب الاماء۔

لیکن یہ ان سے بھی محروم ہیں۔ وطن عزیز کے ترقی یافتہ صوبوں مہاراشٹر، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں خاص طور پر ان کی بدحالی ہمارے سبھیہ سماج کے لیے ایک کلنک ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی تازہ اطلاع کے مطابق انھوں نے اپنی بحالی اور بازآبادکاری کے لیے مستقل تنظیم بنائی ہے۔ ہماری تمام تر ہم دردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اوپر کسبیوں کی فلاح اور بہتری کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی جو تعلیمات ہیں، یہ اور ایسی دیگر تنظیمیں بھی اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ اس موقع پر ایک بار پھر ہم برادران وطن کے مخصوص طبقے کی توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول کرانی چاہتے ہیں۔ کاش کہ دوسروں کو نشانہ بنانے کے بہ جائے وہ اپنے گھر کی اصلاح کی طرف توجہ دیتے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس پر ان کی تہ دل سے شکر گزار ہوگی۔

عشقیہ شادی

اس گفتگو میں ایک مسئلہ عشقیہ شادی (Love Marriage) کا ہے۔ اس کو بھی حل کر لینا چاہیے۔ اسلام گھر اور خاندان کے اندر ماں باپ اور اولاد کے درمیان محبت اور اعتماد کی جو فضا قائم کرتا ہے، اس کے پیش نظر یہ ہر طرح سے مناسب اور پسندیدہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی شادی ماں باپ کی مرضی سے ہو۔ اور ان کی پسند اور انتخاب کو اس معاملے میں کلیدی درجہ حاصل ہو۔ جیسا کہ اب تک شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک مسلمان معاشرے کا اسی پر عمل رہا ہے۔ البتہ بدلے حالات میں ایسی صورت پیش آسکتی ہے کہ بعض یا بسا اوقات ماں باپ کے مقابلے میں لڑکے اور لڑکی کی پسند دین سے زیادہ قریب اور اس کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہو۔ ماں باپ تعلیم کی کمی یا اپنے مخصوص سماجی اور تہذیبی پس منظر میں لڑکے اور لڑکی کے سلسلے میں ایک خاص طرح کے رشتے کو ترجیح دیتے ہوں۔ اور وہ اپنی دینی تعلیم یا دینی جماعت اور تنظیم سے وابستگی کے سبب دوسرے رشتے کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہوں۔ اس طرح کی صورت حال میں مسلمان اکثریتی ملکوں میں وہاں کی حکومت اور نظام قضا کو اس کے حل میں موثر کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور ماں باپ اور اولاد میں ٹکراؤ سے بچ کر ان کے لیے دین و شریعت سے قریب تر فیصلے میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ ہندستان اور امریکہ جیسے ملکوں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں کے ان

قائم کردہ نظام عدالت وقضا، دینی اداروں اور تنظیمات کو اس خلا کو پر کرنا چاہیے۔ اور شادی کے بہتر انتخاب میں متعلق خاندانوں کو راحت پہنچانی چاہیے۔

لیکن اگر کسی موقع پر لڑکے اور لڑکی کا ماں باپ کی پسند سے الگ اپنی مرضی اور پسند سے شادی کے لیے اصرار ہوتا ہے تو ماں باپ اور ان کے خاندان یا دوسرے لفظوں میں قریبی اولیاء کو اس کو اپنی ناک اور انا کا مسئلہ نہ بنا کر اور بے جا ضد اور ردعمل کا شکار ہوئے بغیر اپنے فیصلے اور پسند پر شریعت کے فیصلے اور پسند کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں جہاں تک جوان اور بالغ لڑکے کا سوال ہے تو معلوم ہے کہ شادی کے معاملے میں اس کے باپ کے دخل کا معاملہ تمام تر اخلاقی اور غیر سگالانہ ہے۔ شوہر آشنا یعنی کہ دواہ لڑکی کو بھی اپنی شادی کے معاملے میں حدیث میں بااختیار قرار دیا گیا ہے۔ صرف مسئلہ کنواری لڑکی کا رہ جاتا ہے، سو اسی حدیث نبویؐ میں صراحت ہے کہ اس سے بھی اپنی شادی کے معاملے میں استخراج کیا جائے گا۔[1] اس بنا پر کسی موقع پر اگر اس کا اپنے ماں باپ سے شادی کے معاملے میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو حدیث زیر نظر کے بموجب ہر حال میں اس کی پسند پر ماں باپ کی پسند کو ہی ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس کی پسند کا بھی اسی طرح لحاظ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے آج کی مروج اصطلاح کے مطابق عشقیہ شادی (Love Marriage) کے معاملے میں مسلمان معاشرے میں غیر ضروری سختی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے مستقل درپے آزار ہونا، یہاں تک کہ اس سے آگے ان کو قتل کردینے کا انتہائی اقدام کر ڈالنا سرتاسر جہالت اور ایک طرح سے شریعت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ آخرت کی سزا سے پہلے اس کے باعث ایسے ظالموں کے لیے دنیا میں ہی عذاب اور غضب خداوندی کا شکار ہونے کا خطرہ ہے۔

علماء اسلام نے اس معاملے میں یہاں تک لچک رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرلے اور اس کے بعد اس سے شادی کرلے تو اس کا یہ نکاح درست کہا جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے مسلمان معاشرے میں اس کو لعن طعن کا شکار اور اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ یہ مشہور تابعی فقیہ عراق حضرت علقمہ بن قیس م ۶۲ھ کا فتویٰ ہے، جس کی روایت فقیہ تابعی حضرت ابراہیم نخعی م ۹۶ھ سے ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

---

(۱) تفصیل کے لیے ہماری کتاب 'اسلام کا نظریۂ جنس' اولیاء کا دخل' ص ۳۱۲، اور اس سے آگے۔ مطبوعہ ادارہ علم وادب علی گڑھ، بار دوم ۲۰۰۰ء ۱۴۲۱ھ۔

عن ابراهيم قال جاء رجل الٰى علقمة بن قيس فقال رجل فجر بامرأة اله ان يتزوجها قال نعم۔

''ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علقمہ بن قیسؒ کے پاس آیا۔ اس نے مسئلہ دریافت کیا ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ بدکاری کر لی۔ کیا اب وہ اس سے شادی کر سکتا ہے۔ ان کا جواب تھا: ہاں، کر سکتا ہے۔''

اس کے بعد دلیل میں انھوں نے سورۂ شوریٰ کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

ثم تلا هٰذه الآية: وَ هُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۙ (شوریٰ:۲۵) (۱)

''پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔''

اجنبی عورت کے ساتھ زنا کی یہ صورت اچانک ہونے کے علاوہ دونوں کے درمیان طویل عشق و محبت کا بھی نتیجہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ تو جب اس انتہائی صورت کے بعد مرد و عورت نکاح کے بندھن میں بندھ سکتے ہیں تو سادہ عشق و محبت کی شادی کا معاملہ اس سے بہت ہلکا ہے اور مسلمان معاشرے کو مخصوص حالات میں اس کو اس سے بڑھ کر گوارہ کیا جانا چاہیے۔ اس پس منظر میں پڑوسی مسلمان ملک پاکستان کی یہ صورت حال فوری اصلاح کی طالب ہے، جس میں عشقیہ شادی کی صورت میں لڑکے اور لڑکی کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر اس ظلم کا نشانہ عورتیں بنتی ہیں جن کو 'ناموس' کے نام پر جان سے مار دیا جاتا ہے۔ پاکستانی افسران کے مطابق ۱۹۹۸ء سے اس وقت ۲۰۰۴ء تک میں صرف چھ سال کے عرصہ میں اس ملک میں چار ہزار سے زیادہ عورتیں اس 'ناموس' کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔(۲)

---

(۱) امام محمد م ۱۸۹ھ: کتاب الآثار ر ۶۶ طبع قدیم شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتاب لاہور ۱۹۱۱ء۔

(۲) (ا) راشٹریہ سہارا دہلی ۱۲ر جولائی ۲۰۰۴ء، خبر زیر عنوان: محبت کی شادی کرنے والا پاکستانی جوڑا جان بچانے کے در در بھٹکنے کے لیے مجبور۔ غیر مسلموں کے علاوہ اس کے اکا دکا واقعات ہندستان میں مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن پڑوسی ملک میں اس کا اوسط غیر معمولی ہے جو وہاں کے علماء اور مصلحین کے لیے فوری توجہ کا طالب ہے۔

باب سوم

فلاح اطفال

صنف نازک یعنی کہ خواتین اور عورتوں کی طرح معاصر دنیا میں بچوں کی صورت حال بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ غربت وافلاس، بیماری اور لاچاری، تعلیم وتربیت سے محرومی، قبل از وقت کام اور مشقت کی اذیت یعنی کہ بچہ مزدوری (Child Labour) کی صورت میں جسمانی استحصال کے ساتھ اطفال بردہ فروشی اور اطفال قحبہ گری کی شکل میں ان کا جنسی اور نفسیاتی استحصال بھی آج کی ترقی یافتہ دنیا کے سنگین مسائل کا ایک حصہ ہے، جس کی تفصیل کتاب کے پہلے باب میں پیش کی جاچکی ہے۔ عالمی سطح پر بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے یونیسف، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) اور انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) جیسے اداروں اور تنظیموں کی طرف سے بہت کچھ کیا گیا ہے اور کیا جارہا ہے، جو ہر طرح سے قابل تعریف اور لائق تشکر ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود ہندستان ہی نہیں ہندستان سے باہر بھی آج بچوں کا حال خراب ہے اور وہ بے شمار مسائل اور پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ معاشرہ کی کسی اکائی کی بہتری اور بھلائی کے لیے جب تک بالکل نچلی سطح پر تحریک نہ اٹھے اور ہر گھر اور اس کا گردوپیش اپنی بہتری کے لیے فکرمند نہ ہوجائے، اس سلسلے کی کوئی خارجی کوشش اور وقتی مہم صورت حال میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا نہیں کرسکتی اور کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ آدمی جب تک اپنے اندر سے صحت مند اور توانا نہ ہو اور اپنی مضبوط قوت دفاع سے اس کے اندر بیماریوں کو دور بھگانے کی صلاحیت نہ ہو، وقتی علاج اور اس کی ہنگامی مہم سے اس کی صحت وتن درستی کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔ موجودہ دور میں بچوں کی فلاح و بہبود کا معاملہ بھی کچھ اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس کے حل کے لیے بالکل جڑ میں اور گہرائی میں اتر کر اس کی پریشانیوں کو حل کرتی اور اس کے دکھوں کا درماں پیش کرتی ہے۔ آگے کے مرحلے میں وہ ان تمام سوراخوں کو بند کرتی اور آفتوں کا خاتمہ کرتی ہے، جو کسی پہلو سے لڑکے اور لڑکی کی ہمہ جہتی ترقی کو متاثر کرتی

ہوں اور جن کی وجہ سے ان کے لیے اپنی منزل تک پہنچنے میں رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہوں۔ ذیل میں بچوں کی بہتری کے سلسلے میں اللہ کے آخری دین - اسلام - کی انھی تعلیمات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے جسے آج کے مذاق کے رعایت سے ہم اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا نام دیتے ہیں۔

پیدائش سے پہلے اولاد کی بہتری کی فکرمندی

اسلام کا پہلا امتیاز یہ ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش سے پہلے ماں باپ کے اندر ان کی ہمہ جہتی بھلائی اور بہتری کی فکرمندی پیدا کرتا ہے۔ سورۂ اعراف میں رحم مادر میں بچے کی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے اس کے آخری مرحلے میں جب کہ اس کی پیدائش کا وقت قریب ہوتا ہے کہ ماں باپ کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے صحیح سالم اور صحت مند اور توانا اولاد کے لیے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں:

...فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۝ (الاعراف:۱۸۹)

"...تو جب مرد عورت کو ڈھانک لیتا ہے تو اسے ہلکا حمل رہ جاتا ہے جسے وہ لیے پھرتی ہے۔ پھر جب وہ زیادہ بھاری ہوجاتی ہے (اور بچے کی پیدائش قریب ہوجاتی ہے) تو شوہر بیوی دونوں مل کر دعا مانگتے ہیں کہ (خدایا!) اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اور تن درست اولاد دی تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزار ہوں گے۔"

اس موقع پر اولاد کے 'صالح' ہونے کا مطلب اس کا تن درست اور تمام طرح کی جسمانی کم زوریوں اور معذوریوں سے پاک ہونا ہے۔ اولاد کا نیک، خدا ترس اور دین دار ہونا مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ مشرک والدین کا تذکرہ ہے جو اپنی طلب اور دعا کے مطابق صحت مند اور صحیح سالم اولاد کے پا جانے کے بعد ایک اللہ کا شکر گزار ہونے کے بہ جائے اپنے دیوی دیوتاؤں اور جھوٹے خداؤں کو اس عنایت میں شریک ٹھہرانے لگتے ہیں، جس کی آیت کریمہ میں تردید کی گئی ہے۔ چناں چہ آگے ہے:

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ (الاعراف:۱۹۰)

"تو جب اللہ انھیں صحیح سالم اور تن درست اولاد دے دیتا ہے تو جو اللہ نے انھیں دیا ہے اس میں وہ دوسروں کو ساجھی ٹھہراتے ہیں۔ تو اللہ کی ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے جسے وہ اس کے ساتھ ساجھی ٹھہراتے ہیں۔"

قرآن میں اس طرح کے موقع پر 'صلاح' کے مادے اور اس کے مشتقات کے استعمال میں جسمانی توانائی اور جسمانی صحت مندی (Fitness) کا پہلو غالب ہے۔ جلیل القدر پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا کی جو ان کا جانشین ہو اور ان کے بعد ان کے پیغمبرانہ مشن کو آگے بڑھائے تو قرآن کی صراحت کے مطابق آں جناب تو اپنے بڑھاپے کی آخری منزل میں تھے ہی جس میں ان کی ہڈیاں گھل چکی تھیں اور ان کے بال سفید بھوا ہو چکے تھے[1] اس کے ساتھ ہی ان کی اہلیہ محترمہ بانجھ 'عاقر' تھیں جن کے اولاد ہونے کی کوئی توقع نہ تھی[2] لیکن دنیا نے دیکھا کہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسی اولاد عطا ہوئی جو قرآن کے بیان کے مطابق نبی ہونے کے ساتھ دوسری بہت ساری خوبیوں اور امتیازات کے مالک تھے[3] قرآن نے اس موقع کے لیے بھی ان کی بیوی کے لیے 'صلاح' سے مشتق 'اصلحنا' کا استعمال کیا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ ...

(الانبیاء: ۹۰)

"تو ہم نے زکریاؑ کی دعا سن لی اور اس کو یحییٰؑ (جیسی اولاد) عطا کی۔ اور (اس مقصد سے) اس کے لیے اس کی بیوی کو درست بنا دیا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر اولاد کے لیے 'صالح' کی دعا میں اس کا جسمانی طور پر صحت مند اور توانا ہونا سرفہرست ہے۔ قرآن میں اس مادے کے دوسرے استعمالات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سورۂ احقاف میں ایک خدا ترس، ذمے دار اور فرض شناس انسان کا بیان ہے جو اپنے رب کا شکر گزار ہونے کے ساتھ اسی طرح اپنے ماں باپ کا احسان مند اور ان کا وفادار ہے۔ اور ان کے اوپر اللہ رب العزت کے احسانات کا بھی اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کی دعا کا حصہ ہے:

---

(۱) مریم: ۴۔ نیز آل عمران: ۴۰۔

(۲) مریم: ۴۔ نیز آل عمران: ۴۰۔

(۳) آل عمران: ۳۹۔ مریم: ۱۲-۱۵۔

... وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ... (الاحقاف:۱۵)

”...اور یہ کہ مجھ کو نیک عمل کی توفیق حاصل ہو۔ جس کو تو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے۔ اور تو میرے لیے میرے خانوادے کو کام کا بنا دے۔“

اس دعا میں اپنی اولاد[1] کے لیے جس بھلائی 'صلاح' کا تذکرہ ہے اس میں نیکی اور دین داری کی بھلائی کے ساتھ جسمانی صحت اور ذہنی اور عقلی صحت مندی کی بھلائی بھی اسی طرح شامل ہے۔ اس لیے کہ دوسرے موقع پر رحمٰن کے پسندیدہ بندوں کے اوصاف میں ان کی طرف سے اپنے بیوی بچوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا میں ان کے تقویٰ اور خوفِ خدا کے ساتھ ان کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک 'قرۃ اعین' بنائے جانے کی بھی دعا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان:۷۴)

”اور (رحمٰن کے محبوب بندے وہ ہیں) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے لیے وہ بیوی بچے عطا کر جو (ہمارے لیے) آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔ اور (اس طرح) تو ہم کو متقیوں کا سردار بنا دے۔“

آیت کریمہ کے آخری حصے میں متقیوں کا امام بنائے جانے کی جو دعا ہے وہ اولاد کے لیے تقویٰ اور صالحیت کی دعا کے لیے صریح ہے۔ اس لیے کہ آدمی متقیوں کا امام اسی صورت میں بنے گا جب کہ اس کے بیوی بچے اس صفت سے آراستہ ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی اس آیت کریمہ کی یہ معروف تفسیر ہے[2] لیکن اس سے پہلے کے ٹکڑے آنکھوں کی ٹھنڈک 'قرۃ اعین' کو عام رکھنا چاہیے جس میں نیکی اور بھلائی اور اللہ کے دین کی پیروی کے ساتھ بیوی بچوں کا صحت مند اور تن درست و توانا اور مال دار اور خوش حال وغیرہ ہونا سبھی کچھ شامل ہے، جس کی ایک ماں باپ اپنی اولاد کے سلسلے میں تمنا کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کے

---

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس موقع پر 'ذریت' کا یہی ترجمہ 'اولاد' اختیار کیا ہے۔ تفسیر موضح القرآن ص ۸۳۳، تاج کمپنی لاہور، کراچی، طبع قدیم۔

(۲) موضح القرآن ص ۶۰۷، خیال رہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس موقع پر بھی 'ذریت' کا ترجمہ 'اولاد' سے کیا ہے۔ موضح، حوالہ بالا۔

اس محاورے کے دوسرے استعمالات میں دنیوی راحت اور مسرت کا پہلو ہی غالب ہے۔
حضرت مریم علیہا السلام کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی خرق عادت پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزانہ طور پر جو ان کے لیے تازہ کھجوروں اور پانی کا انتظام کیا گیا تو اس کی خوش خبری سناتے ہوئے فرشتے نے ان سے اسی محاورہ کا استعمال کیا جو اس موقع پر واضح طریقے سے دنیوی راحت اور مسرت کے لیے خاص ہے:

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَ قَرِّي عَيْنًا ... (مریم:۲۶)

''تو (اے مریمؑ!) تم کھاؤ اور پیو اور بالکل بے فکر اور شادمان رہو۔''

تکلیف دہ جدائی کے بعد جب حضرت موسیٰؑ اپنی ماں کی گود میں واپس آئے تو اس موقع کے لیے بھی قرآن نے اسی محاورے کا استعمال کیا:

... فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ط...

(طٰہٰ:۴۰) (۱)

''تو (اے موسیٰؑ!) ہم نے تم کو تمھاری ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے اور اس کا غم جاتا رہے۔''

اس سے بھی زیادہ صریح سمندر میں تیرتے ہوئے تابوت سے حضرت موسیٰؑ کو پانے کے بعد فرعون کے اس ردعمل میں اس کا استعمال ہے جس میں وہ اپنے ساتھ اپنے کافر شوہر کے لیے بھی ملنے والے بچے کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک 'قرۃ اعین' قرار دیتی ہے۔ قرآن کی صراحت سے فرعون کی بیوی نمونے کی مسلمان ہے[۲] لیکن اس کے بدترین کافر شوہر کے لیے اس بچے کا آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا دنیا کے فائدے کے پہلو سے ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس موقع پر اس کا صاف صاف تذکرہ بھی ہے، جو ترجیحی طور پر اس کے صحت مند اور تن درست و توانا ہونے کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے بغیر کسی اولاد سے دنیوی فائدے اور منفعت کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے:

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ صلے عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (قصص:۹)

---

(۱) نیز: قصص:۱۳

(۲) تحریم:۱۱

''اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میری اور تمھاری دونوں کی نگاہوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ (اے حکومت کے کارندو!) اس کو جان سے مت مارنا۔ پوری امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا یا یہ کہ ہم اس کو (اپنا) بیٹا بنالیں گے۔ (لیکن آگے جو ہونے والا تھا) اس کا ان کو کچھ پتہ نہ تھا۔''

اسلام کے اولین مرجع اور اس کے اولین ماخذ میں جب دنیوی طور پر بچے کی صحت وتن درستی اور اس کی ذہنی اور جسمانی سلامتی کی یہ غیر معمولی تاکید ہو تو اس کی علم بردار نجات دہندہ تحریک میں انسانیت کے اس طبقے کی بھلائی اور بہتری کے سلسلے میں جو فکرمندی اور عملی منصوبہ بندی ہوگی اس کے سلسلے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سے متعلق آگے کی بحثوں سے اس کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

پرورش کی ضمانت

جب پیدائش سے پہلے بچے کے سلسلے میں اسلام کی یہ فکرمندی ہو تو پیدائش کے بعد اس کی طرف سے اس فکرمندی اور خبر گیری میں اضافہ ہی ہوسکتا ہے۔ چناں چہ ماں کے پیٹ سے نکل کر زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی قرآن باپ کی ذمے داری قرار دیتا ہے کہ وہ اس کی غذا اور خوراک اور اس کی پرورش و پرداخت کا ذمہ اٹھائے۔ پیدائش کے وقت شوہر اور بیوی کے تعلقات معمول کے اور خوش گوار ہوں اور ماں خوش دلی کے ساتھ بچے کو دودھ پلانے کو تیار ہو تو اس سے اچھی دوسری بات نہیں، لیکن بدقسمتی سے اس موقع پر دونوں کے تعلقات اچھے نہ ہوں اور شوہر بیوی کو طلاق دے چکا ہو جب بھی اگر ماں تیار ہو تو وہ پورے دو سال بچے کو دودھ پلائے جو اس کی پوری مدت ہے۔ جس کے بدلے میں اپنی حیثیت کے مطابق[1] شوہر کو اپنی مطلقہ بیوی کے کھانے اور پہننے کا بوجھ اٹھانا ضروری ہوگا۔ لیکن کسی وجہ سے اگر ماں اس مدت تک اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے تو باپ کے لیے کسی دوسری عورت سے مناسب معاوضے پر بچے کے لیے دودھ پلانے کا انتظام کرنا ہوگا[2] دوسرے موقع پر بعض دوسرے پہلوؤں کی وضاحت کے ساتھ 'رضاعت' کے اسی حکم کا اعادہ ہے۔ اسی موقع پر قرآن کی صراحت ہے کہ طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہو تو اس کی عدت کی مدت یہ ہے کہ اس کا حمل جن جائے[3] دودھ پلانے کی صورت میں شوہر کے اوپر اپنی مطلقہ عورت کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری کا بیان اوپر کی

(۱،۲) بقرہ: ۲۳۳

(۳) طلاق: ۴

سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ میں ہے۔ یہاں اس پر اضافہ ہے کہ طلاق کے بعد عدت کی اس مدت میں عورت کو حیثیت کے مطابق رہائش کی سہولت بھی فراہم کی جائے۔ حمل کے دوران سرکاری نفقہ سے ہٹ کر بھی گنجائش کے لحاظ سے عورت کے اوپر مزید خرچ کیا جائے۔ اور پیدائش کے بعد اگر وہ بچہ کو دودھ پلانے کو تیار ہو تو اس کو اس کا مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر بات نہ بیٹھے اور ماں اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے تو باپ دوسری عورت سے اس کے دودھ کے پلانے کا انتظام کرے۔ اور اس پورے مرحلے میں اللہ نے اس کو گنجائش دی ہے تو وہ تنگی سے کام نہ لے بلکہ بچے اور اس کی ماں اسی طرح دوسری دودھ پلانے والی پر دل کھول کر خرچ کرے۔(۱) جس سے کہ بچے کی بہتر سے بہتر پرورش اور پرداخت کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس میں یہ بات اپنے آپ شامل ہے کہ کسی وجہ سے دودھ پلانے کی دو سال کی اس مدت میں اگر بچے کے لیے اس کی حقیقی یا رضائی ماں کا دودھ کفایت نہ کرے یا ماں کو دودھ ہی نہ ہو اور دوسری دودھ پلانے والی دستیاب نہ ہو سکے تو ان تمام صورتوں میں باپ کے لیے اپنے بچے کے لیے باہر کے دودھ اور دوسری مناسب غذا کا انتظام کرنا ضروری ہوگا، جس سے کہ اس کی مناسب پرورش اور پرداخت ہو سکے اور وہ قلت تغذیہ اور بیماری کا شکار نہ ہو۔ حدیث میں باپ کے لیے اپنی زیر کفالت اولاد پر خرچ کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے آخری رسول ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غني و ابدأ بمن تعول۔(۲)

"سب سے عمدہ صدقہ خیرات وہ ہے جو مال داری پیچھے کیا جائے۔ اور شروعات ان سے کرو جو تمھارے زیر کفالت ہیں۔"

اسی طرح حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افضل دینار ینفقه الرجل دینار ینفقه علٰی عیاله....(۳)

---

(۱) طلاق:۶-۷

(۲) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب النفقات، باب وجوب النفقة علی الاهل والعیال۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الزکوٰة، باب ان الید العلیا خیر من الید السفلی و ان الید العلیا هی المنفقه و ان السفلی هی الآخذة۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الزکوٰة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوک اثم من ضیعهم اوحبس نفقتهم عنهم

''سب سے افضل دینار جسے کوئی شخص خرچ کرتا ہے وہ دینار ہے جسے وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔''

فقہ میں اس کی یہ قانونی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ 'اپنی کم سن اولاد کا نفقہ تنہا اس کے باپ کی ذمے داری ہے، جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے'(۱) ملی ذمہ داری سے ہٹ کر شوہر اور بیوی کے درمیان علحدگی ہو جائے تو انتظامی پہلو سے بچے کو پرورش کے لیے کس کے حوالہ کیا جائے ماں، نانی، دادی، بہنیں، خالائیں اور پھوپھیاں وغیرہ وغیرہ، (۲) فقہ اسلامی میں 'حضانت' کے عنوان سے اس کا ایک مستقل باب ہے جس کی تفصیل اس کے مقام پر دیکھی جا سکتی ہے(۳) یہاں تک کہ بچہ اگر مسلمان نہ بھی ہو تو کم سن ہونے کی صورت میں اس کا نفقہ اس کے باپ کے اوپر اسی طرح واجب ہوگا جس طرح کہ مذہب کے فرق کے ساتھ مسلمان شوہر پر اس کی غیر مسلم بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے(۴)

باپ کی عدم موجودگی میں اس کی کم سن اولاد کا نفقہ اپنی ترتیب سے اس کے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہوگا جس کے لیے اگر وہ خوش دلی سے تیار نہ ہوں تو ان کو اس کے لیے مجبور کیا جائے گا(۵) جس کی مزید تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اولاد کی عزت اور ان کے درمیان انصاف

اس کے ساتھ ہی اسلام میں اس بات کی غیر معمولی تاکید ہے کہ اولاد کی عزت کی جائے، اور پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت اور داد و دہش ہر معاملے میں ان کے درمیان انصاف اور برابری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ پہلے نکتے کے سلسلے میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

اکرموا اولادکم و احسنوا ادبھم۔ (۶)

''اپنے بچوں کی عزت کرو اور ان کی بہترین تربیت کا اہتمام کرو۔''

---

(۱) ہدایہ: ۲/ ۴۲۴

(۲) حوالہ سابق: ۲/ ۴۱۴

(۳) حوالہ سابق: ۲/ ۴۱۴

(۴) حوالہ مذکور: ۲/ ۴۲۵

(۵) ہدایہ: ۲/ ۴۲۶

(۶) سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب بر الوالد والاحسان الی البنات۔

اس حدیث نبویؐ میں مسلمان والدین کے لیے اپنی اولاد کے لیے عزت اور تکریم کا جو حکم ہے اس کا تقاضا ہے کہ اولاد کو بوجھ اور مصیبت سمجھنے کے بہ جائے اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ قرار دیا جائے، اور پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک جب تک وہ ان کے ساتھ رہے اس کی عزت نفس اور اس کے جذبات و احساسات کا ہر ہر قدم پر لحاظ رکھا جائے۔ آج کے ماحول میں خاص طور پر نادار، پس ماندہ اور جاہل طبقے میں والدین کی طرف سے اولاد کو جس طرح ہر وقت مارا پیٹا، ان کو ذلیل کیا جاتا اور ان کے ساتھ کم تر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے، آپ ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں ان کو اپنی فوری اصلاح کرنی چاہیے اور اولاد کے تئیں اپنے رویے کو تبدیل کرنا چاہیے۔ مسلمان ماں باپ کی طرح غیر مسلم والدین بھی نبی رحمت ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے اسی طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس ارشاد نبویؐ سے اولاد کی عزت اور تکریم کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جب کہ آج کے حالات میں اولاد کے ساتھ برتاؤ کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کا جو فرق ہے اور جس طرح ان کے درمیان کھلے امتیاز اور تفریق کو روا رکھا جاتا ہے، اس کے سلسلے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اولاد کی تربیت کی تلقین اس کے علاوہ نبی ﷺ کی دوسری احادیث میں بھی ہے:

من ولد له ولد فليحسن اسمه و ادبه۔ (۱)

”جس کسی کے بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی تربیت پر دھیان دے۔“

نیز یہ کہ:

مانحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن۔ (۲)

”سب سے اچھا عطیہ جو کوئی باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے وہ اس کی عمدہ تعلیم و تربیت ہے۔“

---

(۱) بیہقی فی شعب الایمان بہ حوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح و استیذان المرأۃ، فصل ثالث۔ رشیدیہ دہلی۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی ادب الولد۔ البتہ اس موقع پر یہ روایت 'مرسل' ہے۔ لیکن دوسری جگہ اس کے 'متصل' ہونے کا اشارہ ہے۔ تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ پردیس کی زندگی اور اسلام ص ۴۹۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول ۱۹۹۰ء۔

اسی طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ کا اولاد کے سلسلے میں دوسرا حکم ہے کہ ان کے ساتھ ہر معاملے میں انصاف اور برابری کا معاملہ کیا جائے۔ اور اولاد کے درمیان کسی پہلو سے نابرابری اور ناانصافی کو راہ نہ دی جائے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا ایسا ہی دوسرا مشہور فرمان ہے:

اعدلوا بین ابناء کم اعدلوا بین ابناء کم۔(۱)

"اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔"

جلیل القدر صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ نے آپ ﷺ کا یہ جو ارشاد نقل کیا ہے تو اس کا ایک خاص پس منظر ہے جس کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ اس پورے پس منظر میں ہی اس کا صحیح زور سمجھ میں آتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت نعمانؓ کے والد حضرت بشیر بن سعدؓ نے ان کی والدہ عمرۃ بنت رواحہؓ کے دباؤ اور اصرار پر ان کو اپنے ایک غلام یا باغ(۲) کا ایک ایسا عطیہ جس میں ان کے دوسرے بھائی بہنوں(۳) کا کوئی حصہ نہیں رکھا۔ لیکن حضرت نعمان کی والدہ کو اس پر اطمینان نہیں تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اس کے حق میں تائید حاصل ہو جائے اور وہ اس کے لیے گواہ بننا منظور فرمالیں۔ جناب بشیرؓ گواہی کی یہ درخواست لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس میں بلا وقف آپ ﷺ کا سوال تھا کہ کیا آپؓ نے اپنی دوسری تمام اولادوں کو بھی اسی طرح کا عطیہ دے رکھا ہے: اعطیت سائر ولدک مثل ھذا۔ جس پر ان کا جواب نفی میں تھا کہ نہیں میں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کا گواہ بننے سے انکار کیا اور اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ (۴)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔"

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل۔

(۲) 'غلام' کی صراحت کا صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الھبتہ و فضلھا والتحریض علیھا۔ باب الھبۃ للولد۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الھبات، باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ۔ جہاں اس کا ایک سے زائد بار تذکرہ ہے۔ باغ 'حدیقۃ' کا تذکرہ ابن حبان اور طبرانی کے یہاں ہے۔ بہ حوالہ فتح الباری: ۵ / ۲۱۲، طبع جدید، دارالباز بمکۃ۔

(۳) حضرت بشیرؓ کے بیٹوں یعنی کہ حضرت نعمانؓ کے بھائیوں کا تذکرہ صحیح مسلم میں ہے، حوالہ سابق۔ جناب بشیرؓ کی بیٹی کا ذکر ابن سعد کے یہاں ہے۔ اور اس کا نام 'ابیۃ' بتایا گیا ہے۔ بہ حوالہ فتح الباری: ۵ / ۲۱۳ محولہ بالا۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الھبۃ و فضلھا والتحریض علیھا، باب الاشھاد فی الھبۃ۔

یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم میں جہاں امام مسلم کے معروف طرز اس روایت کے تمام طریقوں کی تفصیل ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں:

اتقوا اللّٰہ و اعدلوا فی اولادکم۔(۱)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے معاملے میں انصاف سے کام لو۔"

باب کے آخر میں اس کے دوسرے الفاظ بھی ہیں:

قال قاربوا بین اولادکم۔ (۲)

"اپنی اولاد کے درمیان برابری کا برتاؤ کرو۔"

اس کے معنی بھی وہی ہیں جو اوپر کی روایت کے ہیں۔ چناں چہ شارح مسلم امام نووی کا اس کی تشریح میں کہنا ہے:

ای سووا بینھم فی اصل العطاء و فی قدرہ۔(۳)

"یعنی کہ جو چیز تم دے رہے ہو اور جس مقدار میں دے رہے ہو ان دونوں معاملوں میں تم ان کے درمیان برابری کا معاملہ کرو۔"

اس سے پہلے امام نووی اس روایت کی جامع تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و فی ھٰذا الحدیث انه ینبغی أن یسوی بین اولادہ فی الھبة و یھب لکل واحد منھم مثل الآخر ولا یفضل و یسوی بین الذکر والانثی۔(۴)

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ عطیہ کے معاملے میں اپنی اولاد کے درمیان برابری کا معاملہ کرے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو وہی اور اتنا ہی دے جتنا کہ دوسرے کو دے۔ کسی کو زیادہ نہ دے اور اس معاملے میں لڑکے اور لڑکی کا بھی فرق نہ کرے۔"

آگے وہ اس سلسلے میں بعض شوافع کا اختلاف(۵) نقل کرتے ہیں کہ باپ کی زندگی میں بھی

---

(۱) صحیح مسلم، حوالہ مذکور

(۲) صحیح مسلم، حوالہ سابق

(۳) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۴: ۱۱/ ۶۹، دار الریان للتراث القاہرہ، طبع اولیٰ ۱۹۸۷ء ۱۴۰۷ھ۔

(۴) نووی: ۱۱/ ۶۶ بحولہ بالا۔

(۵) نووی، حوالہ سابق۔ بعض شوافع کے ساتھ یہی رائے محمد بن حسن، احمد اسحاق اور بعض مالکیہ کی بھی ہے۔ فتح الباری: ۵/ ۲۱۴۔

ہبہ اور عطیہ کے معاملے میں وراثت کے اصول پر لڑکے کو لڑکی کا دوگنا حصہ ملے گا۔ لیکن اس سے متصل ہی اس کی تردید کرتے ہیں کہ صحیح اور مشہور بات یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ بل کہ ہبہ اور عطیہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر برابر دے گا۔ اس لیے ظاہر حدیث کا یہی تقاضا ہے(۱) اس کے باوجود اگر باپ اپنی اولاد میں سے کسی کو زیادہ دے، یا ایک کو دے اور دوسرے کو بالکل نہ دے تو امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کا ایسا کرنا مکروہ ہوگا، حرام نہ ہوگا اور یہ ہبہ اور عطیہ درست ہوگا۔ جب کہ طاؤس، مروہ، مجاہد، ثوری، امام احمد، اسحاق اور داؤد کے نزدیک یہ صاف طور پر حرام ہوگا(۲) یہی رائے بعض مالکیہ کی بھی ہے جو اولاد کے درمیان ہبہ اور عطیہ کے معاملے میں برابری اور مساوات کو واجب قرار دیتے ہیں(۳) اسی کے قائل امام بخاری ہیں چناں چہ اس سے پہلے کے باب میں وہ ترجمہ باب میں اس کی صراحت کرتے ہیں:

و اذا اعطی بعض ولده شيئا لم يجز حتی يعدل بينهم و يعطی الآخر مثله۔(۴)

”اور اگر وہ اپنی کسی اولاد کو کوئی چیز دے دے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ ان کے درمیان برابری کا معاملہ نہ کرے اور دوسرے کو بھی اتنا ہی دے جتنا کہ پہلے کو دیا ہے۔“

اوپر اولاد کے درمیان ہبہ اور عطیہ میں برابری کے متعلق صحیح بخاری و مسلم و سنن ابوداؤد کے حوالہ سے اللہ کے رسول ﷺ کا جو ارشاد نقل ہوا ہے، امام طحاوی کے یہاں یہ ارشاد دوسرے لفظوں میں بھی ہے، جس سے اس کا مضمون مزید کھلتا ہے:

سووا بين اولادكم في العطية كما تحبون ان يسووا بينكم في البر۔(۵)

”اپنی اولاد کے درمیان عطیہ کے معاملے میں بھی اسی طرح برابری کرو جس طرح کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے درمیان حسن سلوک کے معاملے میں اپنے رویے کو برابر رکھیں۔“

---

(۱) شرح مسلم للنووی: ۱۱/ ۶۶، حوالہ مذکور۔

(۲) شرح مسلم للنووی: ۱۱/ ۶۶، حوالہ مذکور۔

(۳) فتح الباری: ۵/ ۲۱۴۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۲۔ كتاب الهبة و فضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد۔ و اذا اعطی بعض ولده الخ۔

(۵) بحوالہ: فتح الباری بہ شرح صحیح البخاری: ۵/ ۲۱۱۔

دوسرے موقع پر آپ ﷺ کے اس ارشاد کے یہ الفاظ ہیں:

اعدلوا بین اولادکم فی النحل، کما تحبون ان یعدلوا بینکم فی البر۔(۱)

''اپنی اولاد کے درمیان عطیہ کے معاملے میں انصاف کرو جس طرح کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے درمیان حسن سلوک کے معاملے میں اچھے سے کام لیں۔''

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تقاضا ہے کہ ہبہ اور عطیہ کی طرح پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت، توجہ و نگرانی اور صحت و تندرستی وغیرہ کے دوسرے تمام معاملات میں آپ ﷺ کے پیروکاروں کے یہاں اولاد اور اولاد کے درمیان کسی طرح کے فرق و امتیاز کو روا نہ رکھا جائے۔ آج کے زمانہ میں لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا عام رواج ہو چلا ہے، احتیاط اور مصلحت وغیرہ کے پہلوؤں سے ہٹ کر اس معاملے میں محض لڑکے اور لڑکی کے فرق سے دو نگاہی کو راہ نہیں دینی چاہیے۔ اور لڑکے اور لڑکی دونوں کو دین و دنیا کی تعلیم کا یکساں موقع فراہم کرنا چاہیے۔ پرورش و پرداخت اور نگرانی و تربیت کے دیگر معاملات کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

لڑکیوں کی پرورش کی خاص فضیلت

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی اور توفیق سے ہادی برحق ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے پرورش و پرداخت کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان فرق و امتیاز کی کم زوری کی انسانی فطرت کو سمجھ لیا تھا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اپنی مختلف اور متعدد احادیث میں لڑکیوں کی پرورش کی خاص طور پر ترغیب دی اور اس کے غیر معمولی فضائل بیان کیے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اللہ کے آخری رسول ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

من کانت له انثی فلم یئدها ولم یهنها ولم یوثر ولده علیها ادخله الله الجنة۔(۲)

---

(۱) فتح الباری: ۵ر ۲۱۳-۲۱۴، جہاں سے صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ صحیح مسلم کے اوپر کے حوالہ میں اس کا مضمون تو موجود ہے۔ لیکن روایت کے یہ الفاظ موجود نہیں۔ اب یا تو حافظ ابن حجرؒ نے صحیح مسلم کے مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ دوسری صورت میں ان کے پاس صحیح مسلم کا دوسرا نسخہ ہو سکتا ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہوں۔ یہی دوسری بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

(۲) سنن ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔ مجیدی کان پور۔

"جس کسی کے لڑکی ہو تو وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور اس کو حقیر نہ سمجھے اور اپنی اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت میں داخل کرے گا۔"

اس موقع پر دوسری اولاد کو ترجیح نہ دینے کا مطلب اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دینا ہے، جیسا کہ اس موقع پر راوی کی طرف سے اس کی صراحت ہے۔ ولم یوثر ولدہ علیها قال یعنی الذکور[1] دوسری حدیث میں دو لڑکیوں کی کفالت اور پرورش کا بیان ہے۔ صحیح مسلم میں اس کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة انا و هو و ضم اصابعه۔(۲)

"جو شخص دو بچیوں کی کفالت کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت میں ایک ساتھ جنت میں اس طرح آئیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اس کو سمجھایا۔"

شرح السنہ میں اس پر اضافہ ہے جس میں تین لڑکیوں کے ساتھ تین بہنوں کی کفالت و تربیت اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کی روایت بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

... من عال ثلاث بنات او مثلهن من الاخوات فادبهن و رحمهن حتی یغنیهن الله اوجب الله له الجنة۔(۳)

"... جو شخص تین بچیوں یا اسی طرح تین بہنوں کی کفالت کرے، ان کی اچھی تربیت کرے اور ان کے ساتھ نرمی اور محبت کا معاملہ کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کر دے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے جنت کو لازم کر دیتے ہیں۔"

اس حدیث شریف میں 'یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کر دے': حتی یغنیهن الله کا مطلب ہے کہ ان کو اپنی محنت اور کمائی سے مال و دولت حاصل ہو جائے یا وراثت اور عطیہ کسی

---

(۱) ابوداؤد، حوالہ سابق۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الی النهایت، عامرہ، مصر۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، فصل ثانی، رشیدیہ دہلی۔

دوسرے ذریعہ سے ان کے ہاں مال و دولت کی فراوانی ہو جائے۔ دوسری صورت یہ کہ لڑکی کی شادی ہو جائے اور شوہر کی مال داری اس کی مال داری کا ذریعہ بن جائے، تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ اس کا وقت پورا ہو جائے اور اس کی موت واقع ہو جائے(۱) اسی حدیث میں آگے ہے کہ اس پر ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا دو بیٹیوں اور دو بہنوں کی پرورش و تربیت کا بھی متعلق شخص کو یہی ثواب حاصل ہوگا۔ آپ ﷺ کی طرف سے اس کا جواب اثبات میں دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس وقت موجود حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا آپ ﷺ کے انداز اور رخ سے یہ تاثر تھا کہ اگر کوئی شخص ایک بیٹی اور بہن کی بابت بھی اسی طرح دریافت کرتا تو اس میں بھی آپ ﷺ کا اس کو جواب اسی طرح اثبات میں ہوتا:

فقال رجل یا رسول اللّٰہ او اثنتین قال او اثنتین حتی لو قالوا او واحدۃ لقال واحدۃ۔(۲)

سنن ابوداؤد میں بھی دوسری روایت میں اسی طرح تین بہنوں اور تین بیٹیوں اور دو بیٹیوں اور دو بہنوں کا ذکر ہے(۳) اور ان کی پرورش و پرداخت کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس میں باپ کے ساتھ ایسے بھائیوں کے لیے بڑی خوش خبری کا سامان ہے جو والد کی وفات یا اس کے نادار ہونے کی صورت میں اپنی کم سن اور بے سہارا بہنوں کی مکمل یا جزوی پرورش و پرداخت کا ذمہ اٹھائیں اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی میں باپ کا ہاتھ بٹائیں یا پورے طور پر اس ذمے داری کو اپنے طور پر ادا کریں۔ اجنبیت (Alineation) اور اصرافیت (Consumerism) کی مار کھائے آج کے معاشرے میں نبی رحمت ﷺ کے اس فرمان کی جو اہمیت اور معنویت ہو سکتی ہے اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں ہر شخص صرف اپنے بیوی بچوں پر مرا جا رہا ہے۔ اور خود غرضی و خویش بینی کے مرض میں اس طرح گرفتار ہے کہ ان سے آگے اس کو ماں باپ اور بھائی بہن کوئی دوسرا یاد نہیں رہ گیا ہے۔

---

(۱) زیر نظر حدیث کے سلسلے میں بین السطور بعض شارحین کی وضاحت۔ مشکوٰۃ ر ۴۲۳، محولہ بالا۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح، حوالۂ مذکور۔

(۳) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الآداب، باب فضل من عال یتامٰی۔

صحیح بخاری و مسلم میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مطلق ہے، جس میں کسی گنتی کی تخصیص کے بغیر مطلق لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

من يلي من هذه البنات شيئا فاحسن اليهن كن له سترا من النار۔ (۱)

''جس شخص پر ان بچیوں کی ذمے داری ہو تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ (قیامت کے دن) اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا کام کریں گی۔''

یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان لفظوں میں ہے:

من ابتلى من النبات بشيء فاحسن اليهن كن له سترا من النار۔ (۲)

''جس شخص کو بچیوں کے ذریعہ سے آزمایا جائے تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ اس کے لیے (قیامت کے دن) دوزخ سے بچاؤ کا کام کریں گی۔''

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا ایک خاص پس منظر ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے مطابق ایک پریشان حال اور غریب خاتون ان کے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں اور اس نے ان سے کوئی چیز کھانے کی مانگی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت میرے پاس ایک تنہا کھجور کے علاوہ اور کچھ نہ تھا جو میں اس کو دے سکتی۔ چناں چہ میں اس کو یہی دے سکی۔ جس پر اس نے اس کے دو ٹکڑے کیے اور اس کو ان لڑکیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ پھر وہ اٹھی اور اپنی لڑکیوں کے ساتھ چلی گئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے اس کا قصہ بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے وہ بات ارشاد فرمائی جو اوپر نقل ہوئی (۳) صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں اس پر اضافہ ہے۔ اس کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا اس غریب عورت کو جو اپنے ساتھ اپنی دو بیٹیوں کو لیے ہوتی تھی،

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب رحمة الولد و تقبيله و معانقته۔ سلفيه، قاهره۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الى البنات، عامره، مصر۔

(۳) صحیح بخاری، حوالہ سابق۔ صحیح مسلم، حوالۂ مذکور۔

کھانے کے لیے تین کھجوریں دیں۔ اس میں سے ایک ایک کھجور تو اس نے ان دونوں لڑکیوں کو دی اور تیسری کو ابھی اٹھایا ہی تھا کہ اس کو خود کھائے کہ دونوں بچیوں نے اس میں سے بھی اپنا حصہ طلب کیا۔ چناں چہ اس نے اس کھجور کو جسے وہ خود کھانا چاہتی تھی، پھاڑا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ اس کو اس میں سے کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ کو اس عورت کی یہ ادا غیر معمولی طور پر پسند آئی۔ اور رسول خدا ﷺ کے تشریف لانے پر میں نے آپؐ کے سامنے اس کی روداد سنائی۔ اس پر آپ ﷺ کا ارشاد تھا:

فقال ان اللّٰہ اوجب لھا بھا الجنۃ او اعتقھا بھا من النار۔(۱)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کو لازم کر دیا یا یہ کہ اس کو اسی طرح دوزخ سے نجات دے دی۔"

اوپر سنن ابوداؤد کی پہلی روایت میں آپ ﷺ کا یہ جو ارشاد ہے:

من کانت لہ انثیٰ فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ علیھا ادخلہ اللّٰہ الجنۃ۔(۲)

"جس کسی کے لڑکی ہو تو وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور اس کو حقیر نہ سمجھے اور اس کے اوپر اپنی اولاد نرینہ کو ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو لازماً جنت میں داخل کرے گا۔"

وہ اس وقت کے عرب سماج کے اس پس منظر میں ہے جس میں مختلف اسباب وعوامل کے تحت لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ چناں چہ کتاب اللہ میں بھی اس کا تذکرہ ایک سے زیادہ مقامات پر ہے(۳) آج کے مصلحت پسند معاشرے بچیوں کے سلسلے میں یہ شقاوت اور بدبختی

---

(۱) صحیح مسلم، حوالہ سابق

(۲) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب فضل من جال یتامیٰ۔ محولہ بالا۔

(۳) نحل: ۵۹، تکویر: ۸-۹۔ وطن عزیز میں قتل اولاد کی ایک دوسری صورت بھی رائج ہے۔ یہاں دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے معصوم بچوں بچیوں کو ان کی قربان گاہ پر ذبح کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ ظلم خود بچے کے باپ کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ باب اول میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ اس سماجی برائی پر یکلخت پابندی عائد کرے گی۔ اور اس کے مرتکبین کے لیے سخت سے سخت سزا کے لیے قانون سازی کرے گی۔

تو نظر نہیں آتی ہے۔ لیکن بالکل اسی طرح کے محرکات کے تحت جو زمانۂ نزول قرآن کے وقت عربوں کے یہاں تھے، آج پیدائش سے پہلے جنین کی تشخیص سے دنیا میں بڑے پیمانے پر لڑکی ہونے کی صورت میں جو حمل کا اسقاط کرایا جا رہا ہے، اس کی کچھ نہ کچھ عرب کی اس قدیم جاہلیت سے مشابہت ضرور ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی رہ نمائی میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس کے برعکس بچیوں کو عزت کا خاص مقام عطا کرتی ہے۔ اور ان کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کو اضافی اجر کا مستحق قرار دیتی ہے۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کی ایک حدیث سے اسی طرح دینے دلانے کے معاملے میں بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کیے جانے کی گنجائش نکلتی ہے۔

یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جسے وہ مرفوع حدیث کے طور پر پیش کرتے ہیں یعنی کہ اسے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے براہ راست سنا ہے:

سووا اولادكم فى العطية، فلو كنت مفضلا احدا لفضلت النساء۔(۱)

''عطیہ اور بخشش کے معاملے میں اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو۔ البتہ اگر (اس معاملے میں) میں کسی کو فضیلت دیتا تو مسرہ عورتوں (یعنی کہ لڑکیوں) کو دیتا۔''

وطن عزیز کی ہندو روایت میں لڑکیوں کو 'پرایا دھن' کہا جاتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے لیے یہ اصطلاح قابل قبول نہیں جو عورت کو مال اور سامان (Commodity) ماننے سے انکار کرتی ہے۔ اسی کی پیروی میں ہندو روایت میں 'کنیا دان' کیا جاتا ہے۔ جس پر اس سے بڑھ کر اسلام کی نجات دہندہ تحریک کو اعتراض ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بے اعتدالی اور بے انصافی سے بچتے ہوئے باپ کی طرف سے دوسرے گھر کی ہو جانے والی لڑکی کے ساتھ اضافی سلوک ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مزید حدیث بالا میں لڑکوں کے ساتھ عورتوں کے معاملے میں بھی کسی خاص عمر کی قید نہیں رکھی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ضرورت کے مطابق مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کے ساتھ اضافی حسن سلوک ہو سکتا ہے۔

---

(۱) فتح الباری بہ شرح صحیح البخاری: ۵/ ۲۱۴ طبع جدید، توزیع دار الباز بمکۃ۔

بچہ مزدوری کا خاتمہ

جو تحریک طبقہ اطفال کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں اس درجہ حساس، فکر مند اور سرگرم عمل ہو، کسی شک اور شبہے کے بغیر وہ انسانی معاشرہ میں بچہ مزدوری (Child Labour) کو برداشت نہیں کر سکتی۔ چناں چہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک دنیا میں بچہ مزدوری جس صورت میں اور جس شکل میں بھی پایا جائے، اس کے خاتمے کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کرے گی۔ بچہ مزدوری چاہے سادہ صورت میں ہو جس میں اس سے معمول کی خدمت لی جائے اور وقت پر اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے یا یہ اس کی پیچیدہ اور بدترین بال بندھوا مزدوری (Bonded child Labour) کی صورت میں ہو، ہر دو صورت میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس کی حوصلہ شکنی کرے گی اور اس پر پابندی لگائے گی۔ یہ صرف اشارہ ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے۔ اس کی مراجعت کی جا سکتی ہے[1] یہاں اس کو دہرانے کا موقعہ نہیں ہے۔

بچہ مزدوری کے آداب

لیکن حالات کے تقاضے سے کوئی مجبور باپ وقت سے پہلے اپنی کم سن اولاد سے کموانے کے لیے مجبور ہو، یا باپ کے انتقال اور کسی دوسرے سرپرست کے نہ ہونے پر وہ اپنے گھر اور خاندان کو چلانے کے لیے کم عمری میں اپنے کو کام اور ملازمت کے لیے مجبور پائے، اس طرح کی تمام صورتوں میں معاشرے اور ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ بچے کی صحت و تن درستی کا لحاظ رکھے۔ اور اسے سرکاری رغیر سرکاری کسی ایسے پر خطر اور جان جوکھم کام میں نہ لگنے دے جس سے وہ کسی معذوری یا مستقل بیماری کی زد میں آ جائے۔ اسلام میں نقصان اور ضرر کی ہر طرح کی صورت کی سختی سے ممانعت ہے۔ چناں چہ قرآن و سنت میں اس مضمون کی تعلیمات کے استقصاء سے فقہ کا یہ کلیہ وجود میں آیا ہے کہ:

الضرر یزال[2]

''نقصان اور ضرر کی ہر صورت کا خاتمہ کیا جائے گا۔''

---

(١) ہمارے رسالے: بندھوا مزدوری اور اسلام اور بچوں کی مزدوری اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

(٢) ابن نجیم: الاشباہ والنظائر ص ١٣٩، مطبوعہ دار العلوم دیوبند ١٩٨٥ء/١٤٠٦ھ، طبع دوم۔

چناں چہ معاشرے میں نقصان اور ضرر کی جو صورت بھی پائی جائے گی، اسلامی حکومت کسی تاخیر کے بغیر اس کو دور کرے گی اور اسلامی معاشرہ اس مہم میں اس کے ساتھ تعاون کرنے کا پابند ہوگا۔ اس سلسلے میں ذمے دار اسلامی حکومت ترغیب وترہیب اور ذہن سازی کی اپنی مہم کے ساتھ انتہائی باریک بینی اور گہرائی کے ساتھ اس سے متعلق قانونی دفعات کو ترتیب دے گی، جس سے کہ کسی دائرے اور کسی سطح پر بچوں کا جسمانی اور ذہنی استحصال نہ ہو سکے۔ اور حالات کے تقاضے سے اگر کوئی بچہ کام کے لیے مجبور ہوتا بھی ہے تو اس کی صحت وتن درستی اور ہر طرح کے نقصان سے حفاظت کے اس کے بنیادی حقوق کا بہ ہر حال تحفظ ہوتا رہے۔

بچے سے کموانے کا باپ کا محدود اختیار

یہ بات کہ حالات کے تقاضے سے باپ اپنے بچے سے کموا سکتا ہے، حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ ہیں:

ان من اطیب ما اکل الرجل من کسبه، و ولده من کسبه۔(۱)

”سب سے پاک اور صاف چیز جو آدمی کھاتا ہے وہ اس کی اپنی کمائی ہوتی ہے۔ اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔“

جامع ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ان لفظوں میں ہے:

ان اطیب ما اکلتم من کسبکم و ان اولادکم من کسبکم۔(۲)

”سب سے پاک اور صاف چیز جو تم کھاتے ہو وہ تمھاری اپنی کمائی ہے۔ اور بلاشبہ تمھاری اولاد بھی تمھاری کمائی ہے۔“

لغت کے لحاظ سے ’ولد‘ جس کی جمع ’اولاد‘ کے علاوہ ’وِلدۃ‘، ’ولدہ اور ’وُلد‘ بھی ہے(۳) اس کا اطلاق واحد، جمع، مذکر مونث یعنی کہ لڑکے لڑکی ہر ایک پر ہوتا ہے:

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب الرجل یاکل من مال ولده۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الاحکام، باب ماجاء أن الوالد یاخذ من مال ولده۔

(۳) ابن منظور: لسان العرب: ۱۵/ ۴۶۷۔

الولد والوُلد بالضم: ما ولد ایا کان، و هو یقع علی الواحد والجمع والذکر والانثی۔(۱)

''وَلد اور وُلد (پیش کے ساتھ) اس کا مطلب ہے جو پیدا ہو چاہے وہ جو بھی ہو۔ اور واحد جمع اور لڑکے اور لڑکی ہر ایک پر اس کا یکساں اطلاق ہوتا ہے۔''

نبی علیہ السلام کی ایک حدیث میں اونٹنی کے بچے 'ولد ناقۃ' کے حوالہ سے اس پر اضافہ ہے۔ اس کے مطابق اس میں چھوٹے اور بڑے کی بھی قید نہیں ہے۔ اور 'ولد' میں چھوٹا اور بڑا انسان اور جانور کا ہر طرح کا بچہ شامل ہے:

لیس الولد منحصرا فی الصغیر بل الصغیر والکبیر کلہ ولدھا۔(۲)

''لڑکا (یعنی کہ ولد) چھوٹے بچے ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ چھوٹا اور بڑا ہر ایک اس میں (ولد میں) شامل ہوتا ہے۔''

اس کے لحاظ سے حدیث میں اوپر یہ جو کہا گیا ہے کہ 'بچہ باپ کی کمائی ہے اور وہ اپنی اس کمائی کی کمائی سے مزے سے کھا سکتا ہے'، اس میں یہ بات شامل کی جاسکتی ہے کہ بالغ اور جوان اولاد کی طرح مخصوص حالات میں باپ اپنی کم سن اور نابالغ اولاد سے بھی کموا سکتا اور اس کی آمدنی سے اپنا کام چلا سکتا ہے۔ اس مضمون کی دوسری مشہور حدیث کی شرح میں اس کی صراحت ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول علیہ السلام بلاشبہ میرے پاس مال ہے لیکن ساتھ ہی اولاد کی ذمے داری بھی ہے لیکن میرے والد اس کا لحاظ نہ کر کے میرے مال سے بڑی بے دردی سے خرچ کرتے ہیں: ان لی مالا و ولدا و ان والدی یجتاح مالی،(۳)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) محمد طاہر پٹنی: مجمع بحار الانوار: ۲/ ۶۳ ۴، مطبع نول کشور ۱۲۸۳ھ۔

(۳) سنن ابوداؤد میں اس کی دوسری روایت 'یحتاج مالی' 'ان کو میرے مال کی ضرورت ہے۔ کی بھی ہے۔ اور متن میں یہی درج ہے۔ لیکن کتاب کے شارح نے حاشیہ میں اس کے بجائے 'یجتاح مالی' کی روایت کو راجح قرار دیا ہے: ۲/ ۱۴۲، مجیدی کانپور۔ ہمارا ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔ دارالسلام ریاض سعودی عرب کے صحاح ستہ کے تازہ موسوعہ میں سنن ابوداؤد کے زیر نظر روایت کا متن صرف 'یحتاج' کا ہے۔ جس کے مطابق ہمارے اوپر کا ترجمہ ہے۔ ص ۸۵ ۴، حدیث نمبر ۳۵۳۰۔ سنن ابن ماجہ میں بھی یہ اسی طرح 'یحتاج' ہے۔ ابوداؤد حوالہ بالا۔

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انت و مالک لوالدک ان اولادکم من کسبکم فکلوا من کسب اولادکم۔(۱)

''تم اور تمھارا مال سب تمھارے باپ کا ہے تمھاری اولاد تمھاری کمائی ہے۔ تو تم اپنی اولاد کی کمائی سے (پوری بے تکلفی سے) کھاؤ۔''

اس کے متعلق حصے کی تشریح کرتے ہوئے امام خطّابی م ۳۸۸ھ صراحت کرتے ہیں کہ اولاد کے پاس اگر پہلے سے مال ہے تو باپ اس میں سے بقدر ضرورت لے گا، دوسری صورت میں اولاد کو کما کر باپ کی ضرورت پوری کرنی ہوگی:

و قال له انت و مالک لوالدک، علٰی معنی انه اذا احتاج الی مالک اخذ منک قدر الحاجة کما یاخذ من مال نفسه و اذا لم یکن لک مال و کان لک کسب لزمک ان تکتسب و تنفق علیه۔ (۲)

''آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ تم اور تمھارا مال سب تمھارے باپ کا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ باپ جب محتاج ہو تو وہ تم سے تمھارا مال اپنی ضرورت کے مطابق لے سکتا ہے۔ جس طرح کہ وہ اپنے مال سے لیتا ہے۔ اس طرح اگر تمھارے مال تو نہ ہو لیکن تم کما سکتے ہو تو تمھارے لیے ضروری ہوگا کہ تم کماؤ اور (اس کمائی سے) اس کے اوپر خرچ کرو۔''

اس حدیث میں اگرچہ یہ بات صاف ہے کہ ضرورت مند ماں باپ کو کما کر دینے کی ذمے داری بالغ اور جوان اولاد کی ہے جو خود بال بچوں والی اور اپنی خانگی اور عائلی ذمے داریاں رکھ سکتی ہے۔ لیکن اوپر حدیث زیر نظر میں وارد لفظ 'ولد' کی جو تحقیق پیش کی گئی ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ضرورت کے تقاضے سے اور مخصوص حالات میں باپ اپنی نابالغ نرینہ اولاد سے بھی کموا سکتا ہے۔ چناں چہ فقہ میں اس کی صراحت ہے۔ یہ نفقہ کی بحث ہے، جس میں باپ کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے خرچ کا بوجھ اٹھائے یعنی کہ اس کے کھانے، کپڑے اور رہائش کا انتظام کرے تا آں کہ وہ کمانے کی عمر کو پہنچ جائے۔ اس کے لیے لفظ 'طفل' کا استعمال کیا گیا

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب الرجل یاکل من مال ولده۔ مجیدی کان پور۔

(۲) معالم السنن: ۳/۱۶۶، مطبعہ علمیہ، حلب، ۱۳۵۲ھ طبعہ اولیٰ مع تصحیح: محمد راغب الطباخ۔

ہے جو لڑکے اور لڑکی کے ساتھ اسی طرح یکساں طور پر واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ اور 'طفل' کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ:

هو الولد حين يسقط من بطن امه الٰى ان يحتلم۔(۱)

''بچہ جب کہ وہ ماں کے پیٹ سے گرتا ہے اس وقت سے لے کر اس وقت تک جب کہ اس کو احتلام آنے لگے وہ بچہ 'طفل' رہتا ہے۔''

آگے ہے کہ جب تک وہ کمانے کی عمر کو نہ پہنچے اوپر کی تفصیل سے باپ کے اوپر اس کا نفقہ واجب ہے۔ اس کے بعد ہے کہ 'اولاد نرینہ ہونے کی صورت میں اگر وہ بالغ نہ ہو لیکن کما سکتا ہو تو باپ اس سے کموا سکتا ہے':

فان بلغه (اى حد الكسب) كان للاب ان يؤجره او يدفعه فى حرفة ليكتسب و ينفق عليه من كسبه لو كان ذكرا بخلاف الانثٰى۔(۲)

''اگر وہ کمانے کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو مزدوری پر لگا دے یا اس کو کسی ہنر کے کام میں پہنچا دے تا کہ وہ کما سکے اور اپنی کمائی سے باپ کے اوپر خرچ کر سکے بہ شرطے کہ وہ لڑکا ہو بہ خلاف لڑکی کے کہ اس کا معاملہ اس سے مختلف ہوگا۔''

اس موقع پر 'لڑکی' کا اس سے جو استثناء رکھا گیا ہے تو ماضی کے عرف میں اس کی مصلحت بالکل واضح تھی۔ شادی سے پہلے بالغ یا قریب بالغ لڑکی کو باپ کے لیے کمانے کے لیے مجبور کرنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں اسے خطرات کے منہ میں ڈالنا تھا۔ اس طرح کی قبل از وقت بچہ مزدوری میں جسمانی استحصال کے ساتھ جنسی استحصال کا خطرہ تو اولاد نرینہ کے لیے بھی بنا رہتا ہے۔ اور مسلمان باپ کی ذمے داری ہے کہ مجبور کن حالات میں وہ اپنی کم سن اولاد نرینہ سے کموانے کی صورت میں اس پر کڑی نظر رکھے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان معاشرے اور حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ ایسی حالت میں مجبور بچے کے ہمہ جہتی تحفظ کو یقینی بنائے۔ لیکن کھلے اسباب سے لڑکے کے مقابلے اس معاملہ میں لڑکی کی پوزیشن زیادہ نازک اور خطرات سے گھری ہوئی (Vulnerable) ہے اور اس کو اس سے بچانا ضروری ہے۔ اسلام میں یوں بھی طبقہ خواتین پر کمانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ شادی سے پہلے اس کے نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے جو شادی کے بعد اس کے شوہر کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ البتہ اس قانونی ذمہ داری سے ہٹ کر

---

(۱) ابن عابدین شامی: ردالمحتار علی الدر المختار: ۳/ ۱۲۳، مطبعہ عثمانیہ، مصر۔
(۲) شامی، حوالہ بالا۔

آداب کی رعایت سے خواتین اپنی الگ کمائی کرنی چاہیں اور ملازمت ہنر اور کاروبار کے ذریعہ اپنی معاشی حیثیت کو مستحکم کرنے کی آرزومند ہوں تو اسلامی شریعت میں اس کے سلسلے میں ان کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جیسا کہ آج کے بدلے ہوئے عرف میں ہے کہ لکھ پڑھ کر لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی عزت کے ساتھ کما رہی اور اپنی آمدنی کو بڑھا رہی ہیں۔ اس پس منظر میں ضرورت مند باپ زیر نظر حدیث (۱) میں لفظ 'ولد' کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جس کے مطابق اس میں لڑکے کے ساتھ لڑکی بھی شامل ہے، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل آچکی ہے، اپنی ڈاکٹر، انجینئر اور لکچرر لڑکی کی آمدنی سے پوری خوش دلی کے ساتھ کھا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی شخص کے صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں یا لڑکے ہوں بھی تو وہ بے کام اور بے روزگار ہوں، جب کہ لڑکی کما رہی ہو اور اس کی اچھی آمدنی ہو تو فقہ کی تفصیلات میں جائے بغیر حدیث بالا کی رو سے ضرورت مند باپ اپنی لڑکی کی کمائی سے کھانے کا مزید اختیار حاصل ہوتا ہے۔

موقع کی مناسبت سے یہ ضمنی گفتگو طویل ہوگئی۔ اب اصل بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔ حدیث بالا کی اوپر امام خطابی کی شرح میں اس کی صراحت ہے کہ باپ اپنی اولاد کے مال سے ضرورت کی صورت ہی میں لے سکتا ہے۔ دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت اور تفصیل ہے۔ اس سلسلے میں اوپر کی سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کی حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوع ہے، یعنی کہ وہ اس کی آپ ﷺ سے بہ راہ راست روایت کرتی ہیں۔ امام محمد م ۱۸۹ھ کے یہاں یہ روایت حضرت عائشہؓ پر موقوف ہے جس کا مطلب ہے کہ ان کی طرف سے آپ ﷺ کی طرف بہ راہ راست اس کی نسبت کی صراحت نہیں ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

افضل ما اکلتم من کسبکم و ان اولادکم من کسبکم۔(۲)

''سب سے عمدہ چیز جو تم کھاؤ وہ تمھاری اپنی کمائی ہے اور بلاشبہ تمھاری اولاد بھی تمھاری کمائی ہے۔''

اس کی تشریح کرتے ہوئے امام محمد کا کہنا ہے اور یہی رائے ان کے استاد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ م ۱۵۰ھ کی ہے:

---

(۱) سنن ابوداؤد اور جامع الترمذی کی روایات جن کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ آگے اس کا تذکرہ امام محمد کی کتاب الآثار کے حوالہ سے ہے۔

(۲) امام محمد بن حسن: کتاب الآثار ص ۱۲۴۔ باب ما یحل لک من مال ولدک۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور مطبع اسلامی ہور ۱۹۱۱ء، طبع قدیم۔

لا باس به اذا کان محتاجا ان یاکل من مال ابنه بالمعروف فان کان غنیا فاخذ منه شیئا فهو دین علیه۔(۱)

"باپ اگر محتاج ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مال سے دستور کے مطابق کھائے۔ البتہ اگر وہ مال دار ہو اور اس کے باوجود وہ اس سے کچھ لے تو یہ اس کے اوپر قرض ہوگا۔"

امام اعظمؒ کے استاد حماد م ۱۲۰ھ اور ان کے استاد ابراہیم نخعی م ۹۶ھ کی رائے اس سلسلے میں اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس سے متعلق کتاب الآثار کی عبارت ہے:

قال لیس للاب من مال ابنه شیء الا ان یحتاج الیه من طعام او شراب او کسوة۔(۲)

"باپ کو اپنے بیٹے کے مال سے کچھ لینے کا حق نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کو کھانے پینے اور پہننے کے لیے اس کی ضرورت ہو۔"

جامع ترمذی میں اس سلسلے کی حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت اوپر آ چکی ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ترمذی حضرات صحابہؓ اور دیگر کے حوالے سے کہتے ہیں:

والعمل علیٰ هٰذا عند اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ و غیرهم قالوا ان یحل الوالد بمسوطة فی مال ولده یاخذه ماشاء و قال بعضهم لا یاخذ من ماله الا عند الحاجة الیه ۔(۳)

"نبی ﷺ کے اہل علم صحابہؓ اور ان کے علاوہ کے یہاں بھی عمل اسی پر ہے۔ ان سب کا کہنا ہے کہ باپ کا ہاتھ اس کی اولاد کے مال میں پھیلا ہوا ہے وہ اس سے جتنا اور جب چاہے لے سکتا ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ اس کے مال میں سے وہ اسی وقت لے سکتا ہے جب کہ اس کو اس کی ضرورت ہو۔"

فقہ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ باپ اپنی اولاد کی کمائی سے اسی وقت لے سکتا ہے

(۱،۲) امام محمد بن حسن: کتاب الآثار ص ۱۲۴۔ باب ما یحل لک من مال ولدک۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور مطبع اسلامی ہور ۱۹۱۱ء، طبع قدیم۔

(۳) جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الاحکام، باب ماجاء ان الوالد یاخذ من مال ولده۔ رشیدیہ دہلی۔

جب کہ وہ ضرورت مند ہو اور اس کا اپنا مال اور کمائی نہ ہو[۱] اسی طرح اولاد کے اوپر اس کا وجوب اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کی اپنی ضرورت سے زائد ہو[۲] اسی طرح دیگر ائمہ کے یہاں اولاد کے اوپر باپ کے واجب نفقہ میں ضرورت کی صورت میں اس کی شادی کرانا ضروری ہے۔ لیکن امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ اولاد کے اوپر اس کو لازم خیال نہیں کرتے۔ باپ کا نفقہ اس کے اوپر واجب ہوتا ہو یا نہ ہو کسی صورت میں اس کے اوپر باپ کی شادی کرانا لازم نہیں ہے[۳] اسلامی نظام وراثت کے معروف جزئیہ سے بھی اس مسئلے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ معلوم ہے کہ اللہ کی آخری کتاب میں جس طرح باپ کے ترکے سے اولاد کے حصے کا بیان ہے، اسی طرح اولاد کے ترکہ میں سے ماں باپ کے حصے کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس موقع پر اس کی دونوں ہی صورتوں کا ذکر ہے کہ اولاد کی اپنی اولاد ہو تو اس صورت میں ماں باپ کا حصہ کتنا ہوگا، اور اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے ترکے سے ان کا حصہ کس قدر ہوگا[۴] اب باپ کی اولاد کے اولاد نہ ہونے کی دونوں ہی صورتیں ہیں۔ اس کو لمبی عمر ملے اور اولاد ہی نہ ہو یا ہوئی تو مرگئی ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ شادی کے بعد اولاد کا انتقال جلد ہو جائے اور بچہ نہ ہو سکے یا یہ کہ ابھی اس کی شادی ہی نہ ہوئی ہو اور اس کا آخری وقت آجائے۔ اس آخری صورت میں جب کہ باپ کی اولاد کم عمری میں لاولد مرے اس کے چھوڑے ہوئے ترکے سے ماں باپ کے حصہ پانے کا مطلب ہے کہ اپنی کمائی کے قابل لحاظ حصے کو اسے اپنے طور پر استعمال کرنے اور اس سے اپنا گھر

(۱، ۲) ابن قدامہ حنبلی م ھ: المغنی لابن قدامہ: ۷/ ۵۸۵-۵۸۶۔ مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ، مصر۔

(۳) المغنی: ۷/ ۵۸، محولہ بالا۔

(۴) النساء: ۱۱۔ حاصل اس تقسیم کا یہ ہے کہ اولاد کی اپنی اولاد ہو تو ماں باپ کو $\frac{1}{6}$، $\frac{1}{6}$ مل کر اگر ایک لڑکا ہو قریب ترین عصبہ کی حیثیت سے وہ باقی کل کا اکیلا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ لڑکے لڑکی دونوں ہوں تو اس سے اوپر کتاب اللہ کی صراحت دونوں ہو تو لڑکے کا دوہرا اور لڑکی کا اکہرا کل ان میں تقسیم ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے اولاد نہ ہو تو ماں کا حصہ گھٹ کر $\frac{1}{3}$ اور صاحب فرض اور عصبہ کی دوہری حیثیت سے بقیہ $\frac{2}{3}$ باپ کو مل جائے گا۔ لیکن اگر متوفی کے اپنی اولاد تو نہ ہو لیکن بھائی بہن ہوں تو ان کو تو کوئی حصہ نہیں ملے گا البتہ ان کی وجہ سے ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ ہو جائے گا۔ اور باقی سب صاحب فرض اور عصبہ کی دوہری حیثیت میں باپ کو مل جائے گا۔ قرض کی ادائے گی اور متوفی کی وصیت کا نفاذ ہر جگہ کی طرح یہاں بھی اس سے پہلے ہوگا۔ اس موقع پر اگرچہ وصیت کا بیان قرض سے پہلے لیکن ترتیب میں قرض کی ادائے گی پہلے اور وصیت کا نفاذ اس کے بعد ہوگا۔ ابو بکر جصاص رازی الحنفی م ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۹۸-۱۰۰، مطبعہ بہیہ، مصر ۱۳۴۷ھ۔

بسانے اور اپنا کاروبار جمانے اور جائداد کھڑی کرنے کی اس کو آزادی حاصل ہو۔ بلاشبہ ایسی اولاد کو دولت اور جائداد ماں باپ کے علاوہ کسی رشتے دار اور دوست ساتھی کے ہبہ اور عطیہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، لیکن عام حالات میں اسے اس کی اپنی محنت اور کمائی کا نتیجہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ جس کا امکان اس کے لیے اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے جب کہ مشترکہ خاندان (Joint Family) کی روایت سے ہٹ کر اولاد کو اپنی کمائی اپنی مرضی سے اپنے اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ مشترک خاندان میں اس کے برعکس اولاد آخر تک جو کچھ کماتی ہے وہ باپ کے حوالہ کرتی رہتی ہے۔ وہ پہلے ہی سے تمام تر اس کے باپ کی ہوتی ہے۔ تو اولاد کی جواں مرگی پر اس سے باپ کے حصہ پانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ضمناً اس سے برصغیر ہند کے روایتی مشترکہ خاندان کے بہ جائے اسلام کے مطلوبہ علحدہ خاندانی نظام کی بحالی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، جس میں جوان اولاد کی معاشرت کے ساتھ اس کی مالیات کو بھی ماں باپ سے الگ ہونا چاہیے۔

جب باپ کے لیے اپنی اولاد کی کمائی سے لینے میں یہ احتیاط ہے، تو بھائیوں کے لیے اپنے بھائی بھتیجوں کی کمائی سے اللّے تللّے خرچ کرنے کی برائی اپنے آپ واضح ہے۔ جب کہ پاکستان و بنگلہ دیش سمیت برصغیر ہند کے عرف میں غیر مسلموں کی طرح مسلمانوں میں بھی اس کا عام رواج ہے۔ جہاں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی برائی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے اپنا حق سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اوپر کی تفصیل کے مطابق اولاد کی کمائی سے باپ کو بھی ضرورت کی صورت میں ہی وہ بھی پوری احتیاط سے اور ہاتھ روک کر لینا چاہیے۔ اسی طرح اپنی کم سن اولاد سے باپ استثنائی اور مجبوری کی صورت میں ہی کموا سکتا ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ باپ اور بیٹے ہر ایک کی کمائی الگ الگ ہو۔ اور ہر شخص کو اپنی کمائی کو اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ باپ کے اندر بھی لینے کے بہ جائے دینے کا رجحان زیادہ ہو۔ اور اولاد پر بوجھ بننے کے بہ جائے وہ ان کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے میں معاون بنے۔ دریں حالے کہ ہمارے یہاں بے حسی اور بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ دین دار مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد جوانی ہی میں وقت سے پہلے بوڑھی بن کر نہ صرف یہ کہ اپنی اولاد کی پرورش اور ان کی شادی بیاہ کی ذمے داریوں کو دوسری اولاد کے سر ڈال دیتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس سے آگے اپنے بھانجے کا بچیوں اور نواسے نواسیوں کو بھی ان کے گلے کا پھندہ بنا دیتی ہے۔

ذمے داریوں کی منتقلی کا یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اور برائی کا یہ وہ چکر ہے جس کا سلسلہ کہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا ہے۔

اطفال بردہ فروشی اور اطفال قحبہ گری

کہاں فلاح اطفال کا اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا یہ عزم اور کہاں معاصر دنیا کی یہ صورت حال جہاں بچوں کے ساتھ ظلم اور استحصال کی دوسری صورتوں کے علاوہ ان کی باقاعدہ تجارت ہوتی اور لڑکے اور لڑکیوں دونوں کا غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں اس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق بنگلہ دیش اور دیگر سات ایشائی ممالک سے ہر سال تقریباً دو لاکھ پچیس ہزار (۲۲۵۰۰۰) خواتین کی اسمگلنگ کی جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے یہاں کے تقریباً ستر لاکھ لوگ ایچ آئی وی یا ایڈز میں مبتلا ہیں[۱] اور یہ معاملہ صرف ایشیا ہی کا نہیں ہے۔ یورپ کا حال بھی اس معاملے میں اس سے مختلف نہیں ہے۔ چناں چہ اسی طرح کی دوسری اطلاع ہے کہ پچھلے دو سالوں سے صرف البانیہ سے دس ہزار سے زیادہ انسانوں کی برطانیہ میں اسمگلنگ کی جا چکی ہے[۲] اس موقع پر ان انسانوں (Humans) کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں جن کا اس طریقے سے بے رحمانہ جسمانی اور جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اوپر ایشیائی ممالک سے جن خواتین کی اسمگلنگ کا تذکرہ ہے۔ اس میں قابل لحاظ تعداد معصوم کم سن لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کاروبار کے سلسلے میں یہ ایک معلوم اور معروف حقیقت ہے، جس کے لیے بہت زیادہ ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام میں عام حالات میں بھی کسی آزاد انسان کو فروخت اور اس کو سامان تجارت بنانا سخت ترین جرم ہے۔ صحیح حدیث کے مطابق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود ایسے شخص کے خلاف فریادرس ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اللہ کے آخری نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی ۱۳؍اگست ۲۰۰۳ء خبر بہ عنوان: بردہ فروش عورتوں پر مظالم کے خلاف مظاہرہ۔ اوپر بنگلہ دیش کے علاوہ دیگر سات ممالک ہیں: افغانستان، بھوٹان، ہندستان، نیپال، پاکستان، سری لنکا اور فلپائن۔ سہارا، حوالہ بالا۔

(۲) انگریزی روزنامہ The Hindu دہلی۔ ۱۳؍اگست ۲۰۰۳ء خبر بہ عنوان: Gang jailed for human trafficking (انسانوں کی خرید و فروخت کے جرم میں شامل گروہ کو جیل کی سزا)۔

ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: ... و رجل باع حرا فاكل ثمنه۔(۱)

’’تین طرح کے لوگ ہیں جن کے خلاف میں قیامت کے دن فریق بن کر کھڑا ہوں گا۔
...ان میں ایک وہ جو کسی آزاد انسان کو بیچے اور اس کی رقم کو کھا جائے۔‘‘

جب عام مردوں اور عورتوں کی تجارت کی یہ برائی اور خرابی ہے تو کم عمر اور رحم اور ہم دردی کے مستحق بچوں اور بچیوں کی تجارت اور خرید و فروخت کی اسلام میں جیسی کچھ ممانعت ہو سکتی ہے اس کے سلسلے میں کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چناں چہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک دنیا کے جس خطے اور جس ملک میں حکومت اور اقتدار کی مالک ہوگی وہ بلا تاخیر عام مردوں اور عورتوں کے ساتھ خاص طور پر کم سن بچوں اور بچیوں کی تجارت (Child Trafficking) پر یک لخت پابندی عائد کرے گی۔ اور اپنا ہر طرح کا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے باہر کی دنیا میں اس برائی پر اسی طرح فوری طور پر بندش لگوانے کی مہم چلائے گی۔ اس مقصد سے انسانی حقوق (Human Rights) اور فلاح اطفال اور صحت انسانی کے معروف اداروں یونی سیف اور وغیرہ کے ساتھ بھر پور مخلصانہ تعاون کرے گی۔ ان کے مختلف پروگراموں اور اسکیموں میں وہ اپنا مالی تعاون بھی پیش کرے گی اور ان کو رو بہ عمل لانے کے لیے جو نفری قوت (Man Power) اور انسانی وسائل (Human Resource) کی ضرورت ہوگی اپنی طاقت کی آخری حد تک وہ متعلق اداروں کو یہ قوت اور ان وسائل کی فراہمی کا اہتمام کرے گی۔

لیکن اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اس مسئلہ کے ساتھ جو بڑھی ہوئی فکر مندی ہے اس کے پیش نظر وہ اپنے ماننے والوں کو صرف اس پر قانع نہیں ہونے دے سکتی کہ دنیا میں صرف جہاں وہ اکثریت میں ہوں اور انھیں حکومت اور اقتدار کی طاقت حاصل ہو صرف انھی ملکوں اور خطوں میں وہ اس برائی کے ازالہ کے لیے سرگرم ہوں، بلکہ اس سے آگے وہ عام طور پر اپنے پیروکاروں کے اندر اس برائی کے خلاف لڑنے اور رائے عامہ کو اس کے حق میں بیدار کرنے کا کبھی نہ دبنے والا حوصلہ اور کبھی نہ تھمنے والی تڑپ پیدا کرے گی۔ جس کے نتیجے میں وہ اکثریت میں ہوں کہ اقلیت میں اور ان کے پاس حکومت و اقتدار ہو کہ نہ ہو وہ دنیا کے جس علاقے اور جس خطے میں رہیں گے اطفال بردہ فروشی اور اطفال قحبہ گری کے خلاف سرگرم ہوں گے۔ ہندستان جیسے ملک میں بھی ان کے اس جذبے کا ان کے ہم وطنوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ان کے دیکھتے اور سنتے کسی کم سن لڑکے اور لڑکی کو فروخت کیا جا سکے گا، نہ اس کا جنسی اور جسمانی استحصال کیا جا سکے گا۔

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا۔ طبع جدید، سلفیہ قاہرہ۔ حدیث کے متعلقات کی تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ 'بندھوا مزدوری اور اسلام' محولہ بالا۔

اطفال عصمت دری

وطن عزیز اور معاصر دنیا کے پس منظر میں بچوں کی بھلائی اور بہتری کے سلسلے میں آخری مسئلہ 'اطفال عصمت دری' کا رہ جاتا ہے۔ اور اسی پر اس بحث کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کم سن بچیوں کی عصمت دری (Minor Rape) کے اکا دکا واقعات دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن معاصر دنیا میں اس کی جو کثرت اور بہتات ہمارے عزیز ملک ہندستان میں ہے اس کی وجہ سے اس کو اس ملک کا خاص مسئلہ کہا جائے تو یہ حقیقت کے بالکل مطابق ہوگا۔ اس سے متعلق سر کو شرم سے جھکا دینے والی تفصیلات کتاب کے پہلے باب میں آچکی ہیں۔ ان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا آخری دین۔ اسلام۔ جو انسانیت کے ہر طبقہ کے مسائل کو کام یابی اور بصیرت کے ساتھ حل کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہونے والی کسی بھی زیادتی اور بے انصافی کا اسی طرح سد باب کرتا ہے، طبقہ اطفال کے مسائل کے حل کے سلسلے میں بھی اس کی یہ بیداری اور مستعدی اسی طرح برقرار ہے، جس کی ایک جھلک اس سے متعلق زیر نظر گفتگو میں دیکھی جاسکتی ہے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں نقصان اٹھانے کی طرح دوسرے کو نقصان پہنچانے کی بھی اسی طرح ممانعت ہے۔ اللہ کے آخری نبی ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

لا ضرر ولا ضرار۔ (۱)

''نہ کوئی نقصان اٹھائے نہ کوئی کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے۔''

کسی نابالغ اور معصوم بچی کے ساتھ زنا بالجبر ضرر اور نقصان پہنچانے کی وہ آخری صورت ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ اس جرم کے ارتکاب کے نتیجے میں اس کی جان چلی جائے۔ اور انسانیت کی اس کلی کو کھلنے سے پہلے مسل کر ختم کر دیا جائے۔ اس طرح کی کم سن بچیوں (Minors) کے ساتھ زنا بالجبر (Rape) کی صورت میں اکثر و بیشتر ثبوت کو مٹانے کے مقصد سے گلا گھونٹ کر یا ایسے ہی کسی دوسرے وحشیانہ طریقے سے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ جب کہ ان کی ایک تعداد وہ ہوتی ہے جو خود اسی جرم کی وجہ سے اپنے آپ موت کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ آج کے حالات میں آخری محمدیؐ شریعت میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کرنے والوں کو سر عام پھانسی اور قتل کی عبرت ناک سزا دی جائے گی اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی نرمی اور رعایت کو روا نہیں رکھا جائے گا۔

---

(۱) ابن نجیم: الاشباہ والنظائر ص ۱۳۹، طبع مذکور بہ حوالہ موطا امام مالک۔

باب چہارم

پرسکون خاندان

اپنی ان ہمہ جہت خوبیوں اور دستیابیوں کے ساتھ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اسی طرح اپنے ماننے والوں کے لیے پرسکون خاندان کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ خاندان کا انتشار آج کے دور کا بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ ہی نہیں دوسری اور تیسری دنیا کے ممالک بھی آج اس مسئلہ سے اسی طرح دو چار ہیں۔ جس میں ہمارے عزیز وطن ہندستان کو سرفہرست رکھا جاسکتا ہے، جو اپنی صنعتی ترقی اور شہریت پسندی (Urbanisation) کے نئے رجحان کے نتیجے میں اس وقت ایک بہت تیز بدلتے اور نئی صورت اختیار کرتے سماجی انقلاب سے نبرد آزما ہے۔ اس انقلاب نے جہاں بہت ساری سماجی اور معاشرتی قدروں کو تبدیل کیا ہے اور پرانے تہذیبی تانے بانے کو بالکل بدل کر رکھ دیا ہے، اس میں خاندانی نظام کی تبدیلی اور تغیر پذیری سب میں نمایاں ہے۔ اس تبدیلی کا سب سے بڑا مظاہرہ خاندان کی بے چینی اور بے اطمینانی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ شہری ہو کہ دیہاتی اور امیر ہو کہ غریب ہر ایک پر اس تبدیلی اور انقلاب کی مار، کسی نہ کسی انداز میں ضرور پڑ رہی ہے۔ ملک کی آزادی اور اس کی ہمہ جہتی ترقی سے عام طور پر لوگوں کی معاشی حالت میں بہتری آئی ہے، ملک میں جمہوریت کے فروغ اور استحکام سے ہر سطح پر معاشرہ کی مختلف اکائیوں کے ہمہ جہتی حقوق کا بھی بہت کچھ تحفظ ہو رہا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ فرد کی طرح عام طور پر خاندانوں کا سکون درہم برہم ہے۔ اور معاشی بہتری اور معیار زندگی کی ترقی کے باوجود لوگوں کے چہروں سے مسکان غائب ہے، جس کا سرا اکثر و بیشتر فرد کی اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کے علاوہ خاندان کے انتشار اور اس کی پراگندگی سے جڑا ہوا ہے۔ جو صورت حال اس سلسلے میں وطن عزیز ہندستان کی ہے۔ باقی دنیا کا حال اس سے مختلف

نہیں ہے۔فرق صرف درجے کا ہے۔ ورنہ خاندان کا سکون ہر جگہ درہم برہم ہے۔ اور ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں اس کے مسائل سے بدحال اور پریشان حال ہے۔لیکن اس سلسلے میں ہندستان اور اس سے باہر ہر جگہ خاندان کی بے اطمینانی اور پریشانی کے اسباب الگ الگ ہیں۔ اور اسی لحاظ سے ان کا الگ تجزیہ اور تحلیل ضروری ہے۔

قدیم ہندستانی منظر نامہ

ہندستان کے پس منظر میں خاندان کے اندر پریشانی اور اضطراب کا بڑا سبب یہاں کا قدیمی روایتی مشترکہ خاندانی نظام (Joint family System) ہے جو ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی اسی طرح رواج پذیر رہا ہے۔ اور ہندستان کی طرح برصغیر ہند کے اس کے دونوں پڑوسی ملکوں پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی اس کا اسی طرح چلن ہے۔ برصغیر ہند کے دوسرے چھوٹے ملکوں بھوٹان، نیپال، مال دیپ اور سری لنکا کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے دوسرے بہت سارے ملکوں میں بھی اس کا اسی طرح رواج ہے یا ہوسکتا ہے۔مشترکہ خاندانی نظام ہندو طرز معاشرت کی خصوصیت ہے۔عملی نمونہ کے علاوہ کتابوں میں اس کا اسی حیثیت سے تعارف ہے۔ یہاں تک کہ ملک کی نصاب کی کتابوں میں بھی اس کا اسی حیثیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ برصغیر ہند، پاک و بنگلہ دیش کے مسلمانوں میں اس نظام معاشرت کا رواج خالص ہندو طرز معاشرت کے زیر اثر ہوا ہے۔ اس میں کسی قدر بلکہ شاید بہت بڑا دخل اس برصغیر کے روایتی زرعی بنیاد نظام زیست کا ہوسکتا ہے۔ دیہات کی کھیتی باڑی سے جڑی پھیلی ہوئی زندگی اس کا تقاضا کرتی تھی کہ بڑا خاندان بلکہ صحیح لفظوں میں ایک خاندان کے نام پر بہت سارے خاندان ایک نظام کے ساتھ بندھ کر رہیں، جس میں ان کی معاشرت کے ساتھ ان کی مالیات بھی بہت سختی کے ساتھ ایک مرکز کے ساتھ بندھی ہوئی ہو۔ سادہ طور پر اس کو گھر کا مالک اور اس نظام کی اصطلاح میں 'کرتا' (Karta) کہا جاتا ہے۔ زراعت کی ضرورت کے باوجود ایسا نہیں تھا کہ اس نظام کو توڑا نہیں جا سکتا تھا، لیکن اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مسلمان علماء و مصلحین نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور مسلمانوں میں بھی یہ نظام معاشرت اسی طرح پھلتا پھولتا اور اپنی جڑیں گہری کرتا رہا۔ بلکہ معاملہ اس کے آگے تک جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا بے لاگ جائزہ لے کر اس کی کمیوں اور

خامیوں کو دور کرنے کے بہ جائے اس کو جائز اور درست مانتے ہوئے اس کی رعایت سے فقہی جزئیات ترتیب دی گئیں۔ اور عوام کی طرح علماء میں بھی اس کو ایسا ہی اعتبار اور اعتراف حاصل رہا۔ اس کے نتیجے میں مزاج اس طرح بدلا یا بگڑا کہ اس نظام کی اصلاح اور اس پر نظر ثانی روایتی دین دار مسلمان کو بھی شاق اور گراں لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر و بیشتر وہ اس کے حوالہ سے جذباتی ہو جاتا اور اس طرح ردعمل کا مظاہرہ کرتا ہے جیسے اس کی کوئی بہت قیمتی چیز اس سے زبردستی چھینی جا رہی ہو۔ حالات کی تبدیلی، تعلیم کے فروغ، کاروبار اور ملازمت کی ضرورت سے گھر سے دوری اور عام شہریت پسندی کے رجحان سے ہندستان کا یہ معاشرتی نظام بڑی حد تک اپنے آپ ٹوٹ رہا ہے۔ اور مشترکہ خاندان کے بہ جائے وحدانی نظام معاشرت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن روایتی دین دار مسلمان بھی اس تبدیلی کو ایک اضطرار کے طور پر قبول کر رہا ہے۔ چناں چہ کسی باپ کے چار بیٹے کاروبار یا ملازمت کی ضرورت سے اپنے اپنے خاندان کو الگ الگ جگہوں پر الگ الگ لے کر رہ رہے ہیں، تو اس میں دخل باپ کی ترجیح اور اس کی پسند کا نہیں ہے کہ اس طرز معاشرت کو اس نے قرآن وسنت سے قریب پایا ہے اس لیے وہ اس کو فروغ دینا چاہتا ہے اور اس کو استحسان اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کا ذہنی سانچہ ہنوز مشترکہ خاندان کی تلاش میں ہے اور اسی کو آج بھی پسندیدگی اور استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ صرف اتفاق ہے کہ وہ حالات کے ہاتھوں اس نظام اژدحام کے بہ جائے وہ کسی ایک بیٹی یا بیٹے یا ان سب سے الگ تنہا اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کے لیے مجبور ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام کا خاتمہ

حالات کی تبدیلی سے مشترک خاندان کے بہت کچھ ٹوٹنے اور بکھرنے کے باوجود برصغیر ہند میں مشترکہ خاندانی نظام ابھی بھی بڑی حد تک موجود ہے۔ اور شہر اور دیہات ہر جگہ اس کے بقایا جات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلام کے زیر پرسکون خاندان کی تشکیل میں سب سے پہلے اور اولین ترجیح سے اس نظام معاشرت کا خاتمہ ضروری ہے۔ درحقیقت مشترکہ خاندانی نظام غیر مطمئن اور مضطرب خاندان کا دوسرا نام ہے۔ پرسکون خاندان کی تشکیل اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی جو ترجیحات ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہ اللہ کا آخری دین۔ اسلام۔ جن بنیادوں پر

اپنے مطلوبہ خاندانی نظام کو استوار کرنا چاہتا ہے اور اس سے وابستہ افراد کے لیے حقوق اور فرائض کا جو وہ خاکہ ترتیب دیتا ہے، یہ بنیادیں اسی صورت میں صحیح سالم باقی رہ سکتی ہیں، اور حقوق و فرائض کے اس خاکے پر اسی صورت میں عمل درآمد ہو سکتا ہے جب کہ مشترکہ خاندانی نظام کے بہ جائے، قرآن وسنت کے پسندیدہ چھوٹے خاندانوں کو رواج عام حاصل ہو۔ اس کو دبانے اور کچلنے کے بہ جائے اس کو فروغ حاصل ہو۔ اور بے وجہ کے شک اور تردد کی نظر سے دیکھنے کے بہ جائے اس کو پسندیدگی اور استحسان کی نظر سے دیکھا جائے۔ کسی بھی ادارے اور تنظیمی اکائی کے مسرور و مطمئن ہونے کی اولین شرط ہے کہ اس سے وابستہ افراد کے حقوق اور فرائض کا واضح تعین ہو۔ ہر شخص کو اس کا جائز حق کسی کٹوتی کے بغیر ملے۔ اور اس کے ساتھ کسی طرح کی بے انصافی اور استحصال نہ ہونے پائے۔ مشترک خاندان (Joint Family) کی دوسری خرابیوں کے علاوہ زیر نظر بحث کی مناسبت سے اس زاویے سے دیکھیے تو اس کی پوری دنیا ہی اندھیری ہے۔ اور اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ابتدا پر نظر ڈالیے۔ خاندان کا آغاز شادی سے ہوتا ہے۔ اسلام کے مطابق شادی کے بعد بیوی کا سب سے پہلا حق ہے کہ اس کو مناسب الگ مکان ملے، جس میں پرائیویسی کے تمام تقاضوں کے ساتھ وہ پر سکون زندگی بسر کر سکے۔ جب تک وہ اکیلی ہے اس کو اپنی اور شوہر کی حیثیت کے لحاظ سے دستور کے مطابق اپنا خرچ ملے۔ بچوں کے ہو جانے کے بعد ان کی ضرورت کے علاوہ اس کو اس کا نفقہ دیا جائے۔ شادی کے بعد وہ صرف اپنے شوہر کو جواب دہ ہو۔ قرآن وحدیث میں اس سے صرف اپنے شوہر کی فرماں برداری کا مطالبہ ہے[1] اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کی فرماں برداری اور خدمت کے لیے اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بدلے میں شوہر سے مالی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اس کے ساتھ حسن معاشرت اور بہتر سلوک کی تاکید ہے[2] روایتی ہندستانی مشترک خاندان میں حقوق و فرائض کی یہ پوری ترتیب الٹ جاتی ہے۔ شادی کے بعد سسرال میں آتے ہی نئی نویلی دلہن ساس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ سسر اور دیوروں کا اس پر الگ دباؤ ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر کے بہنیں ہوں تو نندوں کا الگ عذاب ہوتا ہے جو صبح سے شام تک اس کے سر پر مسلط ہوتا ہے۔ سسرالی گھر کے اس اژدحام میں وہ صرف اپنے

(۱، ۲) ان نکتوں سے متعلق حوالوں کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آتی ہے۔

شوہر کو جواب دہ نہ ہو کر اس کے پورے نظام کو جواب دہ ہوتی ہے۔ ساس، سسر، دیور اور نند ہر ایک الگ الگ اس پر اپنا حق جماتا اور اس سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ جس میں اکثر و بیشتر شرعی حدود کو بری طرح پامال کیا جاتا ہے۔ روایتی مشترکہ مسلمان خاندانوں میں بھی ساس اور نند کے ساتھ سسر اور دیور کا پیر دبانا بھی معمول کی بات تھی۔ جب کہ یہ صریح طور پر حرام اور ناجائز ہے اور محمدیؐ شریعت میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نند کے نخرے اور بھی آسمان چھونے والے ہوتے ہیں۔ اگر اس کے لڑکے ہوں تو ان کی تمام پرورش اور پرداخت اور ان کی تمام تر دیکھ بھال بے چاری اسی بھاوج کے ذمہ ہے۔ اور اگر ساس جوان ہو اور اس کے چھوٹے لڑکے ہوں تو بہو ننھی نند اور دیور کی ذمہ داری سے کس طرح الگ ہو سکتی ہے۔ شریعت کی ابتدائی معلومات رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ اس کے لحاظ سے یہ سب کچھ غلط اور بے بنیاد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ علماء کی طرف سے اس کی تفہیم نہیں کرائی گئی۔ اور مسلمانوں کے معاشرتی نظام کی یہ ناہمواری ابھی بھی کسی نہ کسی حد تک برقرار ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کی یہ بہت بڑی برائی ہے۔ اور اس نظام کو بدلنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کو توڑے بغیر مسلمان خاندان میں حقوق و فرائض کی وہ ترتیب بحال نہیں ہو سکتی جس پر شریعت کا مدار ہے۔ اور جس کو مجروح اور پامال کر کے شریعت کی پاس داری اور اس پر عمل ورآمد کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب تک خاندان میں حقوق اور فرائض کی یہ ترتیب بحال نہ ہو اس کے اندر سکون اور اطمینان کا خواب بس خواب رہتا ہے۔ اس کو عمل کا جامہ نصیب نہیں ہوتا۔

زمانۂ نزول قرآن کا عرف

زمانۂ نزول قرآن میں عرب کا عرف ہندستان کے اس عرف سے بالکل مختلف تھا۔
چناں چہ سیرت اور تاریخ کا پورا ذخیرہ صدر اول میں ساس بہو اور نند بھاوجوں کے جھگڑوں اور ٹنٹوں سے بالکل پاک ہے۔ اہل عرب کا یہ عرف آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ اور یہ معاشرہ آج بھی ساس بہو کے جھگڑوں سے آزاد ہے۔ قرآن مجید میں ماں باپ اور قریبی رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کی جو غیر معمولی تاکید ہے، اس کا صحیح زور عرب کے اسی عرف کے پس منظر میں

سمجھ میں آتا ہے اور اسی پس منظر میں اس کی صحیح قدر دانی کی جا سکتی ہے۔ زیر نظر گفتگو کے تقاضے سے ان کا یہ حق اس طرح ادا ہونا چاہیے کہ دیگر افراد خانہ کے حقوق مجروح نہ ہوں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى... (النساء:۳۶)

''اور ایک اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ اور رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

نیز یہ کہ:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ... (بنی اسرائیل:۲۳-۲۶)

''اور تمھارے رب کا فیصلہ ہے کہ تم سوائے اس کے کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تمھارے پاس رہتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اف تک نہ کہو، نہ ان سے جھڑک کر بات کرو بل کہ ان سے شریفانہ گفتگو کرو۔ اور رحمت بھرے عاجزی کے پر کو ان کے لیے جھکائے رکھو اور ان کے لیے دعا کرتے رہو کہ پروردگار! ان کے اوپر رحم فرما جس طرح کہ انھوں نے (اسی طرح) مجھ کو بچپن میں پالا پوسا۔ اللہ کو خوب پتہ ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیکوکار رہوئے تو وہ توبہ کے طلب گاروں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو...''

نبی ﷺ کی احادیث میں بھی اسی پس منظر میں ماں باپ اور دیگر اعزہ کے ساتھ درجہ بہ درجہ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ سے اس سوال کے جواب میں کہ لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے: من احق الناس بحسن الصحبة، آپ ﷺ کی طرف سے جواب ملتا ہے:

قال امک ثم امک ثم امک ثم ابوک ثم ادناک ادناک۔(۱)

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں پھر تمھارا باپ پھر وہ جو تم سے جتنا قریب ہو۔''

دوسرے موقع پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ:

من ابر۔ ''میں کس کے ساتھ اور بھلائی کا معاملہ کروں۔''

اس سوال کے تین بار دہرائے جانے پر آپ ﷺ نے تینوں بار ماں 'امک' اور چوتھی بار باپ 'اباک' کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثم الاقرب فالاقرب۔(۲)

''پھر اس کے ساتھ جو تم سے جتنا نزدیک ہو۔''

حقوق کا تعین اور اس کی حصار بندی

اس مقصد سے خاندان کے اندر متعلق افراد کے حقوق کا تعین اور اس کی حصار بندی ضروری ہے۔ ماں باپ اور قریبی اعزہ جس میں بھائی بہن، خالہ پھوپھی وغیرہ سب شامل ہیں، ان کے حق کی بات اوپر آئی ہے۔ ذیل میں بیوی بچوں کے حقوق کی تفصیل کی جاتی ہے۔ موٹے طور پر یہ حقوق دو طرح کے ہیں۔ معاشرتی اور معاشی۔ ان دونوں پر الگ الگ نظر ڈالنی چاہیے۔ پہلے معاشی حق کو لیتے ہیں۔

معاشی حقوق

شریعت محمدیؐ کے اس معروف مسئلے سے ہر مسلمان واقف ہے کہ شادی کے بعد عورت کے نان نفقہ یعنی کہ اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمے داری اس کے شوہر کی ہے۔ نان نفقہ میں

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب بر الوالدین و انهما احق به۔

(۲) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب بر الوالدین، مجیدی، کان پور، جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب بر الوالدین، رشیدیہ، دہلی۔

عام طور پر کھانے اور کپڑے کا ہی ذکر آتا ہے۔ یہ غالباً اس لیے کہ شوہر کے ساتھ رہنے میں یہ بات اپنے آپ مفہوم ہے کہ اس کو مکان اور رہائش کی سہولت تو حاصل ہوگی ہی۔ نزاع کا سوال عام طور پر کھانے اور کپڑے ہی کے معاملے میں پیدا ہوتا ہے۔ چناں چہ شوہر کی اجازت سے اگر عورت اپنے میکے میں رہے تو اس کے مکان کا مسئلہ تو ویسے بھی حل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمے داری شوہر پر بدستور برقرار رہتی ہے۔ لیکن فقہ اسلامی میں 'نفقہ' جب اصطلاحی طور پر بولا جائے تو کھانے اور کپڑے کے ساتھ شوہر کی طرف سے اس کو مکان اور رہائش فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی اس میں اسی طرح شامل ہوتی ہے۔ اوپر کے اس فرق کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ذمے داریوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ روٹی اور کپڑے کی ذمہ داری کے سلسلے میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ معروف ہے:

...وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

(البقرہ:۲۳۳)

"...اور بچے کے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ دستور کے مطابق اس کی ماں کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرے۔"

عورت کے لیے مکان کا ذکر دوسرے مقام پر ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ

(الطلاق:٦)

"تم اپنی (مطلقہ) عورتوں کو رہنے کی جگہ دو جیسے کہ تم خود رہتے ہو اپنی گنجائش کے مطابق۔ اور تم ان کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو جس سے کہ تم ان کا جینا دوبھر کر دو۔"

یہ دونوں آیات کریمہ اگرچہ طلاق کے پس منظر میں ہیں۔ لیکن یہ اس سے عام ہیں۔ طلاق کے بعد اگر عورت بچے کو دودھ پلانے کو تیار ہو تو اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری لڑکے کے باپ یعنی کہ عورت کے شوہر پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کی آیت کریمہ میں اس کی صراحت ہے۔ اسی طرح مرد عورت کو طلاق دے دے تو عدت کی مدت تک اس کے لیے اس کو مکان فراہم کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں اس کا تذکرہ ہے۔ چناں چہ اسی

سورہ میں اس سے پہلے تاکید ہے کہ اس مدت میں مرد عورتوں کو ان سے گھروں سے نہ نکالیں یہاں تک کہ مرد کی طرف سے اس کے لیے دباؤ بھی ہو تو عورت اپنے طور پر گھر سے نہ نکلے:

...لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ... (الطلاق:۱)

"...تم ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور وہ خود بھی ایسے ہی جھٹ سے نہ نکل جائیں...."

لیکن اس خاص پس منظر سے ہٹ کر یہ دو آیات عام ہیں۔ اور شادی کے بعد کسی کے اختلاف کے بغیر عورت کے کھانے کپڑے اور رہائش کی ذمے داری اس کے شوہر کی ہے۔ جب کہ عورت کے مکان کے حق کا تذکرہ اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ہے، جس کے مضمرات اور متعلقات کی حدیث اور فقہ میں مزید تفصیل کی گئی ہے(۱) اسی طرح مکان کے سلسلے میں اوپر کی آیت کریمہ میں اس کی وضاحت ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے لحاظ سے جس طرح کے مکان میں رہتا ہو اسی میں عورت کو بھی رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ طلاق کے بعد عدت کے دوران مرد خود تو اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ اور آرام دہ مکان میں رہے اور طلاق یافتہ بیوی کو تنگ کرنے اور ستانے کی غرض سے اس کو تنگ و تاریک اور تکلیف دہ مکان میں دن گزارنے کے لیے مجبور کرے(۲) اوپر وضاحت آچکی ہے کہ اس مخصوص پس منظر سے ہٹ کر مکان کے حق کا یہ حکم عام ہے اور شادی کی لمبی اور طویل خوش گوار پوری مدت اور اس کے پورے عرصے میں شوہر اسی طرح عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق بہتر سے بہتر رہائش فراہم کرنے کا پابند ہے۔ جہاں تک عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق بہتر سے بہتر کھلانے اور پہنانے کا سوال ہے تو قرآن شریف کی سورۂ نساء کی اس آیت کریمہ سے تو اس کا اشارہ نکلتا ہی ہے:

...وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ... (النساء:۱۹)

"...اور تم اپنی عورتوں کو بھلے طریقے سے رکھو...."

---

(۱) ہماری کتاب 'مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام' کے متعلقہ مباحث۔ مطبوعہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ۔

(۲) طلاق:۶ بحولہ بالا۔

ذیل کی حدیث سے اس کا مضمون مزید صاف ہو جاتا ہے:

اطعموهن مما تاكلون و اكسوهن مماتكسون۔(۱)

''تم جیسا خود کھاتے ہو ویسا ہی ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جیسا خود پہنتے ہو ویسا ہی ان کو بھی پہناؤ۔''

اس سلسلے میں آدمی کے اوپر اس کی جو ذمہ داری اس کی بیوی کی ہے وہی ذمہ داری اس کے بال بچوں خاص طور پر اس کی کم سن اولاد کی ہے جو تمام تر اس کے اوپر منحصر ہو اور کھانے اور خرچے کی تمام تر ذمہ داری اس کے اوپر عائد ہوتی ہے۔ اس کا کسی قدر ذکر اس سے پہلے آ چکا ہے،(۲) مزید تفصیلات اپنے مقام پر دیکھی جا سکتی ہیں(۳) اللہ کے آخری رسول ﷺ کی نظر میں بال بچوں پر خرچ کرنے کی جو اہمیت اور اس کی جو فضیلت ہے اس کا اندازہ آپ ﷺ کی صرف ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے، جس کی روایت جماعت صحابہؓ میں حدیث کے سب سے بڑے امام حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے:

دينار انفقته في سبيل الله و دينار انفقته في رقبة و دينار تصدقت به علىٰ مسكين و دينار انفقته علىٰ اهلك اعظمها اجرا الذي انفقته علىٰ اهلك۔(۴)

''ایک دینار تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو، ایک دینار تم غلام کے آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہو، ایک دینار تم کسی مسکین پر خیرات کرتے ہو اور ایک دینار تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو، اس میں سب سے زیادہ ثواب اسی دینار کا ہے جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔''

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ا۔ کتاب النکاح، باب حق المرأة على زوجها۔

(۲) اسی کتاب کا مضمون 'فلاح اطفال'۔

(۳) ہماری کتاب 'مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام' کا آخری حصہ۔ محولہ بالا۔

(۴) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقة على العيال والمملوك و اثم من ضيعهم او حبس نفقتهم عنهم۔ عامرہ، مصر۔

معاشرتی حق

معاشی حقوق کی طرح عورت کے معاشرتی حق کی ادائیگی بھی اسی طرح ضروری ہے۔ بعض پہلوؤں سے معاشی حق کے مقابلے میں معاشرتی حق زیادہ اہم اور توجہ کا طالب ہے۔ شوہر کی طرف سے بیوی کے معاشی حقوق پوری فراوانی کے ساتھ ادا ہو رہے ہوں اور اسے کھانے کپڑے کی کوئی پریشانی نہ ہو، لیکن گھر کے اندر اگر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ ہو، اس کے جذبات کا لحاظ نہ کیا جا سکے اور جائز حد کے اندر اس کو اپنے طرز پر جینے کی آزادی حاصل نہ ہو تو شوہر کی اچھی آمدنی اور اس کی مالی آسودگی اس کے لیے بڑی حد تک بے معنی اور بے مصرف ہو کر رہ جاتی ہے۔ معاشی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ شوہر کی طرف سے عورت کے معاشرتی حق کا بھی اسی طرح لحاظ کیا جائے۔ اس سلسلے میں سورۂ نساء کی آیت کریمہ دستوری اہمیت کی حامل ہے، دوسرے پہلو سے جس کا تذکرہ اوپر بھی آ چکا ہے:

...وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ... (النساء:۱۹)

''...اور اپنی عورتوں کو بھلے طریقے سے رکھو...''

اس آیت کریمہ میں عورت کے ساتھ بھلائی سے گزارا کرنے کا حکم اس کے معاشی اور معاشرتی دونوں طرح کے حقوق کی ادائیگی کو سمیٹے ہوئے ہے۔ جیسا کہ امام ابوبکر جصاص رازی م ۳۷۰ھ کی اس کی ذیل کی تفسیر سے واضح ہے:

(وعاشروهن بالمعروف) امر للازواج بعشرة نسائهم بالمعروف و من المعروف ان یوفیها حقها من المهر والنفقة والقسم و ترک اذاها بالکلام الغلیظ والاعراض عنها والمیل الی غیرها و ترک العبوس والقطوب فی وجهها بغیر ذنب۔ (۱)

(۱) احکام القرآن: ۲/ ۱۳۲، مطبعہ بہیہ، مصر۔

’’(اور اپنی عورتوں کو بھلے طریقے سے رکھو) اس میں شوہروں کو حکم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو بھلے طریقے سے رکھیں۔ اور بھلے طریقے سے رکھنے میں یہ سب شامل ہے کہ وہ اس کے مہر، نفقہ اور باری کا پورا پورا حق ادا کرے۔ اس سے سخت لہجہ میں بات نہ کرے۔ اس سے بے رخی نہ برتے اور کسی اور کی طرف میلان نہ رکھے۔ اور بے قصور اس کے سامنے ہر وقت چہرے تانے اور بھوں کو چڑھائے نہ رکھے۔‘‘

امام موصوف کے اس بیان سے واضح ہے کہ یہ صرف ندب و استحباب کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ مرد کے لیے عورت کے ساتھ یہ حسن معاشرت لازمی اور ضروری ہے۔ قاضی ابوبکر مالکی م ۵۴۲ھ آیت کریمہ کی اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کردی ہے۔ سب سے پہلے وہ لفظ 'معاشرت' کے لغوی پہلو کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس کے تمام الفاظ اور جملہ استعمالات میں 'تمام وکمال' کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فامر اللّٰہ سبحانہ الازواج اذا عقدوا علی النساء ان یکون اومۃ ما بینھم و صحبتھم علی اتمام والکمال فانہ اھدأ للنفس واقر للعین واھنأ للعیش و ھٰذا واجب علی الزوج۔(۱)

’’اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شوہروں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ عورتوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ لیں تو ان کے تعلقات کو آپس میں انتہائی خوش گوار اور شگفتہ ہونا چاہیے۔ اس سے دل کو غیر معمولی طور پر سکون ملتا اور نگاہ کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں آدمی کی زندگی حد درجہ پرسکون گزرتی ہے۔ ایسا کرنا شوہر کے اوپر واجب ہے۔‘‘

یہاں تک کہ عورت کے اندر اگر واقعی کمیاں اور کمزوریاں ہوں جب بھی اس کو حتی الامکان گوارا کرنا چاہیے۔ اور جلدی سے طلاق دے دینے اور عورت کو الگ کردینے کے بجائے ناگواریوں کے باوجود عورت کے ساتھ مل کر زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چناں چہ آیت کریمہ کے اوپر کے ٹکڑے کے فوراً بعد فرمایا:

...وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا۝ (النساء:۱۹)

(۱) احکام القرآن: ۱/۱۵۱، مطبعۃ السعادہ، مصر۔ طبعہ اولیٰ ۱۳۳۱ھ۔

''اور تم اپنی عورتوں کو بھلے طریقے سے رکھو۔ لیکن کسی وجہ سے اگر تم ان کو پسند نہ کرو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بڑی بھلائی ڈال رکھی ہو۔''

حدیث میں بھی اسی کی تاکید ہے:

لا یفرک مومن مومنة ان کرہ منها خلقا رضی منها آخر۔ (۱)

''کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کو اس کی ایک بات اچھی نہ لگے گی تو دوسری ضرور اس کو پسند آئے گی۔''

قرآن شریف کی عظیم الشان سورۂ بقرہ جس کا ایک قابل لحاظ حصہ معاشرتی احکام سے متعلق ہے۔ اور جس میں اس کی باریکیوں کو ایک ایک کر کے نمایاں کیا گیا ہے، اس میں اس کی بار بار تاکید ہے کہ طلاق کے ذریعہ اگر مرد عورت کو اپنے سے الگ کرنے کا فیصلہ نہیں کرتا، جیسا کہ اوپر اس کی ترغیب ہے، تو اپنے ساتھ رکھنے کی صورت میں اس کے ساتھ معاملہ ہر حال میں بھلائی اور اچھائی کے ساتھ ہونا چاہیے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

(البقرہ:۲۲۹)

''طلاق دو بار میں ہونی چاہیے۔ پھر یا تو مرد عورت کو بھلائی کے ساتھ رکھے۔ ورنہ عمدگی کے ساتھ اس سے رشتہ کو منقطع کر لے۔''

اس آیت کریمہ کا یہ مسئلہ الگ سے توجہ طلب ہے کہ طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ دو بار میں اور الگ الگ دی جائے۔ طلاق کے اس طریقے میں صورتوں کے اختلاف سے آدمی کو سوچنے اور اپنے معاملات کو درست کرنے کے لیے کافی وقت مل جاتا ہے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد بھی اگر نباہ کی کوئی شکل نہ نکل سکے تو مرد کے لیے تیسرے طلاق کا حق باقی رہتا ہے، جس کے ذریعہ خوش اسلوبی کے ساتھ عورت کو اپنے سے الگ کر سکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے مسلمانوں میں اس وقت عام طور پر طلاق کا مروجہ طریقہ جس میں ایک ہی سانس میں عورت کو تین طلاق

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء۔ مسند احمد: ۳۲۹/۲، میمنیہ، مصر۔ نیز تفسیر ابن کثیر: ۴۶۶/۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۶ھ البتہ وہاں 'ان کرہ منها' کے بجائے 'ان سخط منها' کے الفاظ ہیں۔ مزید مآخذ کی تعیین کے بغیر حافظ ابن کثیر نے اس کو صرف 'صحیح حدیث' کے حوالہ سے نقل کیا۔

دے دی جاتی ہے یہ قرآن کے خلاف اور گناہ کا موجب ہے۔ دنیوی طور پر اس کی وجہ سے جو دقتیں اور پریشانیاں آتی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ بہ ہر حال طلاق سے باز رہ کر اگر آدمی بیوی کے ساتھ نباہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو تنگ کرنے اور ستانے کے بہ جائے اس کو اپنے ساتھ نیکی اور بھلائی کے ساتھ رکھنا چاہیے۔

...فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ... (البقرہ:۲۲۹)

"...پھر یا تو مرد عورت کو بھلائی کے ساتھ رکھے۔..."

آگے کسی قدر وضاحت سے اسی حکم کا اعادہ ہے۔ ساتھ ہی عورت کو نقصان نہ پہنچانے کی تاکید ہے۔ اور مختلف پہلوؤں سے اس حکم پر مخلصانہ عمل درآمد کی ترغیب دی گئی ہے:

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا وَ مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا (البقرہ:۲۳۱)

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی (عدت کی) مدت کو پہنچ جائیں تو پھر یا تو تم بھلے طریقے سے انھیں اپنے پاس رکھو ورنہ عمدگی کے ساتھ ان سے اپنا رشتہ منقطع کرلو۔ اور نقصان پہنچانے کی غرض سے ان کو اپنے پاس مت روکو تاکہ نت نئے طریقوں سے ان کو ستاؤ۔ اور جو کوئی ایسا کرے تو اس نے خود اپنے اوپر ظلم ڈھایا۔ اور اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ بناؤ۔"

طلاق یافتہ عورت کبھی اس حالت میں بھی ہوسکتی ہے کہ اس کا چھوٹا بچہ ہو اور وہ اس کو دودھ پلا رہی ہو۔ اس صورت میں بھی شوہر کو تنبیہ کی گئی ہے اس کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہ کرے جس سے کہ اس کو نقصان پہنچے:

...لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا... (البقرہ:۲۳۳)

"...کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے۔..."

اس سے پہلے مکان کے حوالہ سے اس کی الگ تاکید کی گئی ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ (الطلاق ۶:)

''اور تم عورتوں کو رہنے کی جگہ دو جیسے کہ تم خود رہتے ہو اپنی گنجائش کے مطابق۔ اور ان کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو جس سے کہ تم ان کا جینا دوبھر کر دو۔''

اس حسن معاشرت اور حسن سلوک کا کامل نمونہ دیکھنا ہو تو اللہ کے آخری نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کو دیکھنا چاہیے۔ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت[1] سے امت سے الگ آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ اور ان کے درمیان جیسا کہ سوکنوں کی عادت ہے چشمک اور رقابت کے واقعات برابر سامنے آتے رہتے تھے۔ ایسے ہر موقع پر آپ ﷺ بالکل غیر جانب دار رہتے۔ آپ ﷺ ان کے مابین کامل انصاف کا معاملہ کرتے اور اس سے ہونے والی اذیت اور ناگواری پر اسی طرح صبر کرتے تھے[2]۔ چناں چہ ازواج مطہراتؓ میں سے کسی کو آپ ﷺ کی پوری زندگی میں اس کی شکایت نہیں رہی کہ آپ ﷺ کی طرف سے ان میں سے کسی کی بے جا طرف داری کی گئی اور کسی کی حق تلفی کی گئی۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ازواج مطہراتؓ سے آپ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچ جاتی تھی۔ اس میں آپ ﷺ کی سب سے چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ بھی شامل ہوتی تھیں۔ صورت حال کو دیکھ کر ان کے متعلقین پریشان ہو جاتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ پوری خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کرتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کے حسن سلوک سے ان کی ناراضگی بہت جلد محبت میں تبدیل ہو جاتی تھی[3]۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ ﷺ کی نظر میں ان ازواج مطہراتؓ کی حیثیت 'آب گینوں'[4] کی تھی۔ پھر آپ ﷺ

---

(۱) احزاب: ۵۰-۵۲

(۲) سنن نسائی جلد ۲۔ کتاب عشرۃ النساء۔ باب حب الرجل بعض نسائہ اکثر من بعض، نیز اس سے آگے کا باب باب الغیرۃ۔ مُشل مجتبائی دہلی۔ کتب خانہ رحیمیہ دیو بند۔

(۳) حجۃ الاسلام غزالی م ۵۰۵ھ: احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۹، طبع قدیم عامرہ شرفیہ، مصر ۱۳۲۶ھ۔

(۴) اپنے ساربان اور حدی خواں انجشہؓ کو نبی ﷺ کی تاکید کہ وہ نازک خواتین (ازواج مطہراتؓ) کی سواری کو بہت تیز نہ ہانکیں۔ ویحک یا انجشۃ، رویدک سوقا بالقواریر۔ صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر والرجز والحداء وما یکسرہ منہ۔ صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب الفضائل، باب رقم النبی ﷺ للنساء وامر سواق مطایاھن بالرفق لھن۔

کے ہاتھ سے یہ آب گینے کس طرح ٹوٹ سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی صراحت کے مطابق آپ ﷺ کے رفقاء میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ پر نبوت کا عکس جھلکتا ہے[۱]

آپؓ کی دوسری بے جوڑ خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود آپؓ کے مزاج کی سختی اور کھردراپن معروف ہے۔ اس کے باوجود گھر کی معاشرت کے حوالہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ:

ینبغی للرجل ان یکون فی اھلہ مثل الصبی؟ فاذا التمس ما عندہ وجد رجلا۔[۲]

"مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بچے کی طرح رہے۔ ہاں جب اسے اپنی ذمہ داری نبھانے کا موقع آئے تب اس کو مرد نظر آنا چاہیے۔"

حضرت لقمانؑ کی حکمت اور دانائی کی سند قرآن نے دی ہے[۳] ان کی طرف سے اس مضمون کا اسی طرح انتساب ہے:

ینبغی للعاقل ان یکون فی اھلہ کالصبر، و اذا کان فی القوم وجد رجلا۔[۴]

---

(۱) آپ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں نبی ﷺ کی مشہور احادیث کہ: لقد کان فیما قبلکم من الامم ناس محدَّثون، فان یک فی امتی احد فانہ عمرؓ "تم سے پہلے کی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ بہ ذریعہ وحی ہم کلام ہوتا تھا۔ اور ان کو غیب کا الہام ہوتا تھا۔ میری امت میں اگر ایسا کوئی شخص ہوسکتا ہے تو وہ حضرت عمرؓ ہیں۔" لقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء، فان یکن فی امتی منھم حد فعمر۔ "تم سے پہلے بنی اسرائیل کی قوم میں ایسے لوگ ہوتے تھے جن سے (آسمان سے) گفتگو کی جاتی تھی اس کے باوجود کہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے۔ تو میری امت میں اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ حضرت عمرؓ ہیں۔" صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب عمر بن الخطّاب ابی حفص القرشی العدوی رضی اللہ عنہ۔ نیز: صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب الفضائل، باب فضائل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ البتہ یہاں صرف پہلی روایت کا تذکرہ ہے۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۹، محولہ بالا۔

(۳) لقمان: ۱۲

(۴) احیاء: ۲/ ۲۹، حوالہ مذکور

''سمجھ دار کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بچے کی طرح رہے۔ ہاں جب وہ لوگوں کے ساتھ باہر رہے تب اس کو مرد نظر آنا چاہیے۔''

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے بعد ماں باپ کے علاوہ جن دوسرے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے اس میں سے ایک پہلو کا ساتھی 'والصاحب بالجنب' بھی ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (النساء:۳٦)

''اور ایک اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اسی طرح رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ۔ اسی طرح ان کے ساتھ جو کہ تمھارے ہاتھوں کی ملکیت ہیں (یعنی کہ غلام اور باندی)۔''

اس میں 'الصاحب بالجنب' کی ایک تفسیر بیوی سے کی گئی ہے:

(والصاحب بالجنب) قیل هی المرأة۔(۱)

''(اور پہلو کا ساتھی) اس کے سلسلے میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اس سے مراد عورت ہے۔''

اس سے پہلے امام بخاری م ۲۵٦ھ کے یہاں بھی یہ استدلال موجود ہے۔ جو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق احادیث کا اولین مصداق 'بیوی' کو قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ اپنی صحیح میں 'کتاب النکاح' کے تحت عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک باب وہ یہ قائم کرتے ہیں:

باب الوصاة بالنساء۔(۲)

''عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا باب۔''

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۸

(۲) صحیح بخاری جلد ۳ کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، طبع جدید: المکتبة السلفیه، القاهره۔

اور اس کے سلسلے میں آپ ﷺ کی یہ مشہور حدیث نقل کرتے ہیں:

واستوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع اعوج، و ان اعوج شیء فی الضلع فلاه، فان ذهبت تقیمه کسرته، و ان ترکته لم یزل اعوج، فاستوصوا بالنساء خیرا۔(۱)

"عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ اس لیے کہ ان کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے۔ اور پسلی کا اوپر کا حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ تو اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر تم اس کو چھوڑ دو گے تو یہ دستور ٹیڑھا رہے گا۔ (یہی کچھ حال عورتوں کا ہے جن کی پیدائش مرد کی پسلی سے ہوئی ہے) تو تم عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔"

لیکن اس سے پہلے اس باب کے ذیل میں وہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے پڑوسی کے حق سے متعلق نبی ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں:

من کان یومن بالله و الیوم الآخر فلا یوذی جاره۔(۲)

"جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی (یعنی کہ عورت) کو تکلیف نہ دے۔"

اوپر عورت کے معاش حق کے سلسلے میں نبی ﷺ کی یہ حدیث آچکی ہے:

اطعموهن مما تاکلون واکسوهن مماتکسون۔(۳)

"تم جیسا خود کھاتے ہو ویسا ہی عورتوں کو بھی کھلاؤ اور جیسا خود پہنتے ہو ویسا ہی عورتوں کو بھی پہناؤ۔"

اس کے اگلے ٹکڑے میں عورت کے معاشرتی حق کا بیان ہے:

ولا تضربوهن ولا تقبحوهن۔ (۴)

"اور ان کو مارو نہیں، نہ ان کو برا بھلا کہو۔"

(۱،۲) صحیح بخاری جلد ۳ کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، طبع جدید: المکتبة السلفیه، القاهره۔

(۳) سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب حق المرأة علی زوجها۔ مجیدی، کان پور۔

(۴) سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب حق المرأة علی زوجها۔ مجیدی، کان پور۔

حسن معاشرت کے بعض باریک پہلو

اس کے ساتھ ہی قرآن وسنت سے عورت کے ساتھ حسن معاشرت کے بعض باریک پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس موقع پر اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس کے سلسلے میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ گھر میں مرد کو عورت کے ساتھ کھلے چہرے کے ساتھ رہنا چاہیے۔ عام طور پر روایتی دین داری کا تقاضا یہ باور کیا جاتا ہے کہ گھروں کے اندر مرد کا منہ ہر وقت لٹکا رہے۔ اور اس کی طرف سے خوش طبعی اور تفریح کا کوئی مظاہرہ سامنے نہ آئے۔ اسلام عام زندگی میں بھی دین داری کے اس تصور کے خلاف ہے۔ حدیث میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے ہنس کر ملنے اور مسکرا کر بات کرنے کو بھی ایک طرح کا صدقہ اور نیکی کہا گیا ہے:

تبسمک فی وجه اخیک لک صدقة۔(۱)

''تمھارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تمھارے لیے ایک طرح کا صدقہ اور خیرات ہے۔''

نیز یہ کہ:

کل معروف صدقة، و ان من المعروف ان تلقی اخاک بوجه طلق۔(۲)

''ہر بھلائی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ اور بھلائی یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔''

تو جب اپنی عام زندگی میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اس طرح ہنس کر اور مسکرا کر ملنا چاہیے، تو گھر کے اندر چوبیں گھنٹے اس کے ساتھ رہنے والی اور اس کے تمام دکھ درد میں شریک رہنے والی بیوی کو اس کے اس رویے اور برتاؤ کا سب سے زیادہ مستحق ہونا چاہیے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے گھر میں ازواج مطہرات ؓ کے ساتھ

---

(۱) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی ضائع المعروف۔

(۲) ترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی طلاقة الوجه و حسن البشر۔ رشیدیہ دہلی۔

ہمیشہ انتہائی خوش گوار موڈ میں رہتے۔ اور اپنی تفریح آمیز گفتگو سے گھر کے ماحول کو زعفرانی بنائے رہتے تھے۔ روایتوں میں آپ ﷺ کے بارے میں صراحت ہے کہ:

کان صلی اللّٰہ من افکہ الناس مع نسائہ۔(۱)

''آپ ﷺ اپنی عورتوں کے ساتھ سب میں بڑھ کر بے تکلف اور پر لطف تھے۔''

حسن معاشرت کا دوسرا پہلو اس سے نازک ہے۔ اسلام کے لحاظ سے آدمی کے لیے کسی دوسرے مرد و عورت سے کھلی ہوئی جنس آمیز گفتگو جائز نہیں ہے۔ لیکن شوہر کے لیے اپنی بیوی سے اس گفتگو کا راستہ پوری طرح سے کھلا ہوا ہے۔ اس کے لیے قرآن و حدیث میں ایک خاص لفظ 'رفث' کا استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی کھلی ہوئی جنس آمیز گفتگو کے ہیں جو کنایہ کے طور پر اس سے آگے صاف مباشرت و مجامعت کے عمل کے لیے بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کے اس استعمالات میں کبھی اس کا ایک پہلو غالب ہوتا ہے اور کبھی دوسرا:

الرفث: کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع و دواعیہ و جعل کنایۃ عن الجماع۔(۲)

''رفث، پھوہڑ گفتگو جس کا عام حالات میں ذکر مناسب نہ ہو۔ جس میں مجامعت و مباشرت اور اس کے مقدمات اور محرکات کا تذکرہ ہو۔ اسی لیے اس کو مجامعت اور مباشرت کے لیے بہ طور کنایہ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔''

دوسرے موقع پر مختلف حضرات صحابہ و تابعین سے اس کے یہ معانی بیان کیے گئے ہیں:

انما الرفث مراجعۃ النساء بذکر الجماع۔(۳)

'''رفث' کا مطلب ہی ہے عورتوں کے ساتھ وہ گفتگو جس میں مجامعت اور مباشرت کا تذکرہ ہو۔''

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۹، طبع قدیم، مصر۔

(۲) الراغب الاصفہانی م ۵۰۲ھ: المفردات فی غریب القرآن ۱۹۹، طبع جدید، دار المعرفۃ، بیروت، ضبط و تحقیق: محمد سید گیلانی۔

(۳) ابوبکر جصاص الحنفی م ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۱/ ۳۶۲، بہیہ، مصر۔

الرفث الجماع فما دونه من قول الفحش۔(۱)

’’ ’رفث‘ کا مطلب ہے مجامعت و مباشرت، اسی طرح اس سے کم تر درجہ میں فحش اور پھوہڑ گفتگو اس میں شامل ہے۔‘‘

هو الجماع فما دونه من شأن النساء۔(۲)

’’اس کا مطلب ہے مجامعت و مباشرت۔ نیز اس سے کم تر درجہ میں عورتوں کے جو معاملات ہوتے ہیں وہ بھی اس میں اسی طرح شامل ہیں۔‘‘

اردو اور انگریزی میں اس کو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ: جنسی گفتگو جو امکانی طور پر جنسی عمل پر منتج ہو۔ Sexual discourse that may lead to sexual intercourse. روزہ کے احکام سے متعلق آیت کریمہ میں اس کا استعمال بہ طور کنایہ ہے جہاں اس کے دوسرے مباشرت اور مجامعت کے معنیٰ غالب ہیں:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (البقرہ:۱۸۷)

’’رمضان کی راتوں میں تمھارے لیے اپنی عورتوں سے مجامعت و مباشرت حلال ہے۔‘‘

سورۂ بقرہ میں اس سے آگے حج کے مسائل کے بیان میں اس کا پہلا یعنی کہ جنس آمیز گفتگو کا پہلو ابھرا ہوا ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ (البقرہ:۱۹۷)

’’حج کے متعین مہینے ہیں۔ تو جو کوئی ان میں (اپنے اوپر) حج کو فرض کرلے تو حج کی حالت میں عورت سے ہیجان انگیز گفتگو، اسی طرح نافرمانی کی بات اور لڑنے جھگڑنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔‘‘

حج سے متعلق نبی ﷺ کی اس حدیث میں بھی ’رفث‘ کا یہی مفہوم ہے:

(۱، ۲) ابوبکر جصاص الحنفی م ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۱/ ۳۶۲، بہیہ، مصر۔

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه۔ (۱)

"جو کوئی حج کرے۔ پس اس کے دوران عورت سے ہیجان انگیز گفتگو کرے اور نہ نافرمانی کی کوئی بات کرے تو وہ ویسا ہی لوٹتا ہے جیسے کہ وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"

اور روزہ کے آداب سے متعلق آپ ﷺ کے اس بیان میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے:

الصیام جُنَّة، فلا یرفث ولا یجهل و ان امروٌ قاتله او شاتمه فلیقل: انی صائم۔ (۲)

"روزہ ڈھال ہے۔ تو روزہ دار کو چاہیے کہ وہ ہیجان انگیز گفتگو کرے، نہ نادانی اور جہالت کی بات منہ سے نکالے۔ اور اگر دوسرا اس سے لڑائی یا گالم گلوج کرنے پر آمادہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس سے یہ کہہ کر اپنا معاملہ ختم کرے کہ میں روزے سے ہوں۔"

اس تفصیل کی روشنی میں روزہ اور حج کی حالت کے علاوہ موقع کی رعایت سے عورت کے ساتھ مرد کی اس جنس آمیز گفتگو کا سلسلہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے گھر کے اندر شوہر کی بیوی کے ساتھ معاشرت اس طرح کی ہونی چاہیے، جس میں اس کے لیے کسی قسم کی دشواری اور رکاوٹ نہ ہو۔ روایتی مشترک خاندان اور اس کے مشترک اور بند نظام کے بہ جائے جس میں عام طور پر مرد کا اپنی عورت سے آخری جنسی تعلق چھپ چھپا کر ہی قائم ہوتا ہے، معاشرت کی یہ بے تکلفی اسلام کے مطلوبہ چھوٹے اور الگ خاندان میں ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اوپر صراحت آتی ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے ساتھ معاشرت کی سہولت اور نرمی اس کے اوپر واجب ہے۔ سو اس واجب کا حصول اگر مشترکہ خاندانی نظام کے بہ جائے اسلام کے مطلوبہ جداگانہ نظام کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو فقہ کے معروف اصول سے اس کی جگہ اس کو قائم کرنا بھی اسی طرح ضروری اور واجب ہوگا۔ اس لیے کہ:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة و یوم عرفة۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الصوم، باب فضل الصوم۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الصیام، باب فضل الصیام، عامرہ، مصر۔

مالا یتم الواجب الا به فهو واجب۔ (۱)

''جس چیز پر کسی واجب کا حصول موقوف ہو تو وہ بھی اسی طرح واجب ہو جاتی ہے۔''

فقہ کی بعض جزئیات سے یہ مسئلہ مزید کھلتا ہے۔ فقہ میں صراحت ہے کہ:

المرأة تقعد بين يدی زوجها فی بيتها مكشوفة فی ثياب رفاق لا باس به۔ (۲)

''عورت اپنے گھر میں اپنے شوہر کے سامنے باریک کپڑوں میں کھلی ہوئی بیٹھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

صحیح بات یہ ہے کہ اس سے پہلے کے حسن معاشرت کے عام حق کی ادائیگی بھی الگ خاندان کے اسلام کے پسندیدہ نظام میں ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ روایتی مشترکہ خاندانی نظام میں، جیسا کہ گزرا، نئی نویلی دلہن کو بسا اوقات اپنے چھوٹے دیوروں اور نندوں اور بھابیوں کے چھوٹے بچوں کی پرورش میں سرگرم حصہ لینا پڑتا ہے۔ اور چاہتے نہ چاہتے لمبے عرصے تک کے لیے اس کے بوجھ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ جب کہ علماء کی طرف سے اس کی صراحت کہ عورت کے اوپر اپنے شوہر کے سوتیلی اولاد کی پرورش بھی واجب نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کر سکے تو یہ اس کی نیکی اور شرافت ہے۔ لیکن ہرگز ہرگز اس کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مشہور محدث اور فقیہ ابن بطال م ۴۴۹ھ کا صاف کہنا ہے:

عون المرأة زوجها فی ولده ليس بواجب عليها و انما هو من جميل العشرة و من شيمة صالحات النساء۔ (۳)

''عورت کا اپنی سوتیلی اولاد کے معاملے میں اپنے شوہر کی مدد کرنا اس کے اوپر واجب

---

(۱) ایک حوالہ کے لیے: ابن تیمیہ: فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۹/ ۲۸۰، طبع جدید سعودی عرب۔ ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد۔

(۲) المغنی لابن قدامہ: ۶/ ۵۵۸، مکتبۃ الجمہوریۃ العربیہ، مصر۔

(۳) ابن حجر: فتح الباری: ۹/ ۵۱۳، طبع جدید: دار المعرفة، بیروت۔ توزیع: دار الباز بمكة۔ تصحيح و تحقيق عبد العزيز بن عبد الله بن باز۔

نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف حسن معاشرت کا تقاضا ہے۔ اور نیک عورتیں اس طریقے پر عمل کرتی رہی ہیں۔"

نیا منظر نامہ

اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی یہ چارہ گری اب تک کے قدیم معاشرتی پس منظر میں تھی۔ اس کے نئے منظر نامے کی اپنی الگ آفات ہیں۔ پرسکون خاندان کے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس راہ کی رکاوٹوں کو بھی دور کرنے کو وہ اپنے لیے ضروری خیال کرتی ہے۔ یہ نیا منظر نامہ دیہاتوں سے شہروں کی طرف منتقلی، خاندانوں کے ٹوٹنے اور بکھرنے اور اپنے قدیم وطن اور اس کے پس منظر سے نکل کر نئے ماحول اور نئے حالات میں اپنے الگ اور مختصر خاندانوں کو لے کر چلنے اور انھیں آگے بڑھانے کا ہے۔ روزی روٹی کی تلاش میں گاؤں سے شہر جانے اور دیس سے پردیس میں رہنے کی ہمارے ملک کی بہت پرانی روایت ہے۔ اور برصغیر ہند کے دوسرے پڑوسیوں، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کی اس میں ایسی ہی شرکت اور یکسانیت ہے۔ لیکن ماضی کے مقابلے میں نئے دور کی اس مہاجرت اور منتقلی میں بڑا فرق ہے۔ پرانے پس منظر میں آدمی کا پورا خاندان، ماں باپ اور بیوی بچے وغیرہ سب کے سب اپنے وطن میں رہتے تھے۔ صرف کمانے والا مرد گھر کو چھوڑ کر پردیس کو پکڑتا تھا۔ اور جب تک کمانے کے قابل رہتا اس کو اسی طرح پکڑے رہتا تھا، بیوی بچوں کے ساتھ دیہات سے شہر خاص خاص لوگ ہی منتقل ہوتے تھے۔ بڑی اور اونچی ملازمت کے تقاضے سے ایسا ہوتا تھا۔ ورنہ بڑے زمین دار اور رئیس شہروں میں رہا کرتے تھے۔ اگرچہ ان کی زمین داریاں اور ریاستیں دیہاتی علاقوں پر مشتمل ہوتی تھیں، لیکن شہری سہولتوں کے پیش نظر دیہاتوں کے بہ جائے وہ شہروں کی سکونت کو پسند کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دیہاتوں سے ہٹ کر شہروں میں رہنے کے باوجود انھیں آج کی شہری زندگی کے مسائل سے بہت کم واسطہ ہوتا تھا۔

نیا منظر نامہ اس سے مختلف ہے۔ کاروبار، ملازمت اور روزی روٹی کی تلاش میں دیہاتوں سے شہروں کی طرف بڑے پیمانے کی منتقلی نے آج صورت حال کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا ہے۔ سابق کی دیہات مرکوز زندگی میں مشترک خاندان (Joint Family) کے تحت

بڑے بڑے خاندان ایک ساتھ رہتے تھے۔ مشترک خاندان کی معروف اور مسلم خرابیوں کے باوجود اس کا ایک فائدہ تھا کہ بچوں کی دیکھ ریکھ اور خاندان کی نگرانی اور نگہ داشت میں باپ، بھائی اور دادا اور چچا وغیرہ کا اشتراک اور تعاون حاصل رہتا تھا۔ اس نظام میں بسا اوقات بیوی بچوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو پاتا تھا۔ بعض اوقات مقابلہ اور کش مکش میں کھلی زیادتیاں اور بے انصافیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ بھائی کسی وجہ سے نہیں پڑھ پایا تو وہ چاہتا کہ اس کا بھتیجا بھی نہ پڑھے۔ اسی طرح بڑا بھائی نہیں پڑھ پایا تو چھوٹے بھائی کا پڑھنا اس کو بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس پس منظر میں اکثر و بیشتر کھیتی باڑی کے کام میں ان کو غیر ضروری طور پر الجھا کر یا کسی دوسرے بہانے سے ان کی تعلیم اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی تھیں۔ لیکن یہ اس نظام کا صرف ایک پہلو تھا۔ دوسرا اس کا خوش گوار پہلو تھا کہ دادا، دادی اور بڑے باپ اور تائی کی دیکھ ریکھ اور تربیت میں بچے کام کے نکل آتے تھے۔ گھر کی حفاظت اور نگرانی کا مسئلہ ہر حال میں حل رہتا تھا۔ آج کی شہری زندگی کے چھوٹے اور منفرد خاندان (Nuclear Family) کے نظام نے بالکل نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ دیہاتی زندگی میں سے بھی اب صورت حال اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ مشترک خاندانی نظام وہاں بھی ٹوٹ کر اب منفرد خاندانوں کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح زیر نظر پس منظر میں شہر اور دیہات ہر جگہ تقریباً ایک جیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ اس صورت حال نے مسلمان ماں باپ کی ذمے داریوں کو غیر معمولی طور پر بڑھا دیا ہے۔ ان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے گھر اور خاندان کو اپنا مرکز بنائیں۔ اور اپنا پورا وقت اور اپنی پوری صلاحیت بچوں کی نگرانی اور تربیت میں لگائیں۔ اللہ کے آخری دین، اسلام، کی ہمیشہ سے یہی ترجیح رہی ہے۔ اور اس کی تاکید اور فضیلت سے قرآن و سنت کے صفحات بھرے ہیں۔

ماں کی یکسوئی

اس سلسلے میں جہاں تک ماں کے کردار کا سوال ہے قرآن کی ہمیشہ سے نصیحت ہے کہ مسلمان خواتین اپنے گھروں کو اپنا مرکز بنائیں۔ اور ان میں ٹک کر اپنے بال بچوں کی نگرانی اور تربیت کا فریضہ انجام دیں۔ سورۂ احزاب میں ازواج مطہراتؓ کو خطاب کر کے یہ جو کہا گیا ہے یہ قیامت تک کے لیے تمام مسلمان خواتین کے لیے اسی طرح عام ہے:

وَ قَرْنَ [۱] فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی...

(الاحزاب:۳۳)

''اپنے گھروں میں ٹک کر رہیں اور پہلی جاہلیت کے طریقہ کی طرح (گھر سے باہر اپنی) نمائش کراتی نہ پھریں۔''

اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے صاحب احکام القرآن امام ابوبکر جصاص رازی حنفی فرماتے ہیں:

و فیه الدلالة علی ان النساء مامورات بلزوم البیوت منهیات عن الخروج۔(۲)

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں بند ہو کر رہیں۔ باہر نکلنے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔''

اوپر یہ جو کہا گیا ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے حوالے سے یہ حکم پوری امت کی خواتین کے لیے قیامت تک کے لیے عام ہے۔ اس موقع پر امام موصوف کی طرف سے اس کی بھی صراحت ہے:

فهٰذه الامور کلها مما ادب اللّٰه تعالٰی به نساء النبی ﷺ صیانة لهن و سائر نساء المومنین مراء ات بها۔(۳)

''یہ تمام باتیں جن کی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی عورتوں کی تعلیم دی ہے تاکہ وہ نقصان سے محفوظ رہیں، دوسری تمام مسلمان عورتیں بھی ان کی اسی طرح مخاطب ہیں۔''

---

(۱) لغت کے اعتبار سے 'وَقَرْنَ' کے سلسلے میں دونوں ہی باتیں کہی گئی ہیں کہ یہ مادہ 'ق ر ر' سے یا 'و ق ر' سے ہے۔ صاحب جلالین پہلے کے قائل ہیں۔ تفسیر الجلالین ۵۵۴، بیروت، جب کہ صاحب احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی دوسری کا ذکر کرتے ہیں۔ احکام القرآن: ۳/ ۴۴۳، مصر، صاحب کشاف علامہ زمخشری دونوں کے ذکر کے ساتھ تیسری رائے 'ق ی ر' 'قار یقار' کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳/ ۲۶۰، طبع جدید مصطفی البابی الحلبی واولادہ، مصر۔

(۲) احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۴۳، مطبعہ بہیہ، مصر ۱۳۴۷ھ۔

(۳) احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۴۳، بحولہ بالا۔

یہ سلسلہ آیات پردے کے احکام سے متعلق ہے، جس میں مسلمان خواتین کو گھر سے باہر بے پردہ گھومنے کے بہ جائے گھر کے اندر سکینت اور وقار کے ساتھ رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے زیر نظر مضمون بھی بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین کو اپنے گھروں کو اپنی دل چسپی کا اصل مرکز بنانا چاہیے۔ اور گھر کی نگرانی، شوہر کی خدمت اور بچوں کی بہترین تربیت سے اپنی دین و دنیا کی کام یابی کا سامان کرنا چاہیے۔ یہ بات کہ خواتین گھروں کو اپنا مرکز بنائیں اور شوہروں کی ذمے داری ہے کہ وہ ان کو اس کا پابند بنائیں، اس کا ثبوت سورۂ نساء کی مشہور آیت کریمہ سے فراہم ہوتا ہے جس میں مردوں کو عورتوں کا حاکم اور نگراں 'قوام' قرار دیا گیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (النساء: ۳۴)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو دوسروں پر برتری عطا کی ہے۔ نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے یہ تو ثابت ہوتا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کو جو برتری بخشی ہے اور جس کی بنیاد پر مردوں کو عورتوں کا نگراں بنایا ہے، اس کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ شوہر بیوی کے اوپر اپنا مال خرچ کرتا ہے جو کہ اس کے اوپر واجب ہے۔ بلکہ جسمانی طاقت اور قوت کے علاوہ عورت کے مقابلے میں مرد کی ذہنی اور عقلی قوت بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اور ان دوگونہ اسباب سے مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے اور اس کو اس کی نگرانی تفویض کی گئی ہے(۱) اس قوامیت اور نگرانی کا ایک پہلو یہ ہے اور یہی اس وقت اصل دل چسپی کا ہے کہ وہ اس کو گھر میں رہنے کا پابند بنائے اور بلا ضرورت اس کو گھر سے باہر رہنے سے باز رکھے:

---

(۱) آیت زیر نظر میں عورت پر مرد کی برتری 'تفضیل' کی بات مطلق کہی گئی ہے۔ جس میں مرد کی جسمانی برتری کے ساتھ اس کی ذہنی اور عقلی برتری بھی اسی طرح شامل ہے۔ عقل عام اور تجربہ سے یہ ثابت شدہ کھلی حقیقت ہے، جس کے لیے کسی لمبی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

فدلت الآية علٰى معان احدها تفضيل الرجل على المرأة في المنزلة و انه هو الذى يقوم بتدبيرها و تاديبها و هٰذا يدل على ان له امساكها في بيته و منعها من الخروج و ان عليها طاعته و قبول امره مالم تكن معصية۔(۱)

"اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ مرد کا مرتبہ عورت سے بڑا ہے۔ نیز یہ کہ عورت کی نگرانی اور اس کی سرزنش کا حق اسی کا ہے۔جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کو اپنے گھر میں روکنے اور باہر نکلنے سے منع کرنے کا اختیار ہے۔اسی طرح عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرد کی بات مانے اور اس کے حکم کو تسلیم کرے۔جب تک کہ کسی گناہ کا معاملہ نہ ہو۔"

مسلمان خاتون کو شوہر کی عائد کردہ اس پابندی کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں اس کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اپنے شوہر کی مطیع فرمان ہو۔اور اس کے تقاضے سے وہ اس کے مال واسباب اور اس کی عزت وناموس ہر ایک کی حفاظت اور نگہ داشت کا حق ادا کرے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ

(النساء:۳۴)

"تو جو نیک عورتیں ہیں وہ فرماں بردار ہوتی ہیں،اور شوہر کے غائبانہ میں (اپنی عزت اور اس کے گھر کی) حفاظت کرتی ہیں۔اس لیے کہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔"

اس موقع پر 'قانتات' کی تفسیر یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کا حکم ماننے کے ساتھ اپنے شوہروں کی بھی فرماں بردار ہوں:

مطيعات لله تعالٰى ولازواجهن۔(۲)

"اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار اور اپنے شوہروں کی فرماں بردار۔"

---

(۱) الجصاص الحنفی: احکام القرآن، ۲/ ۲۲۹، بہیہ، مصر۔

(۲) الجصاص الحنفی: احکام القرآن، ۲/ ۲۲۹، بہیہ، مصر۔

اسی طرح 'حفِظٰتٌ للغیب' کی تفسیر میں کہا گیا ہے:

حافظات لما غاب عنه ازواجهن من ماله وما يجب من رعاية حاله وما يلزم من صيانة نفسها له۔(۱)

''ان چیزوں کی حفاظت کرنے والیاں جن کو کہ ان کے شوہر نہیں دیکھ رہے ہیں۔ شوہر کا مال اور اس کے معاملات کی نگرانی اور یہ جو اس کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ اس کے لیے بچا کر رکھے۔''

قرآن شریف میں دوسرے مواقع پر بھی مسلمان خواتین کی اس صفت 'قانتات' کا اسی طرح حوالہ ہے(۲) اور یہاں بھی اسی طرح ان کے معنی مطلق فرمان 'مطیعات' بیان کیے گئے ہیں(۳) جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ شوہر کی فرماں برداری اور اطاعت بھی اپنی شرطوں کے ساتھ اسی طرح شامل ہے۔ احادیث میں اس کی تفصیل ہے جس کو اس کے مقام پر دیکھا جاسکتا ہے۔

باپ کا اشتراک

زیر نظر نئے معاشرتی پس منظر میں عورت کی طرح مرد، بیوی کی طرح شوہر اور ماں کی طرح باپ کو بھی اسی انداز سے اپنے بال بچوں اور گھر اور خاندان کو اپنی دل چسپی اور توجہ کا اصل مرکز بنانا چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں مرد کی سرگرمیوں کا دائرہ اصلاً گھر سے باہر ہے۔ روزی روٹی کا حصول، دین کی دعوت اور اللہ کے راستے میں جدوجہد، دین کے یہ تقاضے مسلمان مرد سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ دن کا اس کا زیادہ وقت گھر سے باہر میدان عمل میں صرف ہو۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ سے بھی رات کے وقتوں میں نفل نمازوں کا مطالبہ اسی وجہ سے کیا گیا کہ دن میں آپ ﷺ کی بڑی بھاگ دوڑ رہتی ہے اور اس میں سکون کے لمحات بہت کم آپ ﷺ کے ہاتھ آتے ہیں(۴) لیکن اپنی مصروف ترین اور عہد ساز ہنگامی زندگی میں آپ ﷺ اپنے اوقات کا

---

(۱) الجصاص الحنفی: احکام القرآن، ۲/ ۲۲۹، بہیہ، مصر۔

(۲) احزاب: ۳۵، تحریم: ۵

(۳) تفسیر الجلالین ۵۵۴، ۷۵۲، طبع جدید بیروت

(۴) مزمل: ۷

قابل لحاظ حصہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارتے تھے۔ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور اہل خانہ کی مدد کرتے تھے۔ چناں چہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت اسود بن یزید تابعی[1] کے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ دریافت کرنے پر کہ:

ما کان النبی ﷺ علیہ یصنع فی البیت؟

"نبی ﷺ گھر کے اندر کیا کرتے تھے۔"

ام المومنین عائشہؓ کا جواب تھا کہ:

کان یکون فی مھنۃ اھلہ، فاذا سمع الاذان خرج۔

"آپ ﷺ گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے۔ لیکن جیسے ہی اذان کی آواز سنتے، نکل کھڑے ہوتے۔"

اس موقع پر امام بخاری نے اس روایت پر جو ترجمہ باب قائم کیا ہے وہ خود معنی خیز ہے:

باب خدمۃ الرجل فی اھلہ۔(۲)

"آدمی کے گھر میں کام کاج میں لگے رہنے کا باب۔"

صحیح بخاری میں دوسرے موقع پر یہ روایت 'کتاب الاذان' میں ہے۔ یہاں اس کے یہ الفاظ ہیں:

عن الاسود قال "سألت عائشۃ: ماکان النبی ﷺ یصنع

---

(۱) ابو عمرو یا ابو عبدالرحمن اسود بن یزید تابعی نے حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھا تھا۔ اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ یہ حضرات علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی م ۶۷۶ھ: تہذیب الاسماء والصفات: ۱/۱۲۲، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، آگے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے ان سے متعلق مزید تفصیل ہے۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب النفقات، باب خدمۃ الرجل فی اھلہ۔ امام بخاری کا اس روایت کا 'کتاب النفقات' کے تحت درج کرنا بھی معنی خیز ہے۔

(۲) صحیح بخاری، حوالہ سابق

فی بیتہ؟ قالت: کان یکون فی مھنۃ اھلہ، فاذا حضرت الصلاۃ خرج الی الصلاۃ۔ (۱)

''حضرت اسودؒ (۲) سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے، لیکن جیسے ہی نماز کا وقت ہوتا آپ ﷺ نماز کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔''

اس موقع پر امام بخاری کے استاد آدم بن ابی ایاس کی طرف سے روایت کے لفظ 'مھنۃ' کی شرح بھی ہے۔(۳) اور وہ یہ کہ:

خدمۃ اھلہ۔ (۴) ''گھر کا کام کاج''

یہاں بھی اس روایت پر امام بخاری کا ترجمہ باب قابل توجہ ہے:

باب من کان فی حاجۃ اھلہ فاقیمت الصلاۃ فخرج۔ (۵)

''اس کا باب کہ آدمی اپنے گھر کے کام میں لگا ہو تو جب نماز کھڑی ہو تو وہ (اس کے لیے) نکل پڑے۔''

پہلی روایت کے موقع پر صحیح بخاری کے محققین نے 'مھنۃ اھلہ' کے یہ معنی بیان کیے ہیں:

ای یشارک فی القیام بلوازم البیت۔ (۶)

''یعنی کہ آپ ﷺ گھر کے ضروری کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔''

---

(۱) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الاذان، باب من کان فی حاجۃ اھلہ فاقیمت الصلاۃ فخرج۔ اس موقع پر بھی امام بخاریؒ کا قائم کردہ ترجمہ باب قابل توجہ ہے۔

(۲) یہ ابو عمرو اسود بن یزید نخعی تابعی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ حضرات ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہؓ اور حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھیں ابو عبدالرحمن بھی کہا جاتا ہے۔ ۷۵ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔ ایک روایت ۷۴ھ کی بھی ہے۔ حدیث میں ثقہ ہیں اور فقہ میں ان کا درجہ بلند ہے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں بھی ان کی شہرت ہے۔ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ: تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۴۲۔ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد الدکن، الہند۔ ۱۳۲۵، طبعہ اولیٰ۔

(۳، ۴، ۵) فتح الباری بہ شرح صحیح البخاری: ۲/ ۱۶۳ طبع مذکور۔

(۶) صحیح بخاری، محولہ بالا

شمائل ترمذی میں حضرت عمرہ بنت عبدالرحمنؒ(۱) کی روایت سے حضرت عائشہؓ کی طرف سے اس کی خود تفصیل ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

ما کان الا بشرا من البشر: یغلی ثوبه، و یحلب شاته، و یخدم نفسه۔(۲)

''آپ ﷺ بالکل عام طرح کے انسان تھے۔ اپنا کپڑا اسل لیتے، اپنی بکری دوھ لیتے اور اپنے تمام ضروری کام خود کر لیتے۔''

احمد اور ابن حبان کے یہاں حضرت عروہ کی حضرت عائشہؓ سے روایت میں یہ الفاظ ہیں:

و یخیط ثوبه و یخصف نعله۔(۳)

''آپ ﷺ اپنا کپڑا سی لیتے، اپنا جوتا گانٹھ لیتے۔''

اس پر ابن حبان کا اضافہ ہے:

و یرفع دلوه۔(۴)

''اور اپنے ڈول میں بھی پیوند لگا لیتے تھے۔''

حاکم کا اپنی کتاب 'اکلیل' میں یہ اضافہ ہے۔ اس کو بھی اس موقع پر محفوظ کر دینا مناسب ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں:

ولا رأیته ضرب بیده امرأة ولا خادما۔ (۵)

''اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی عورت یا کسی ملازم کو مارا ہو۔''

معلوم ہے کہ حضرت خدیجہ کبریٰؓ کے علاوہ دیگر ازواج مطہراتؓ میں سے کسی سے آپ ﷺ کی اولاد نہیں رہی۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ۸ ھ میں پیدا ہونے والے آپ ﷺ کے

---

(۱) عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد ابن زرارہ مشہور تابعیہ، حضرت عائشہؓ کی گود کی پلی ہوئی جنھوں نے ان سے کثرت سے روایتیں کی ہیں۔ متوفی ۱۰۳ھ۔ الاکمال فی اسماء الرجال للخطیب التبریزی ص ۶۱۲، ملحقاً بآخر المشکوۃ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔

(۲-۵) فتح الباری: ۲/ ۱۶۳، طبع جدید، بیروت۔

صاحب زادے کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا[1] حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کے دوسرے صاحب زادے قاسم بھی پیدائش کے کچھ دن بعد آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے[2] صاحب زادیوں میں حضرت زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ ان سب کی شادیاں وقت پر ہوگئیں۔ ان میں سیدنا عثمانؓ سے منسوب حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ہوگیا۔ انتقال تک یہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیں۔ حضرت زینبؓ اور فاطمہؓ کا انتقال اگرچہ آپ ﷺ کے بعد ہوا۔ لیکن شادی کے بعد ان کی رہائش بھی اپنے شوہروں کے ساتھ تھی[3] اس طرح گھر کے اندر آپ ﷺ کی مصروفیت سے متعلق اوپر حضرت عائشہؓ صدیقہ کی جو روایت ہے اس میں آپ ﷺ کی تمام تر خانگی ذمے داری اپنی ازواجؓ سے ہی متعلق تھی۔ اپنی اولاد نرینہ کی آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ اس سے نکلتا ہے کہ آج کے زمانہ کی طرح اس وقت بھی بچوں کی پڑھائی لکھائی کا رواج ہوتا تو آپ ﷺ اپنی اولاد کی نگرانی اور تربیت کے علاوہ ان کے اس کے مسائل میں بھی اسی طرح دل چسپی لیتے اور ازواج مطہراتؓ کی طرح اپنی اولاد کے کاموں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں بھی اسی طرح مدد اور تعاون کرتے۔ اس سے آج کے دور میں اوپر کے نئے منظر نامے کے پس منظر میں آپ ﷺ کی رہ نمائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جو لوگ قومی اور اجتماعی کاموں میں مصروف ہوں ان کا گھر سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور بال بچوں کی نگرانی اور ان کے معاملات و مسائل سے ان کا بے تعلق رہنا ضروری ہے۔ گھر اور اہل وعیال پر مناسب توجہ کے بغیر معاشرے میں کسی صحت مند تبدیلی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اسلام کے تقاضوں کے مطابق دنیا کے نظام کی تبدیلی اسی اور صرف اسی راستے سے آسکتی ہے۔ جڑ کھوکھلی ہو تو پودا کبھی تناور درخت میں تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح پیڑ

---

(۱) ابن قیم: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ طبع جدید موسسۃ الرسالہ، بیروت، طبعہ ثامنہ ۱۹۸۵ء ۱۴۰۵ھ۔

(۲) علامہ شبلی نعمانی م ۱۳۳۲ھ: سیرۃ النبی ﷺ: ۲/ ۴۲۲، مع اضافہ وتکملہ از مولانا سید سلیمان ندوی م ۱۳۷۳ھ مطبع معارف ۱۹۷۹ء، ۱۳۹۹ھ۔ دوسرے موقع پر بھی جناب قاسم کے بچپن میں انتقال کی صراحت ہے۔ زاد المعاد: ۱/ ۱۰۳، محولہ بالا۔

(۳) ملاحظہ ہو: علامہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبیؐ: ۲/ ۴۲۳-۴۲۵، نیز ۴۲۷-۴۲۹، محولہ بالا۔

کی جڑ میں نمک ملا کھولتا پانی ڈال کر اس کے سرسبز و شاداب اور ثمر بار ہونے کی کبھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہی حال سماج اور معاشرے کا ہے۔ جب تک اس کی خاندان کی اکائی مستحکم نہ ہو اور دینی بنیادوں پر اس کی مضبوط تنظیم نہ کی جاسکے اسلام کی روشنی میں دنیا میں تبدیلی کا خواب خواب ہی بنا رہے گا۔ پرسکون خاندان کے بطن سے ہی پرسکون معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ اور ایسے خاندان کی آب یاری کے لیے خاص طور پر دور حاضر کے نئے منظر نامے جس کی اوپر تفصیل گزری عورت اور مرد دونوں کے لیے اپنے گھر پر توجہ دینا ضروری ہے۔ گھر سے غافل ہو کر خارج کی جدوجہد چراغ تلے اندھیرے کے محاورے کے مصداق تو ہے ہی، اوپر کی تفصیل سے یہ اسلام کے خلاف اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے غیر ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کسی مخلص مسلمان سے اس سلسلے میں غفلت اور سہل انگاری کی امید نہیں کی جاتی۔

تربیت اولاد کی فضیلت

بچوں کو وقت دینے اور ان کے ساتھ محنت کرنے کی اسلام میں کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ امام غزالیؒ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے۔ اپنی شاہ کار احیاء میں فرماتے ہیں:

الصبر علی العیال مع انه ریاضة و مجاهدة تکفل لهم و قیام بهم و عبادة فی نفسها۔(۱)

''بال بچوں کے مسائل سے جوجھنا اپنے آپ میں ایک طرح کا ریاض اور مجاہدہ تو ہے ہی جس سے ان کی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی اور ان کی مصلحتوں کا تحفظ ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ عبادت اور بہت بڑی نیکی کا بھی کام ہے۔''

اسی سلسلے میں آگے فرماتے ہیں:

فعمله لاهله و اولاده بکسب الحلال لهم والقیام بتربیتهم افضل له من العبادات اللازمة التی لایتعدی خیرها الی غیره۔ (۲)

(۱،۲) امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۲، طبع قدیم، عامرہ شرفیہ، مصر۔

''آدمی کا اپنے بیوی بچوں کے لیے محنت کرنا جس سے کہ وہ ان کے لیے حلال روزی حاصل کر سکے اور ان کی تربیت اور نگرانی کا حق ادا کرنا، یہ ان مجرد عبادتوں کی ادائیگی سے بہت افضل ہے (جو فرد کی ذات کے لیے محدود ہوتی ہے اور) جس کا فائدہ دوسروں تک نہیں پہنچتا ہے۔''

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک تو اس کو راہ خدا میں جنگ سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ ایک موقع پر جب کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے انھوں نے ان کو سمجھانے کے لیے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگ بتا سکتے ہو کہ ہم لوگ اس وقت راہ خدا میں جنگ کی جس مہم میں لگے ہوئے ہیں کوئی عمل اس سے بڑھ کر اور اس سے افضل ہو سکتا ہے۔ ساتھیوں کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ملنے پر انھوں نے فرمایا کہ لیکن مجھ کو پتہ ہے کہ وہ عمل کون سا ہے۔ ظاہر ہے ساتھی اس کو پوچھے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ چناں چہ ان کی طرف سے اس عمل کی بابت معلوم کیا گیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مبارک تابعی م ۱۸۱ھ کا جواب تھا:

رجل متعفف ذو عائلة قام من الليل فنظر الى صبيانه نياما متكشفين فسترهم و غطاهم بثوبه، فعمله افضل مما نحن فيه۔ (۱)

''پاک باز انسان جو کثیر العیال ہو وہ رات کو اٹھے اور اپنے بچوں کو دیکھے کہ ان کا جسم کھل گیا ہے تو وہ ان کی ستر کو چھپا دے اور انھیں اپنے کپڑے سے ڈھک دے، تو اس کا یہ عمل اس چیز سے بدر جہا افضل ہے جس میں کہ ہم لگے ہوئے ہیں۔''

آج کے حالات میں کہیں کہیں دوسری انتہا دیکھنے کو ملتی ہے۔ جوان اولاد اپنے حصے کا بھی جو کام آسانی سے کر سکتی ہے، اس سے بے نیاز رہتی ہے۔ اور صاحبوں کے باپ ملازم کی طرح ان کے اور گھر کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ غلط ہے اور باپ کے احترام کے بھی خلاف ہے۔ لیکن اس سے اوپر کی بے اعتدالی کے لیے جواز فراہم نہیں ہوتا کہ مسلمان باپ کی تمام تر دل چسپیاں گھر سے باہر کی دنیا کے ساتھ ہوں۔ اور بیوی بچوں کے مسائل سے اس کو کوئی

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۱، بحوالہ بالا۔

سروکار نہ رہے۔ صحیح راہ ان دونوں کے درمیان کی ہے۔ اور اسی شاہراہ اعتدال کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اس کی مخلصانہ پیروی میں انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

کشادہ مکان

اسلام کے نقشے کے مطابق 'پرسکون خاندان' کی تعمیر کے لیے مناسب مکان کی کلیدی اہمیت ہے۔ ایسا مکان دستیاب نہ ہوا تو اس مقصد سے اس کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اور اس کے بہت سارے عزائم خیال سے عمل میں آنے میں کام یاب نہیں ہوتے۔ جس طرح ایک چادر کو سکون سے صرف ایک ہی آدمی اوڑھ سکتا ہے، اسی طرح ہر مکان کی ایک اوسط گنجائش ہوتی ہے، اس سے زیادہ افراد اس میں گھس جائیں یا گھسا دیے جائیں تو ہر ایک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب کا سکون غارت ہوتا ہے۔ مناسب مکان کی سہولت آدمی کو میسر نہ ہو تو اس کی وجہ سے ہونے والی بے اطمینانی سے بچوں کی تربیت اور ترقی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ بیوی کو الگ تکلیف ہوتی ہے اور اس کا ضروری حق مارا جاتا ہے۔ زیر نظر گفتگو میں اس مسئلہ کو چار پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

عورت کا الگ حصہ

۱۔ معلوم ہے کہ شادی کے بعد مرد کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق بیوی کو مکان فراہم کرنا ضروری ہے۔ اور یہ مرد کے اوپر عورت کے واجب نفقہ کا اہم حصہ ہے۔ حالات کے لحاظ سے یہ مکان ذاتی اور کرایہ کا دونوں طرح کا ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ مکان ہر حال میں ایسا ہونا چاہیے جس میں کہ عورت کسی دوسرے کی مداخلت کے بغیر سکون اور اطمینان سے رہ سکے۔ اس سلسلے میں قابل غور ہے کہ اس کے باوجود کہ عورت کے لیے مکان کی فراہمی مرد کی ذمہ داری ہے قرآن نے جا بجا اس کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ سورۂ احزاب میں ازواج مطہراتؓ کے حوالہ سے، جو جیسا کہ گزرا، اسی طرح امت کی تمام عورتوں کے لیے عام ہے:

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى...

(الاحزاب: ۳۳)

''تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح (بلا ضرورت گھر سے باہر) اپنے حسن کی نمائش کرتی نہ پھرو۔''

آگے ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ

(الاحزاب: ۳۴)

''اور یاد کرو جو تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

یہاں تک کہ طلاق کے بعد عدت کے دوران عورت کو گھر سے نہ نکالنے کا جو حکم ہے اس میں بھی مکان کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے:

...لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ (الطلاق: ۱)

''تم (عدت کے دوران) عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور وہ خود بھی نہ نکلیں سوائے اس کے کہ ان سے کھلی بدکاری (یعنی کہ زنا) کا ارتکاب ہو جائے۔ (تو اس صورت میں حد کے نفاذ کے لیے ان کو گھروں سے نکالا جائے گا)۔''

اسی طرح سورۂ نور کی آیت کریمہ میں جہاں مکانوں کی نسبت مردوں کی طرف ہے وہیں ماں بہن وغیرہ عورتوں کی بھی طرف ہے:

...اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ... اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ... اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ... اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ... (النور: ۶۱)

''...اور اپنی ماؤں کے گھروں سے... اور اپنی بہنوں کے گھروں سے... اور اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے... اور اپنی خالاؤں کے گھروں سے...۔''

کسی چیز کی کسی کی طرف نسبت اور اضافت اس پر اس کے حق اور اختیار کو ظاہر کرتی ہے۔ ان آیات کریمہ میں مختلف پس منظر میں مکانوں کی نسبت اور اضافت جو عورتوں کی طرف کی گئی ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ شوہر کے مکان میں اس کا ایک حصہ اس کی بیوی کے زیر استعمال

اس طرح رہنا چاہیے، جس میں اس کی متعلقہ سہولیات اس کو پورا اختیار حاصل ہو۔ اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے اور خلل ڈالنے کا اختیار نہ ہو۔

ملنے والوں اور مہمانوں کا حق

۲- حدیث میں ایک دین داری کی جو راہ اعتدال قرار دی گئی ہے اس کے تقاضے سے آدمی کو اپنے ملنے جلنے والوں سے بھی دل چسپی لینی چاہیے۔ اور اپنے اوقات کا ایک حصہ ان کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو آپ ﷺ کی طویل نصیحت کا ایک حصہ ہے:

... و ان لزورک علیک حقا۔(۱)

''اور تم سے ملنے والے کا بھی تمھارے اوپر حق ہے۔''

اس کے لحاظ سے آدمی کے مکان میں ایک بیٹھک یا آج کی اصطلاح میں ایک ڈرائنگ روم ضرور ہونا چاہیے جس میں کہ وہ اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ کچھ وقت کے لیے بے تکلف بیٹھ سکے۔ اسی طرح موجودہ شہری منصوبہ کے لحاظ سے ہر مکان کے ساتھ لازمی لان کا طریقہ بھی ہر طرح سے پسندیدہ ہے تاکہ باپ کے ساتھ بچوں کے ملنے والے دوست آجائیں تو ان کو بھی زحمت نہ ہو۔ اس طرح مکان کی ایک ضرورت ڈرائنگ روم اور لان کی ہے۔ دوسری ضرورت اس سے زیادہ اہم ہے۔ یہ میز بانی کی ضرورت ہے۔ حدیث کی صراحت سے ایک دن سے تین دن تک مہمان داری آدمی کا ہے۔ اس میں پہلے دن مہمان کی خاطر مدارات کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔ اور ایک دن قیام کی صورت میں مہمان نوازی کے ساتھ اس کے لیے زادراہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث زیر نظر میں 'جائزته یوم و لیلة' کا یہی مفہوم ہے۔ البتہ تین دن سے زیادہ ٹھہر کر اپنے میزبان کو زحمت میں مبتلا کرنے سے بچنا چاہیے۔ حضرت ابو شریح کعبیؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کی اس سے متعلق حدیث کے الفاظ ہیں:

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه جائزته

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب حق الضیف، سلفیه، مصر۔ صحیح مسلم، جلد ۲۔ کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر لمن تضرربه او فوت به حقا اولم یفطر العیدین والتشریق و بیان تفضیل صوم یوم و افطار یوم۔

یوم و لیلة، و الضیافة ثلاثة ایام فما بعد ذٰلک فھو صدقة، ولا یحل ان یثوی عندہ حتی یحرجہ۔ (۱)

''جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ ایک دن ایک رات اس کے مہمانی کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔ اور مہمان داری تین دن ہے، اس کے بعد جو ہے وہ صدقہ ہے۔ اور مہمان کو نہیں چاہیے کہ وہ میزبان کے یہاں پیر توڑ کر بیٹھ جائے اور اس کو مشکل میں ڈال دے۔''

اس سلسلے میں ایک نکتہ اور قابل غور ہے۔ تین کا یہ مہمان دور کا بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہوسکتی ہے۔

بیوی کے ساتھ سفر کرنا نبی ﷺ کی معروف سنت ہے۔ معلوم ہے کہ آپ ﷺ سفر کے موقع پر ازواج مطہراتؓ کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے اور اس میں جس کا نام نکلتا اس کو ساتھ لے کر سفر پر جاتے تھے۔(۲) اس طرح ایک مہمانی میں دو افراد ہوئے۔ اب اگر بیوی کے ساتھ بچہ ہو تو دو سال دودھ پلانے کی مدت تک اس کا اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اب ایک مہمانی میں اس کے افراد تین ہوگئے۔ اس کے تقاضے سے آدمی کا مکان اتنا کشادہ ہونا چاہیے کہ روز کے ملنے جلنے والوں کے علاوہ کم سے کم تین مہمانوں کو تین دن تک اپنے ساتھ ٹھہرانے میں اس کو زحمت اور پریشانی نہ ہو۔ اس کی مثالی صورت ہے کہ مکان میں مہمانوں کے لیے متعلقہ سہولیات کے ساتھ ایک حصہ بالکل الگ ہو۔ تیسرا مسئلہ والدین کا ہے۔ جن کے لیے اسی طرح مکان میں الگ پورشن ہونا ضروری ہے۔ والدین محتاج ہوں تو فراخی ہونے کی صورت میں ماں باپ کے روزمرہ مصارف کے علاوہ ان کے لیے مکان کی فراہمی بھی اولاد کے اوپر ان کے واجب نفقہ کا لازمی حصہ ہے۔(۳) اس کے علاوہ بھی مصلحتیں مقتضی ہوں کہ والدین کو اپنے ساتھ رکھا جائے تو بیوی کے مکان کے حق میں کٹوتی کیے بغیر ان کو مناسب رہائش فراہم ہونی چاہیے۔ اس کی بھی آئیڈیل صورت یہی ہے کہ متعلقہ سہولیات کے ساتھ مکان کا ایک پورشن ان کے لیے خاص ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب حق الضیف۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب النکاح، باب القرعة بین النساء اذا اراد سفرا۔

(۳) تفصیل کے لیے: ہماری کتاب 'مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام' کے آخری مباحث۔ مطبوعہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ۔

حدیث میں اپنی اس بچی پر خرچ کرنے کو سب سے افضل مرتبہ قرار دیا گیا ہے جو شوہر کے انتقال یا اس سے طلاق پا کر باپ کے پاس اس حالت میں واپس آئے کہ اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا کمانے والا نہ ہو'ابنتک مردودۃ الیک لیس لھا کاسب غیرک[۱] اس کے ساتھ اس کے چھوٹے بچے بچیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ مسلمان باپ کے مکان میں ایسی بچی کے امکانی لمبے قیام کی بھی گنجائش ہونی چاہیے۔

مارنے کے حق کا تقاضا

۳۔ کشادہ مکان کی ضرورت ایک تیسرے پہلو سے بھی ہے۔ قرآن کی صراحت کے مطابق عورت مرد کی بات نہ مانے تو آخری چارۂ کار کے طور پر اس کو اپنی بیوی کو مارنے کی بھی اجازت ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ (النساء:۳۴)

''اور جن عورتوں سے تم کو نافرمانی کا اندیشہ ہو تو پہلے ان کو سمجھاؤ اس کے بعد ان کو (ان کی) خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دو (اس پر بھی وہ نہ سدھریں) تو ان کو مارو۔ اس کے بعد جب وہ بات ماننے لگیں تو ان کو ستانے اور پریشان کرنے کا بہانہ مت تلاش کرو۔''

آیت کریمہ سے واضح ہے کہ مارنے کی اجازت آخری چارۂ کار کے طور پر ہے۔ پہلے عورت کو سمجھانا بجھانا چاہیے اور اس کو اللہ کا ڈر دلانا چاہیے کہ شوہر کی نافرمانی پر وہ اس کو سزا دے گا۔ اس کے بعد اس سے بستر الگ کرنے کا حکم ہے جس میں تینوں ہی باتیں شامل ہیں کہ اس سے بات کرنا بند کر دیا جائے، اس کے ساتھ لیٹا نہ جائے یا یہ کہ اس کے ساتھ مجامعت کو ترک کر دیا جائے[۲] اس کے بعد بھی اگر وہ نہ مانے تو اس کو مارنے کی اجازت ہے۔ البتہ حدیث کے مطابق ہر حال میں یہ مار ہلکی ہونی چاہیے جس سے کہ کہیں ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنے پہلے اور آخری حج کے عرفات کے اہم ترین خطبہ میں اس کی تاکید فرمائی۔ جس میں ساتھ ہی خواتین کے دیگر حقوق کا بھی تفصیلی بیان ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب برالوالدین والاحسان الی البنات۔ نیز مسند احمد: ۴/۱۷۵۔

(۲) احکام القرآن للجصاص: ۲/۲۳۰، بہیہ، مصر۔

فقال اتقوا اللّٰہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامانۃ اللّٰہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللّٰہ و ان لکم ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ فان فعلن فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف۔(۱)

''آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں تم اللہ سے ڈرو اس لیے کہ اللہ کی فراہم کردہ امان کے حوالہ سے تم کو ان پر قابو حاصل ہوا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق تمھارے لیے ان کی شرم گاہیں حلال ہوئی ہیں۔ تمھارا یہ ان پر حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرو تو اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ہلکی مار مارو جس سے کہ ان کا جسم نہ ٹوٹے پھوٹے۔ اسی طرح ان کا تمھارے اوپر حق ہے کہ تم دستور کے مطابق ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرو۔''

عورت کو مارنے کی یہ اجازت بھی شوہر کے مکان میں عورت کے الگ پورشن کا مطالبہ کرتی ہے۔ مشترک خاندان کے اژدحام میں عورت کو مارنے کا مطلب دوسروں کے سامنے اس کو ذلیل کرنا ہے۔ عام نفسیات کے تقاضے سے سیانی اولاد کو بھی غیروں کے سامنے نہیں مارنا چاہیے۔ پھر بیوی کو دوسروں کے سامنے مارنے کی اجازت کس طرح نکل سکتی ہے۔ مرد کے تادیب کے اس حق کا بھی تقاضا ہے کہ اوپر کی دوسری ضرورتوں کے علاوہ مکان کا ایک حصہ اس کے بالکل قابو کا ہو، جس میں اس کی مرضی کے بغیر دوسرے کو مداخلت کی اجازت نہ ہو۔

گیرج اور سرونٹ کوارٹر

۴- گیرج اور سرونٹ کوارٹر بھی اسلام کے مطلوبہ مکان کا لازمی حصہ ہے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں ملازم اور سواری کو بنیادی ضروریات میں شامل کیا گیا ہے۔ سواری میں سائیکل اور

---

(۱) بہ حوالہ: الجصاص: احکام القرآن: ۲/ ۲۴۰، محولہ بالا۔ یہ اور اس طرح کی اس کتاب میں وارد دیگر احادیث کی صحاح اور اس سے باہر سے آسانی کے ساتھ تخریج کی جاسکتی ہے۔ جن کے الفاظ سے صاحب احکام القرآن کا بسا اوقات فرق ہوتا ہے۔ لیکن یہاں اور اس کے علاوہ ہم نے امام جصاص کی روایت کو انھی کے الفاظ میں نقل کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقل احادیث میں یہ فقہاء اپنے سلسلے کو کافی سمجھتے تھے۔ اور صحاح ستہ اور اس سے باہر سے نقل کے التزام کو اپنے لیے ضروری نہیں خیال کرتے تھے۔ ان احادیث کو آج بھی اسی طرح فقہاء کے حوالہ سے نقل کیا جاسکتا ہے۔

اسکوٹر، موٹر سائیکل سے لے کر چار پہیہ گاڑی سب شامل ہے۔ حیثیت کے لحاظ سے آدمی کے مکان میں ہر ایک کے لیے جگہ ہونی چاہیے۔ اسی طرح ملازم کے سلسلے میں بات آچکی ہے کہ شوہر کی طرف سے بیوی کو فراہم کیا جانے والا ملازم ایک کے علاوہ دو بھی ہوسکتا ہے۔ شوہر کا ملازم اس سے الگ ہوگا۔ اس کے لحاظ سے آدمی کا مکان ایسا ہونا چاہیے کہ تین ملازموں کی رہائش کے ساتھ اس میں چار پہیہ گاڑی بھی کھڑی ہوسکے۔ مزید یہ تینوں ملازم جز وقتی ہونے کے ساتھ ہمہ وقتی بھی ہوسکتے ہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ملازم کا اصل فائدہ اور اس سے اصل راحت اس کے ہمہ وقتی ہونے میں ہے۔ جو اپنے مالک اور مالکن کے ساتھ سایہ کی طرح لگا رہے۔ اس طرح تین ملازموں کے لیے تین کمرہ اور گاڑی کے لیے گیرج ورنہ کم سے کم ملازموں کے لیے ایک کمرہ اور گیرج تو مکان کے اندر ہونا ہی چاہیے۔

ایسا مکان ہر شہری کا حق ہے اور اسلام کی نجات دہندہ تحریک اپنے ہر ماننے والے کے لیے اس کی فراہمی کو یقینی بنائے گی، جس سے کہ پرسکون خاندان کی تشکیل کا اس کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکے۔ اس کے لیے وہ ذہن سازی کی وسیع مہم چلائے گی جس سے کہ افراد اپنے وسائل کو سمیٹ کر اپنے لیے کشادہ مکان تیار کرسکیں۔ جہاں ان کے وسائل کفایت نہ کریں؟ ریاست کے تعاون اور اس کی دل چسپی سے اس کے ہر شہری کے لیے اس کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے اور حیثیت کا فرق ہر جگہ کی طرح اسلام کے زیر انتظام معاشرے اور حکومت میں بھی ہوگا۔ اور امیروں اور غریبوں کا معیار زندگی یکساں نہیں رہے گا۔ اس کا مظاہرہ خوراک اور لباس کی طرح آدمی کے مکان اور رہائش میں بھی ظاہر ہوگا۔ لیکن جہاں تک آئیڈیل کا سوال ہے اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اوپر کا کشادہ مکان ہی اس کا نشانہ اور منزل ہوگی۔ اپنے زیادہ سے زیادہ شہریوں کو وہ اس معیار اور منزل تک پہنچانے کے لیے صبح سے شام سرگرم کار رہے گی۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک کہ اس کے ہر شہری کے لیے ایسے مکان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو جائے۔

جائز تفریح

اسلام کے مطابق پرسکون خاندان کی تشکیل کا ایک تقاضا ہے کہ گھر کے اندر بیوی اور بچوں کو جائز تفریح کی اجازت دی جائے۔ یہ ان کے ساتھ محبت و شفقت اور حسن سلوک کا بھی

ایک حصہ ہے۔ دوسرے اس کے ذریعہ ان کو دوسری نسبتاً زیادہ خراب مشغولیات سے ان کو بچایا جاسکتا ہے۔ اللہ کے آخری نبی ﷺ نے انھی مصلحتوں سے اپنے پاس بچیوں کو دف بجا کر گانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے حوالہ سے کسی اور کا نہیں علامہ ابن تیمیہؒ کا بیان ہے:

والنفوس الضعيفة ـــــ كنفوس الصبيان والنسآء قد لاتشتغل ـــــ اذا تركته بما هو خير منها (الملاهی) لها، بل قد تشتغل بما هو شر منه، او (بما يكون التقرب الى اللّٰه) بتركه، فيكون تمكينها من ذٰلك من باب الاحسان اليها والصدقة عليها، كاطعامها و اسقائها، فلهٰذا قال النبی ﷺ (ان بعض انواع اللهو من الحق. و كان الجوارى الصغيرات يضربن بالدف عنده و كان ﷺ) يمكنهن من عمل هٰذا الباطل بحضرته احسانا اليهن و رحمة بهن، و كان هٰذا الامر فی حقه من الحق المستحب المامور به۔(۱)

''کم زور نفوس جیسے کہ بچے اور عورتیں اگر تم ان کو چھوڑ دو تو بسا اوقات وہ اس چیز کے ساتھ تو مشغول نہ ہوں گے جو کھیل تفریح سے اچھی ہو۔ البتہ وہ اس چیز کے ساتھ مشغول ہوں گے جو اس سے بدتر ہوگی۔ یا یہ کہ وہ ایسی چیز ہوگی کہ اس کو چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی قربت اور عبادت کے کام میں لگنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں ان کو کھیل تفریح میں لگے رہنے دینا ان کے اوپر ایک طرح کا احسان اور صدقہ ہوگا۔ جیسے کہ ان کو کچھ کھلانا اور پلانا۔ اسی لیے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ کھیل تفریح کی کچھ صورتیں برحق ہیں۔ چناں چہ کم سن بچیاں آپ ﷺ کے پاس دف بجاتی تھیں۔ اور آپ ﷺ کے ان کے ساتھ حسن سلوک اور رحمت وشفقت کے پیش نظر اپنے روبرو

(۱) علامہ ابن تیمیہ: الاستقامۃ: ۲/ ۱۵۴-۱۵۵، جامعۃ الامام محمد بن سعود، السعودیۃ، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۴ھ۔ مزید تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ: جدید ذرائع ابلاغ اور اسلام، مطبوعہ مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

ان کو اس باطل پر عمل کے لیے آزاد رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے حق میں یہ بالکل برحق، درست اور پسندیدہ بات تھی جس کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔"

اس کی روشنی میں آج کے دور میں گھر کے اندر بیوی بچوں کے لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے نغموں اور تفریحی پروگراموں کے سلسلے میں غیر ضروری سختی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کشادہ مکان کی ضرورت اس پہلو سے بھی کہ گھر کے سربراہ کا ذوق اس معاملے میں بالکل مختلف ہو تو مکان کے ایک پورشن میں بیوی بچوں کے لیے وہ اس کے راستے کو کھلا رکھے۔ جس سے کہ اس کو اپنی پسند پر عمل کرنے کے ساتھ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بیوی بچوں کو اپنی پسند کے مطابق جینے کی آزادی حاصل رہے۔ کبھی صورت حال اس کے برعکس بھی ہوتی ہے۔ مقابلہ جاتی دور میں پڑھائی کے بوجھ سے دبے بچے گھر میں پڑھنا چاہتے ہیں۔ اور کام سے تھکے اور فارغ والدین یا ان میں سے کوئی ایک ٹی وی سے خبر سننا چاہتا ہے، یا اس کا دوسرا مفید پروگرام دیکھنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں نقصان سے بچانے کی بھی یہی صورت ہے کہ آدمی کو کشادہ مکان کی سہولت حاصل ہو۔ اور اس کے الگ الگ حصوں میں افراد خانہ دوسرے کو ڈسٹرب کیے بغیر اپنے کاموں کو انجام دے سکیں اور اپنی مشغولیات کو جاری رکھ سکیں۔

دیگر مباحات میں وسعت

اسی طرح گھر کے اندر لباس، میک اپ اور تزئین کاری وغیرہ کے معاملے میں بیجا سخت گیری سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور ذاتی ذوق کو دین کے قائم مقام نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ عام طور پر روایتی دین داری کا یہ لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ بیوی کے علاوہ لڑکے اور لڑکیوں کے سلسلے میں لباس اور اس کی وضع قطع کی جو گنجائش نکلتی ہو۔ اسی طرح میک اپ اور تزئین میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کو اس کی پوری اجازت دینی چاہیے۔

باہمی مشاورت

پرسکون خاندان کی آب یاری کے لیے اس کی بھی کلیدی اہمیت ہے کہ گھر کے اندر مشاورت کا ماحول قائم کیا جائے۔ باپ اور شوہر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر معاملے میں آدمی بس اپنی ہی چلائے اور کسی معاملے میں بیوی بچوں کی کچھ نہ سنے۔ اس کے بجائے گھر کے

اندر مشاورت کے طریقے کو فروغ دینا چاہیے۔ اور اپنے کو تھوپنے کے بہ جائے اہل خانہ کے اشتراک و تعاون سے معاملات کو حل کرنا چاہیے۔ اسلام میں باہمی مشاورت کی اہمیت معلوم ہے۔قرآن نے اس حکم کی مناسبت سے اپنی ایک سورہ کا نام ہی اس کے نام پر 'شوریٰ' رکھا ہے۔ یہ حکم بھی ایمان، نماز اور انفاق کے درمیان آیا ہے، جس سے اس کی مزید تقدیس اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الشوریٰ:۳۸)

''اور سچے اور پکے مسلمان وہ ہیں جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے تمام معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت کے دیگر احکامات کی طرح 'شوریٰ' کے متعلق جملہ بھی خبریہ نہیں انشائیہ ہے۔ یعنی کہ اس میں واقعہ کی خبر نہیں بلکہ اس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور زبان کے معروف اسلوب کے مطابق عام 'امر' کے مقابلے میں اس انداز بیان میں حکم کا زیادہ زور اور اس کی تاکید مضمر ہوتی ہے۔ یہ مشاورت جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، زیر نظر پس منظر میں گھر سے باہر کی طرح گھر کے اندر بھی اس کا اسی طرح نفاذ اور اس کا دور دورہ ہونا چاہیے۔

نرمی و شفقت

اسی طرح گھر کے اندر سخت گیری اور ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ اور جھاڑ تاڑ کے بہ جائے محبت اور نرمی اور پیار اور شفقت کے ماحول کو مستحکم کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے گھر کو ماں اور باپ یہی دونوں مل کر چلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں تک ماں کی محبت اور شفقت کا سوال ہے، اس کے سلسلے میں اس کی 'ممتا' کا حوالہ ہی دینا کافی ہے۔ قرآن کے مطابق سچی ماں کو اپنی اولاد کی دیکھ ریکھ اور اس پر اپنے پیار کے لٹانے سے قیامت کی ہول ناک گھڑی ہی اس کو دور کر سکتی ہے[۱] اس سے نکلتا ہے کہ عام حالات میں ماں کو اپنی اولاد کے لیے سرتاپا پیار اور محبت ہونا چاہیے۔

---

(۱) حج:۱۔ یہی مضمون لقمان:۳۳، کا ہے جس میں 'واحد' کا لفظ مطلق ہو کر ماں کی طرح باپ بھی اس میں اسی طرح شامل ہے۔

دوسرے موقع پر یہی بات 'باپ' کے حوالہ سے کہی گئی ہے[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے باپ کی فکرمندی بھی ماں سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ باپ کی طرف سے اولاد کی مطلوبہ شفقت کا دوسرا ثبوت اسی سورہ کی اس سے پہلے کی حضرت لقمانؑ کی نصیحت سے فراہم ہوتا ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے بار بار:

یٰبُنَیَّ ''اے میرے پیارے بیٹے!''

سے خطاب کرتے ہیں۔ اس ایک کلمہ سے اپنے بیٹے کے لیے ان کا بے پناہ پیار امنڈا پڑتا ہے[2] اس کے علاوہ اس سلسلۂ بیان میں توحید سے لے کر نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اخلاق عالیہ کی تعلیم تک تمام موضوعات کو جس طرح سمیٹا گیا ہے[3] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شفقت ومحبت کے ساتھ مثالی باپ کی تعلیم وتربیت کے دائرے کو کس قدر وسیع ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر اولاد کی طرف سے مناسب جواب نہ ملے تو گھبرا کر جلدی سے ان سے ناطہ نہیں توڑ لینا چاہیے۔ بلکہ عفو ودرگزر کے دامن کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے سب کو ساتھ لے کر گھر کو آگے بڑھانے کی مہم میں لگے رہنا چاہیے۔ یہ بات جو اولاد کے سلسلے میں ہے بیوی بھی اس میں اسی طرح شامل ہے۔ اس کی ناہمواریوں کو بھی سہتے ہوئے اس کو آخر تک جھیلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (تغابن: ۱۴)

''اے مسلمانو! تمھارے بیوی بچوں میں سے کچھ ہیں جو تمھارے دشمن ہیں تو تم ان سے بچ کر رہو۔ اور اگر تم معاف کر سکو، درگزر کر سکو اور بخش سکو تو (معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

---

(۱) لقمان: ۳۳، اس موقع پر اگرچہ 'لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا ط' میں 'والدہ' کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ابتداء اور مقدم طور پر یہ باپ کے لیے ہے۔ جس سے قرآن کے لحاظ باپ کی اپنی اولاد کے لیے بے پناہ شفقت کا مضمون ثابت ہوتا ہے۔

(۲) لقمان: ۱۲-۱۹، اس سلسلہ آیات میں 'یٰبُنَیَّ' کی تکرار آیات کریمہ: ۱۳، ۱۶، ۱۷ میں تین بار ہے۔

(۳) سورۂ لقمان آیات: ۱۳ تا ۱۹ بحولہ بالا۔

اذیتوں پر صبر

اس سے بھی آگے باپ اور بھائی اسی طرح گھر کے دوسرے ذمے دار افراد کو اذیتوں پر صبر کر کے خاندان کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچانا چاہیے۔ اس کے لیے قرآن سے حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے نمونے کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحاقؑ کے صاحب زادے حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ شریک (علاتی) بھائیوں سے جو اذیتیں اٹھائی ہیں اور ان پر صبر کر کے جس طرح خاندان کو بکھرنے سے بچایا ہے وہ تاریخ کا شاہ کار ہے۔ اس داستان رنج و محن کی تفصیل کے لیے قرآن نے اپنی ایک سورہ وقف کی ہے[1] اور بجا طور پر اس داستان کو بہترین داستان 'احسن القصص' سے تعبیر کیا ہے[2] اس لیے کہ عبرت و نصیحت کے جن لازوال نمونوں سے یہ داستان لبریز ہے اس کی کوئی دوسری مثال معلوم انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ شاید مسلمانوں نے قرآن سے اپنی عام غفلت اور بے توجہی کے سبب اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا۔ ورنہ کم از کم ان کے گھروں کا آج وہ نقشہ نہ ہوتا جو دیکھنے کو ملتا ہے۔ اور خاندانوں کے انتشار اور ان کے بکھراؤ کا دوسروں کے یہاں جو عام شکوہ ہے، ان کے خاندان اس آفت اور مصیبت سے ضرور محفوظ ہوتے۔ اس داستان میں ایک بیوی سے حضرت یعقوبؑ کے دو بیٹے حضرت یوسف اور بن یامین ہیں، جو چھوٹے ہیں۔ اور ان کی دوسری بیوی یا بیویوں سے دس بیٹے بڑے ہیں۔ باپ شریک بھائیوں کی آپس کی معروف دشمنی اور رقابت کے نتیجے میں بڑے دسوں بھائی اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سے جلتے ہیں۔ اور ان سے چھٹکارہ پانے کے لیے ان میں سے ایک حضرت یوسفؑ کو پہلے تو قتل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں بعد میں اس میں تبدیلی کر کے ان کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کنوئیں سے کسی قافلہ کے ہاتھ لے کر یہ مصر میں فروخت کر دیے جاتے ہیں۔ مصر کے شاہی جوڑے کے ذریعہ وہ خریدے جاتے ہیں۔ بعد میں عزیز مصر کی سازش سے وہ طویل عرصہ جیل میں گزارتے ہیں۔ پھر جیل سے نکل کر وہ عزیز مصر کے معتمد اور ملک کے طاقت ور وزیر خزانہ کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ مصر اور اس کے اطراف کے تاریخی قحط میں وہ اس کے

---

(۱) سورۂ یوسف

(۲) یوسف: ۳

بحرانی منتظم قرار پاتے ہیں۔ راشن لینے کے لیے ان کے دربار میں فلسطین سے ان کے وہ ظالم بھائی بھی آتے ہیں جو اپنے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی کو بھی لاتے ہیں۔ ایک وجہ سے یہ بھی اپنے بھائی یوسفؑ کے پاس روک لیے جاتے ہیں۔ اور حضرت یعقوبؑ اپنے دونوں چہیتوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ پورا خاندان ملتا اور یکجا ہوتا ہے اور مصر میں شاہانہ مراعات کے ساتھ سکونت پذیر ہوجاتا ہے۔ یہ اس داستان کا خلاصہ ہے۔ اسی کے بیچ عبرت و نصیحت کے وہ انمول موتی ہیں جس سے ہر اس خاندان کو اپنے دامن کو بھرنا چاہیے جو آج کے دور انتشار و ابتلاء میں اپنے کو تباہیوں سے بچانا چاہتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ اپنی پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ الگ ماؤں سے اپنے صاحب زادوں کی رقابت اور دشمنی سے بے خبر نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن سب کچھ جاننے کے باوجود انھوں نے ان کی غلطیوں کو جس طرح نظر انداز کیا ہے اور ان سے معاملہ کرتے ہوئے اپنی پدرانہ شفقت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اس کے ایک ایک حصے کو بہت توجہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

قصہ کے آغاز ہی میں جب حضرت یوسفؑ اپنے باپ سے اپنا یہ خواب بیان کرتے ہیں کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کو سجدہ کررہے ہیں۔ جس کی تعبیر میں باپ کو اپنے بیٹے کی اقبال مندی کی کھلی بشارت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن دوسرے بیٹوں کے حسد کے ڈر سے وہ ان کے سامنے حضرت یوسفؑ کو اس خواب کو بیان کرنے سے منع کرتے ہیں۔ لیکن دیکھیے کہ وہ اس کے لیے کیا انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (یوسف:۵)

”یعقوبؑ نے کہا کہ اے میرے لخت جگر! تم اپنے اس خواب کو اپنے (سوتیلے) بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ وہ ضرور تمھارے ساتھ کوئی بری چال چلیں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔“

قرائن صریح ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے بھیڑیے کے کھا جانے کے صاحب زادگان کے بیان پر کبھی اعتماد نہیں رہا۔ اس کے باوجود راشن کی ضرورت سے جب وہ ان سے دوسرے بھائی بن یامین کو ساتھ لے جانے کی درخواست کرتے ہیں تو وہ ان کو واپس لانے

کے لیے ان سے اللہ کا واسطہ طلب کرتے ہیں اور ان کی دین داری اور اللہ سے تعلق کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں:

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ (یوسف:۶۶)

''یعقوبؑ نے کہا کہ میں اس کو تم لوگوں کے ساتھ نہیں بھیج سکتا جب تک کہ اللہ کے نام پر اس کا وعدہ نہ کرو کہ تم اس کو لازماً واپس لاؤ گے۔ سوائے اس کے کہ کوئی ناگہانی بات ہو جائے جس پر تمھارا قابو نہ ہو۔''

ساتھ ہی اپنی کسی مصلحت سے مصر پہنچنے پر دربار میں سب کے ساتھ داخل ہونے کے بہ جائے الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اس موقع پر بھی ان کا انداز محبت بھرا ہے اور وہ انھیں 'اپنے بیٹوں' سے خطاب کرتے ہیں:

وَ قَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ (یوسف:۶۷)

''یعقوبؑ نے کہا کہ اے میرے صاحب زادو! تم سب کے سب ایک ہی دروازے سے اندر مت جانا بلکہ الگ الگ دروازوں سے اندر جانا۔''

روایتوں کے مطابق حضرت یوسفؑ کی جدائی سے لے کر ان سے حضرت یعقوبؑ کے ملنے کی درمیانی مدت بائیس سال کی ہے[1] اور یہ ہر طرح سے قرین قیاس ہے اور قرآن کے

(۱) محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ: تاریخ الرسل والملوک المعروف بہ تاریخ الطبری ۱: / ۳۳۶، ۳۶۳، طبع جدید دار المعارف مصر، مکتبۃ ابن تیمیہ۔ دوسری روایت اٹھارہ سال: طبری ۱: / ۳۶۳، ۳۶۴ کی ہے۔ جب کہ بعض روایات اس سے بہت آگے بڑھ کر چالیس سال: طبری ۱: / ۳۶۴، ستر سال طبری ۱: / ۳۶، اور اسی سال، طبری ۱: / ۳۶۳، ۳۶۴۔ کی ہیں۔ اسی طرح مصر میں حضرت یوسفؑ کی آمد یا ان کے کنوئیں میں ڈالے جانے اور حضرت یعقوبؑ سے جدائی سترہ سال کی عمر میں ہوئی۔ عزیز مصر کے گھر میں وہ تیرہ سال رہے اور تیس سال کی عمر میں اس کے وزیر بنے۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ سے ملنے کے بعد وہ ان کے ساتھ سترہ سال رہے۔ اور ان کا انتقال ایک سو دس سال کی عمر میں ہوا۔ طبری ۱: / ۳۳۶، ۳۶۴، محولہ بالا۔ دوسری روایت میں حضرت یوسفؑ کا انتقال ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔ اور اپنے باپ سے اسی سال کے بعد ملنے کے بعد وہ ان کے ساتھ تیئس سال رہے طبری ۱: / ۳۶۳-۳۶۴۔ حضرت یوسفؑ کے کنوئیں میں ڈالے جانے یا مصر پہنچنے کی عمر بلا اختلاف سترہ سال ہے۔ طبری ۱: / ۳۶۳ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال کسی اختلاف کے بغیر ایک سو سینتالیس سال کی عمر میں ہوا۔ طبری ۱: / ۳۳۰، محولہ بالا۔

شواہد اس کے حق میں ہیں۔ اس طویل مدت کو بیٹے کے لیے تڑپ تڑپ کر حضرت یعقوبؑ نے جس طرح گزارا ہے اس کے اندازے کے لیے قرآن کا صرف یہ بیان کافی ہے کہ حضرت یوسفؑ کے لیے روتے روتے ان کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی اور صاحب زادوں کے بیان کے مطابق وہ دن رات ان کو اس طرح یاد کرتے ہوئے گھٹے جاتے تھے کہ لگتا تھا کہ وہ اپنی جان ہی گنوا بیٹھیں گے[(۱)]۔ بن یامین کے مصر میں روک لیے جانے سے ان کا یہ غم اور ہرا اور زخم دوبالا ہو گیا۔ اس کے باوجود صاحب زادوں سے جب وہ ان کا پتہ لگانے کے لیے کہتے ہیں تو اس وقت بھی وہ ان کو 'پیارے بیٹوں' ہی سے خطاب کرتے ہیں۔ اور اللہ پر ان کے یقین و اذعان پر پورا پورا اعتماد کرتے ہیں:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

(یوسف:۸۷)

''اے میرے صاحب زادو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے (چھوٹے) بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے ناامید تو کافر لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

باپ کی طرح حضرت یوسفؑ بھی بھائیوں کی اذیت پر اسی طرح صبر اور عفو در گزر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مصر کے دربار میں بن یامین کے ساتھ اپنے کو بھائیوں سے پہنچوا دینے کے بعد وہ انھیں صاف معاف کرنے کا اعلان کرتے ہیں:

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

(یوسف:۹۲)

''آج کے دن تمھاری کوئی دھر پکڑ نہیں۔ اللہ تمھیں معاف کرے اور سب میں بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آگے کے قصہ میں جب یہ پورا خاندان مصر میں مل جاتا ہے تو اس موقع پر بھی حضرت یوسفؑ بھائیوں کی تمام تر زیادتیوں کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کو پورے طور پر بچانے کی کوشش کرتے ہیں:

---

(۱) یوسف:۸۵

...وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ (یوسف:۱۰۰)

''...اور اللہ نے میرے ساتھ اس وقت بھی احسان کیا تھا کہ جب کہ اس نے میرے جیل سے نکلنے کا سامان کیا اور تم کو دیہات سے اٹھا کر یہاں لایا۔ یہ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دی تھی۔ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کے لیے بڑی باریک راہیں نکال لیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے۔''

قرآن کی شہادت ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا اپنے صاحب زادوں کے ساتھ یہ حسن سلوک اور حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کے ساتھ یہ فراخ دلانہ رویہ ضائع نہیں گیا۔ برادران یوسفؑ کو رجوع کامل کی توفیق ہوئی اور وہ اس قابل قرار پائے کہ بعد کے لوگوں کے لیے اپنے باپ دادا کی توحید کی امانت کو منتقل کر سکیں۔ آخری سانس تک اس کو اپنے سینے سے لگائے رکھیں اور پوری دنیا میں اسلام کا آوازہ بلند کرتے ہوئے اپنی جان کو جاں آفریں کے سپرد کریں۔ جب کہ اس وقت کی زوال پذیر دین داری میں اولاد کی ذرا سی غلطی پر اس کو 'عاق' کر دیا جاتا ہے اور اس کو اپنے سے دور کرنے کے ساتھ اسی طرح اس کے اللہ سے بھی دور ہو جانے کا تاثر دیا جانے لگتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی حضرت یعقوبؑ کی اپنی اولاد کے لیے اس وصیت میں مسلمانوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ باہر کی دنیا کی قرآن کے اس لازوال نمونے سے اسی طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے:

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ۝ (البقرہ:۱۳۲)

''اور اسی کی تاکید ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو کی تھی اور یعقوبؑ نے بھی۔ یعنی کہ اے میرے جگر کے ٹکڑو! اللہ نے تمھارے لیے اس دین (اسلام) کو پسند کر لیا ہے۔ تو تم کو موت اسی حال میں آئے کہ تم اسلام کے طریقے پر جمے ہوئے ہو۔''

اگلی آیت کریمہ میں حضرت یعقوبؑ کی اس وصیت کی مزید تفصیل ہے۔ جس کے حوالے سے قرآن کے مخاطب یہود و نصاریٰ پر حجت تمام کی گئی ہے کہ انھوں نے محض ضد میں اپنے پرکھوں کے دین 'اسلام' سے ہٹ کر یہودیت اور نصرانیت کی الگ الگ راہیں اختیار کر لی ہیں:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○

(البقرۃ:۱۳۳)

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کا آخری وقت آیا۔ جب کہ انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس چیز کی بندگی کرو گے۔ تو انھوں نے جواب میں کہا کہ ہم تیرے خدا اور تیرے باپ دادوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی بندگی کریں گے۔ وہ ایک ہی خدا ہے اور ہم (سچے دل سے) اس کے مطیع فرمان ہیں۔''

حضرت یعقوبؑ کو اس طرح اپنے بیٹوں کو ایک ساتھ نصیحت کرنے سے ان کے مشترک خاندان کے تحت رہنے کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ اسی طرح مصر میں آمد سے پہلے ارض فلسطین میں ان کے قیام کے زمانہ کے حضرت یوسفؑ کے اوپر کے قصہ میں اس کے حق میں کوئی دلیل ہے۔ ان دونوں جگہوں پر عرب کے معروف دستور کے مطابق یہ خانوادہ فلسطین کی بدوی زندگی میں وہاں کی کھلی اور کشادہ فضا میں اسی طرح مصر کی شاہانہ مراعات کی زندگی میں اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ ایک جگہ اس طرح رہتا ہوگا کہ مشترک خاندان کی خرابیوں سے بچتے ہوئے پاس پاس اور قریب رہتے ہوئے خاندان کے حقیقی سکون اور اطمینان سے لطف اندوز ہو سکے۔ آج کے حالات میں بھی پرسکون خاندان کا یہی آئیڈیل ہے کہ الگ الگ مکانوں میں قریب قریب رہ کر اپنی اولاد پر توجہ صرف کی جائے۔ ساتھ ہی ان کی کمیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے ہوئے انھیں اپنے سے جوڑے رکھنے اور اللہ کے راستے پر لگائے رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔[1] رہائش کی اس صورت میں دادا دادی اور گھر کے دوسرے بڑوں اور بزرگوں کی تربیت اور نگرانی نیز ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے اور اچھے اخلاق اور برتاؤ وغیرہ کو سیکھنے کا فائدہ بھی پوری طرح اٹھایا جا سکتا ہے، جس کے لیے آج یورپ اور امریکہ کی طرف سے تیسری دنیا کے ملکوں میں مشترکہ خاندان کے احیاء کی مہم چلائی جارہی ہے۔ اور اس کے لیے فنڈ فراہم کیے جارہے ہیں۔ اس نظام کے احیاء کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یورپ اس کے نقصانات سے واقف نہیں ہے۔

(۱) سورۂ یوسف کے معاشرتی پہلو پر الگ سے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

باب پنجم

ہم درد معاشرہ

ہم درد معاشرہ کی نعمت بھی دنیا کو اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی بہ دولت ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ معاصر دنیا میں خوش حالی بڑھی ہے۔ معاشی ترقی میں تیز رفتاری آئی ہے۔ وسائل حیات بڑھے ہیں۔ اوسط آمدنی میں اضافہ ہوا ہے۔ اور عام طور پر لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوگیا ہے۔ جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کے لیے بھی ترقی کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ اور اپنے آگے ان کو بھی اندھیرے کے بہ جائے اجالا نظر آتا ہے۔ لیکن ایک کمی ہے جس کا ہر زبان پر شکوہ ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں اس سے متاثر ہے۔ اور اس کے کرب کو اس کے سراپا سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ شکوہ اور یہ کرب بے رخی اور بے مروتی اور چھیلتی ہوئی اجنبیت اور غیریت کا ہے، جس کا سایہ دن بہ دن گہرا اور اس کا اندھیرا ساتھ ساتھ بڑھتا جارہا ہے۔ فرد تنہائی کا شکار ہے۔ خاندان کا سکون رخصت ہو چکا ہے۔ اس کے بعد امید اپنے گرد وپیش کے سماج اور معاشرے سے تھی سو اس کی نگاہ بھی بدلی ہوئی ہے۔ اور ایسا لگتا ہے جیسے کہ وہ اپنے لوگوں کو پہچاننے سے قاصر ہے۔ اب ایسے میں انسان جائے تو کہاں جائے، زندگی کا سکون اور قرار اس کو کس طرح میسر ہو۔ اور زندگی کو کس طرح وہ حوصلہ مندی کے ساتھ جی سکے اور اپنے اندر اپنی منزل کو پانے کا عزم ویقین کرسکے۔ فرد کے سکون واطمینان کا اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا تجویز کردہ نسخۂ شفا کی تفصیل اپنی جگہ آچکی ہے[1] خاندان کے سکون کی تفصیلات ابھی آپ کے سامنے آئی ہیں۔ معاشرہ کے سکون واطمینان کی دولت بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے خزانہ میں اسی طرح موجود ہے۔ اس کے کچھ جواہر پاروں کو زیر نظر مضمون کے ذریعہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اخوت کا تصور

ہم دردی، تعاون، دوسرے کا دکھ سکھ بانٹنے اور اس سے آگے اس کے لیے سینہ سپر

(۱) ملاحظہ ہو: عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور اسلام کی رہ نمائی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی۔

ہو جانے اور جان دے دینے کے لیے انسانی لغت میں اگر کسی رشتے کا حوالہ دیا جا سکتا ہے تو وہ بھائی کا رشتہ ہے۔ اللہ کے آخری دین اسلام کی نجات دہندہ تحریک نے بھی اس رشتے اہمیت اور عظمت کے اسی مقام پر رکھا ہے۔ اور تاریخ میں اس کے فدا کاروں نے اس کی یہی عظمت اور حیثیت تسلیم کی ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ کے بڑے بھائی حضرت زید بن خطابؓ جنگ یمامہ میں مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے قاتل ابو مریم حنفی سلولی سے کہا کرتے تھے کہ:

لا یحبک قلبی ابدا حتی تحب الارض الدم المسفوح۔ (۱)

''میرے دل کے لیے تم کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتے جس طرح کہ زمین کے لیے بہایا ہوا قابل قبول نہیں ہوتا۔''

قرآن و حدیث میں جو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کہا گیا ہے، اس کی روشنی میں ان کے باہمی رشتے کی گہرائی اور قرابت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰)

''مسلمان جو ہیں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

نبی ﷺ نے اپنی مختلف اور متعدد احادیث میں اس رشتے کے تقاضوں کی تفصیل بتائی ہے، جسے بجا طور پر آیت کریمہ کی تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه و من کان فی حاجة اخیه کان اللہ فی حاجته و من فرج عن مسلم کربة فرج اللہ عنه کربة من کرب یوم القیامة و من ستر مسلما ستره اللہ یوم القیامة۔ (۲)

---

(۱) ابو عثمان عمر بن الجاحظ م ۲۵۵ھ: البیان والتبیین: ۱/ ۲۵۲-۲۵۳، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر۔ طبعہ ثالثہ۔ مطبعۃ الاستقامہ، القاہرہ ۱۹۴۷ء ۱۳۶۶ھ۔ تحقیق و شرح: حسن السندوبی۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب المظالم والغصب، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه۔ صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم۔ نیز جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الستر علی المسلمین۔ سنن ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب المواخاة۔ مجیدی، کان پور۔

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کو اکیلا چھوڑتا ہے۔ اور جو اپنے بھائی کے کام آئے گا اللہ اس کے کام آئے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی تکلیف کو رفع کرے گا اللہ قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے اس کی تکلیف کو رفع کرے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔''

نیز یہ کہ:

لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا یبع بعضکم علیٰ بعض، و کونوا عباد اللّٰہ اخوانا: المسلم اخو المسلم: لا یظلمه ولا یحقره ولا یخذله۔ التقویٰ ھٰھنا و یشیر الیٰ صدره ثلاث مرات۔ بحسب امرئ من الشر ان یحقر اخاه المسلم کل المسلم علی المسلم حرامه دمه و ماله و عرضه۔(۱)

''آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے پہ بولی نہ بڑھا، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے بے رخی نہ برتو اور ایک دوسرے کے بیچ میں چڑھ کر خرید و فروخت نہ کرو اس کے بجائے آپس میں اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ اس کو گھری نگاہ سے دیکھتا ہے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اللہ کا ڈر یہاں ہوتا ہے۔ ایسا کہتے ہوئے آپ ﷺ نے تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ آدمی کے برے ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو گری نگاہ سے دیکھے۔ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی جان، مال اور اس کی عزت آبرو حرام ہے۔''

(۱) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم و خذله و احتقاره و دمه و عرضه وماله۔ دوسرے موقع پر مسلمان کے خلاف چڑھ کر سودا کرنے کی طرح اس طرح اس کے خلاف چڑھ کر شادی کرنے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة اخیه حتی ینکح او یدع۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه حتی یأذن او یترک۔

جامع ترمذی کی روایت میں اس پر اضافہ ہے:

المسلم اخو المسلم لایخونه ولا یکذبه ولا یخذله۔ کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله و دمه۔ التقویٰ ھٰھنا، بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاه المسلم۔(۱)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ نہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے۔ نہ اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔ ہر مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کی عزت آبرو، اس کا مال اور اس کی جان حرام ہے۔ اللہ کا ڈر یہاں (سینے میں) ہوتا ہے۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو گری نگاہ سے دیکھے۔''

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے مطلوبہ رشتے اور تعلق کو اس تعبیر سے واضح فرمایا:

المومن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا، ثم شبک بین اصابعه۔(۲)

''مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی مانند ہوتا ہے، جس کی ہر اینٹ دوسری کو باندھے ہوئی ہے۔ پھر (اس کو سمجھانے کے لیے) آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو بھینچ کر دکھایا۔''

المومن مرآۃ المومن والمؤمن اخو المؤمن یکف عنه ضیعته و یحوطه من ورائه۔(۳)

''مسلمان مسلمان کے لیے آئینہ ہوتا ہے اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ اس کو اس کے نقصان سے بچاتا ہے اور اس کا پشت پناہ ہوتا ہے۔''

---

(۱) **جامع الترمذی جلد ۲**۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم۔

(۲) **صحیح بخاری جلد ۴**۔ کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضهم بعضا۔ صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم و تعاضدهم۔ **جامع الترمذی جلد ۲**۔ ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، **محولہ بالا**۔

(۳) **سنن ابوداؤد جلد ۲**۔ کتاب الادب، باب النصیحة۔

آخر میں یہاں تک فرمایا کہ:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ (۱)

”تم میں کا کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو کہ وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

بھائی چارے کے اس رشتے سے مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کا جو حق قائم ہوتا ہے اس کی تفصیل میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام، و عیادة المریض، و اتباع الجنائز، و اجابة الدعوة و تشمیت العاطس۔ (۲)

”مسلمان کا مسلمان پر پانچ حق ہے۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، دعوت کو قبول کرنا اور چھینک آنے پر اس کو 'یرحمک اللہ' کہنا۔ (جب کہ وہ خود اس پر 'الحمدللہ' کہے)۔“

دوسری حدیث میں اس پر اضافہ ہے:

حق المسلم علی المسلم ست:... اذا لقیه فسلم علیه، و اذا دعاک فاجبه، و اذا استنصحک فانصح له، و اذا عطس فحمد اللہ فشمته، و اذا مرض فعده و اذا مات فاتّبعه۔ (۳)

”مسلمان کا مسلمان پر چھ حق ہے... جب تم اس سے ملو تو اس سے سلام کرو، جب وہ تم

---

(۱) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ صحیح مسلم جلد ا ۔ کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان أن یحب لاخیه ما یحب لنفسه من الخیر۔ البتہ یہاں 'لاخیه' کے ساتھ آپ ﷺ سے دوسری روایت 'لجارہ' یعنی کہ اپنے پڑوسی کی بھی ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز۔ صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔

(۳) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

کو دعوت دے تو اس کو قبول کرو۔ اور جب وہ تم سے نصیحت کا طلب گار ہو تو اس کو نصیحت کرو۔ اور جب اس کو چھینک آئے اور وہ 'الحمد للہ' کہے تو تم (اس کے جواب میں) 'یرحمک اللہ' کہو۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے پیچھے چلو۔"

اس سلسلے میں آپ ﷺ کے یہ ارشادات بھی قابل توجہ ہیں:

لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار۔(۱)

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان بھائی) کو تین دن سے اوپر چھوڑے رکھے۔ تو جو کوئی اس کو تین دن سے اوپر چھوڑے رکھے اور اسی دوران اس کو موت آ جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔"

نیز یہ کہ:

لا يحل لمؤمن ان يهجر مومنا فوق ثلاث فان مرت به ثلاث فليلقه فليسلم عليه فان رد عليه السلام فقد اشتركا في الاجر و ان لم يرد عليه فقد باء بالاثم و خرج المسلم من الهجرة۔(۲)

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو تین دن سے اوپر چھوڑے رکھے۔ تو اگر تین دن گزر جائے تو چاہیے کہ وہ اس سے ملاقات کے لیے جائے اور اس سے سلام کرے۔ تو اگر وہ اس کو جواب دے تو ثواب میں یہ دونوں شریک ہوں گے لیکن وہ اس کو جواب نہ دے تو تنہا وہ گنہ گار ہوگا اور سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے باہر نکل آئے گا۔"

قرآن شریف میں 'بھائی' کے علاوہ مسلمانوں کے آپس کے رشتے کے بیان میں دو تعبیرات اور آئی ہیں:

---

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب هجرة الرجل اخاه۔ نیز مسند احمد: ۱/ ۱۷۶، ۱۸۳۔

(۲) ابوداؤد، حوالہ سابق۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ...... رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ...

(فتح:۲۹)

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں...... وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحمت ومحبت کے پتلے ہیں......"

نیز یہ کہ:

...اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ... (المائدہ:۵۴)

"...مسلمان مسلمانوں کے لیے نرم ہوتے ہیں..."

نبی علیہ السلام کی ذیل کی احادیث ان آیات کی تفسیر کہی جا سکتی ہیں:

المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله و ان اشتکی راسه اشتکی کله۔(۱)

"مسلمان ایک آدمی کی طرح ہوتے ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

تری المومنین فی تراحمهم و توادهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعیٰ له سائر جسده بالسهر والحمی۔(۲)

"تم مسلمانوں کو دیکھو گے کہ وہ آپس کی رحمت ومحبت اور دوستی اور لگاؤ میں ایک جسم کے مانند ہوتے ہیں کہ جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المومنین و تعاضدهم۔ مشکوٰۃ میں البتہ روایت کا پہلا لفظ 'المسلمون' کے بجائے 'المومنون' ہے / ۴۲۲، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔ جسے سہو ہی کہا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم۔

یقیناً جو معاشرہ اخوت اور محبت کے اس رشتے میں بندھا ہوا ہو اس کے افراد کبھی اجنبیت اور غیریت کے عذاب میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ اور اس کے یہاں سے بے رحمی اور بے مروتی کے شکوہ کی آواز نہیں آسکتی۔

نصیحت اور خیر خواہی

اسلام کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے معاشرے کی ایسی ہی دوسری خصوصیت ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے سچے ہم درد اور بہی خواہ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے حدیث میں ایک خاص اصطلاح نصیحت و خیر خواہی 'نصح' کی استعمال کی گئی ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی نظر میں اس کی اتنی اہمیت ہے کہ آپ ﷺ نماز اور زکوٰۃ جیسے دین کے اہم ارکان کے ساتھ اس کے لیے بھی اپنے ماننے والوں سے بیعت لیتے تھے۔ چناں چہ مشہور صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ:

قال جریر بن عبد اللهؓ: بایعت النبی ﷺ علی اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والنصح لکل مسلم۔(۱)

"حضرت جریر بن عبداللہؓ (صحابی) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی نماز کے قائم کرنے پر، زکوٰۃ دینے پر اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کرنے پر۔"

اس 'نصیحت' کا مطلب ہے کہ آدمی دین و دنیا کی ہر بھلائی جو اس کو حاصل ہو وہ اس کے دوسرے مسلمان بھائی کو بھی اسی طرح حاصل ہو۔ وہ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے کبھی چالاکی اور ہوشیاری کو راہ نہ آنے دے۔ اس کے دل میں کچھ ہو لیکن اپنے بھائی سے وہ دوسری بات ظاہر کرے۔ بہ ظاہر وہ اس سے اس کے فائدے اور نفع کی بات کرے، لیکن اندر سے اس کو نقصان پہنچانے اور اس کو گھاٹے میں مبتلا کرنے کا آرزو مند ہو۔ اس کے بہ جائے اپنے مسلمان

---

(۱) صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الزکاۃ، باب البیعة علی ایتاء الزکاۃ، صحیح مسلم جلد ا، کتاب الایمان، باب بیان انه لا یدخل الجنة الا المومنون و ان محبة المومنین من الایمان و ان افشاء السلام سبب لحصولها۔

بھائی کے لیے جو بات زبان پر ہو وہی اس کے دل میں ہو۔ اس کے نتیجے میں پورے معاشرے میں اعتماد اور محبت کی فضا قائم ہو۔ اور چھوٹے بڑے، امیر غریب، کم زور طاقت ور، ذہین اور کم ذہن ہر ایک کو یکساں اطمینان اور تسلی ہو کہ زندگی کے کسی موڑ پر اس کے مسلمان کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔ اور وہ اس کے ساتھ کوئی ایسا اقدام اور کارروائی نہیں کرے گا جس سے کہ اس کے مفاد کو ضرب پہنچے اور وہ کسی پریشانی اور افتاد میں مبتلا ہو جائے۔ اس کے بہ جائے وہ اس کے ساتھ پورے خلوص اور سچائی کی بات کرے گا اور جیسا کہے گا اسی کے مطابق عمل بھی کرے گا۔ اس پورے مضمون کو آپ ﷺ نے اپنی دوسری حدیث میں سمیٹ دیا ہے۔ چناں چہ اس کو اسی باب کے تحت بیان بھی کیا گیا ہے۔ حدیث اس سے پہلے آچکی ہے:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه۔ (۱)

”تم میں کا کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے (دوسرے مسلمان) بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو کہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

ایثار

اسلامی معاشرہ کا ایسا ہی دوسرا وصف 'ایثار' ہے۔ ایثار کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کی لازوال مثال مدینہ کے 'انصار' کے ذریعہ قائم کی گئی ہے۔ جنھوں نے مکہ سے خانماں برباد آنے والے 'مہاجرین' کے ساتھ اپنے بھائیوں جیسا برتاؤ کیا۔ ان کے دکھ درد کو انھوں نے اپنا دکھ درد سمجھا۔ یہاں تک کہ اپنے مال و جائداد میں ان کو برابر کا شریک ٹھہرالیا۔ قرآن نے ان کے اس مثالی کردار کی تعریف کی۔ اور اپنے صفحات میں اس کو درج کرکے ان کے ذکر خیر کو قیامت تک کے لیے جاوداں کردیا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

---

(۱) روایت صحیح بخاری و مسلم، تفصیلی حوالہ پیچھے آچکا ہے۔

”اور (انصار) جو (مدینہ کے) گھر کو مہاجرین سے پہلے سے آباد کیے ہوئے ہیں اور ان سے پہلے سے مسلمان بھی ہیں وہ ان لوگوں کو دل سے چاہتے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں اور ان کو (مالِ غنیمت سے) جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے وہ اپنے سینے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے اگرچہ وہ خود بھی ضرورت مند اور تنگی میں مبتلا ہوں۔“

آگے ان کی تعریف میں مزید فرمایا اور ہمیشہ کے لیے اس وصف کو مسلمانوں کی فوز و فلاح کی ضمانت قرار دے دیا:

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۹)

”اور جو کوئی دل کی تنگی سے بچالیا جائے تو یہی لوگ ہیں جو بامراد ہیں۔“

تاریخی طور پر مکہ کے مہاجرین مدینہ کے انصار سے پہلے اسلام لائے۔ اس کے باوجود اوپر مدینہ کے انصار کے بارے میں یہ جو کہا گیا ہے کہ مدینہ کے دارالاسلام کو مہاجرین سے پہلے آباد کرنے کی طرح وہ ان سے پہلے ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں مہاجرین کی آمد سے پہلے اس سرزمین میں اسلام میں سبقت 'انصار' کو حاصل تھی[(۱)] اس کا دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مکہ کے بہت سے مہاجرین کے مقابلہ میں مدینہ کے انصار مدینہ میں ان سے پہلے سکونت رکھنے کے ساتھ اسلام میں ان کے پیش رو تھے[(۲)] آگے انصار کی تعریف ہے کہ وہ دل سے مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور ان کی ضرورت کے لحاظ سے ریاست کی طرف سے ان کو جو امداد اور عطیہ ملتا ہے اس پر یہ اپنے دل میں کوئی حسد اور رقابت محسوس نہیں کرتے[(۳)] بلکہ آگے بڑھ کر خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنی ضرورت پر مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ 'خصاصہ' کے معنی ضرورت معروف ہیں۔ الخصاصة الحاجة۔ آخر میں ان کے سلسلے میں قرآن کی سند ہے کہ یہ بخل اور لالچ کی بیماری سے بالکل پاک صاف اور دھلے دھلائے ہیں۔

---

(۱) ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی: احکام القرآن: ۳/ ۵۳۴، بہیہ، مصر۔

(۲) حافظ ابن کثیر: تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۳۷، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر۔

(۳) تفسیر ابن کثیر، حوالہ سابق۔

'ایثار' کے حوالہ سے انصار کی تعریف میں اصولی انداز میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے صدر اول کی تاریخ نے اس کے حق میں اس کے لازوال نمونے اپنے دامن میں سمیٹ رکھے ہیں۔ چناں چہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص جس کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کے یہاں معلوم کرایا تو اتفاق سے ان کے یہاں چولھا بالکل ٹھنڈا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اس شخص کو اس رات مہمان رکھنے کی اپیل کی۔ اس کا جواب ایک انصاری نے دیا کہ میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ لیکن ان کا معاملہ بھی عجیب نکلا۔ مہمان کو لے کر وہ اپنے گھر پہنچے تو سوائے بچوں کے کھانے کے وہاں بھی کچھ نہ تھا۔ اس کی ترکیب میزبان جوڑے نے یہ نکالی کہ کھانے سے پہلے بچوں کو سلا دیا۔ اس کے چراغ گل کر کے مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ بچے تو پہلے ہی بھوکے سو گئے تھے۔ اب یہ جوڑا بھی اسی طرح بھوکا سو گیا۔ یہ روایت صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ سنن نسائی میں بھی ہے۔ اور صحیح میں ان انصاری کے 'ابوطلحہؓ' نام کی صراحت ہے[1] دوسرے صحابہؓ کے یہاں بھی ایثار و قربانی کا یہ وصف اسی طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غزوہ یرموک کا پانی کا مشہور واقعہ اس کا شاہ کار ہے۔ حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھی اس غزوہ کے موقع پر زخموں سے نڈھال ہیں اور پانی کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ لیکن دیکھنے کی بات ہے کہ یہ تینوں ساتھی پانی ملنے پر پہلا دوسرے کو اور دوسرا تیسرے تک اس کو بڑھاتا ہے۔ اور تیسرے تک پہنچتے پہنچتے یہ تینوں دم توڑ دیتے ہیں اور ان میں سے کسی کو پانی پینا نصیب نہیں ہوتا ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم[2] اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بھی قابل توجہ ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کے اصحابؓ میں سے کسی کے پاس بکری کی سری ہدیہ میں بھیجی جاتی ہے۔ ان کو خیال ہوتا ہے کہ دوسرے شخص اور ان کے اہل خانہ ان کے مقابلے میں اس کے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چناں چہ وہ اس کو خود استعمال کرنے کے بہ جائے ان کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ سری ایک بعد دوسرے نو گھروں تک گھومتی رہتی ہے۔ اور پھر اسی ترتیب سے پلٹ کر پہلے گھر کو لوٹ آتی ہے[3]

(۱، ۲) تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۳۸، بحوالہ بالا۔

(۳) احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۳۵، بحوالہ صدر۔

موجودہ دور کی اصرافیت (Consumerism) جس کے تحت ضروریات زندگی کو اس قدر بڑھا لیا جائے کہ اس کی فہرست کبھی مکمل ہی نہ ہو اور آدمی کا پیٹ کبھی بھر ہی نہ پائے، اسلام کے پیدا کردہ 'ایثار' کے اس وصف کی عین ضد ہے۔ اپنے دین کی اس تعلیم پر عمل کر کے مسلمان معاشرہ عصر حاضر کے اس موذی مرض سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ غیر مسلم انسانیت بھی اسی طرح اس سے اپنے دکھ کا درماں ڈھونڈھ سکتی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں سود، شراب، جوا اور لاٹری کی حرمت اور ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ برائیاں اس کی ہم درد معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ان کے دوسرے سماجی اور معاشی جو نقصانات ہیں وہ تو ہیں ہی، جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جا سکتی ہے[1]۔ زیر نظر گفتگو کے پس منظر میں ان برائیوں کے نتیجے میں بدہوش، غیر ذمہ دار، بدخصلت اور خود غرض سماج وجود میں آتا ہے، جو معاشرہ کی ترتیب اور تشکیل کی اسلامی ترجیحات کی عین ضد ہے۔ آخری محمدیؐ شریعت ان برائیوں کا سخت نوٹس لے گی۔ مسلمان اکثریتی ملکوں میں امت کا اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ اپنے یہاں سے ان برائیوں کا خاتمہ عمل میں لائے۔ ہندستان جیسے ملکوں میں جہاں صورت حال اس سے مختلف ہے اسلام کی نجات دہندہ تحریک، اپنی محبت و برہان کی قوت سے اس کے خلاف فضا بنائے گی۔ اور رائے عام کی تائید سے قانون سازی کے ذریعہ ان پر روک لگانے کی جدوجہد کرے گی۔

رشتہ داروں کے حقوق

اپنے معاشرے میں ایک مسلمان کا واسطہ عام مسلمان کے علاوہ اپنے خونی، غیر خونی اور قریبی اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ عام مسلمان کے ساتھ دوسرے مسلمان کا ہم دردی اور ایثار کا جو رویہ ہونا چاہیے، اس کی تفصیل اوپر آئی ہے۔ رشتہ داروں کی خبر گیری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضروری تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ اسلام سے ہٹی ہوئی ہندستانی

---

(۱) سود، شراب، جوا اور لاٹری کی برائی اور خرابی اور اسلام میں ان کی حرمت اور ممانعت کے وجوہ و اسباب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بہ ترتیب: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی شاہ کار 'سود'، مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ کا رسالہ 'نشہ بندی' اور 'اسلام' اور مولانا شمس پیرزادہ کا کتابچہ 'لاٹری' شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

عرف کی یہ بالکل جاہلانہ روایت تھی جس کے تحت اس سرزمین میں 'پٹی دار' کی اصطلاح ایجاد ہوئی ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں دشمن، مخالف اور مد مقابل کا ہم معنی کہا جا سکتا ہے۔ مشترکہ خاندان سے بٹوارے کے بعد ایک ہی خاندان کے بھائی باپ ایک دوسرے کے مدمقابل اور آپس میں مسابقت کار (Competitor) باور کیے جاتے تھے۔ ہندستانی عرف میں 'پٹی دار' کا مطلب بدترین مخالف اور دشمن جس سے کسی حال میں کسی طرح کی بھلائی اور خیر کی توقع نہ رکھی جائے۔ اللہ کے آخری دین کے لیے یہ اصطلاح اجنبی ہے اور اس کا اس ہندی جاہلیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بہ جائے اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان دین کی بنیاد پر اخوت اور مودت کا جو رشتہ قائم کرتا ہے، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین سے خاص دائرے میں وہ دوستی اور محبت کے اس رشتے کو مزید مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی روشنی میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں رشتہ کے حقوق پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

رشتہ داروں کی مختلف قسمیں

قرآن وسنت کے مطالعہ سے رشتہ داروں کی مختلف قسمیں سامنے آتی ہیں۔ اور ان سب کے ساتھ عمدہ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ تین طرح کے رشتے ہیں: خونی رشتے، سسرالی رشتے اور عام رشتے۔ جن کو خونی اور غیر خونی کی دو تقسیموں میں بھی سمیٹا جا سکتا ہے۔

خونی رشتے

سرفہرست خونی رشتے ہیں۔ یہ ماں باپ کے علاوہ بھائی، بہن، خالہ، پھوپھی اور بھانجے بھتیجے وغیرہ کے قریب ترین رشتے ہیں جن میں آدمی کا خون شامل ہوتا ہے۔ قرآن وسنت میں ان رشتوں کے لیے 'رحم' اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے 'صلہ رحمی' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ قرآن میں سورۂ نساء جو معاشرتی مسائل کے بیان کی سورہ ہے، اس کے آغاز ہی میں اس رشتے کے حق کی ادائیگی کی تاکید ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ (النساء:۱)

''اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق کو طلب کرتے ہو اور رشتوں کو توڑنے سے پرہیز کرو۔''

اسی طرح سورۂ رعد میں قرآن کے نزدیک معتبر اہل خرد 'اولوا الباب'، کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ (الرعد:۲۱)

''اور یہ وہ لوگ ہیں جو ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جنھیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔''

نبی ﷺ کی احادیث میں بھی اس رشتے کے لحاظ کی ایسی ہی تاکید ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت اللہ کے آخری رسول ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

من كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، و من كان يومن بالله واليوم الآخر فليصل راحمه و من كان يومن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا او ليصمت۔(۱)

''جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتے کو جوڑے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔''

اسی طرح مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب اکرام الضیف و خدمته اياه بنفسه و قوله تعالى (ضيف ابراهيم المكرمين)۔ صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الحث على اكرام الجار والضيف و لزوم الامن الخير و كون ذلك كله من الايمان۔ البتہ یہاں 'صلہ رحمی' سے متعلق صحیح بخاری کے ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے۔

یا رسول اللہ اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة۔

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھ کو کوئی ایسا کام بتائیں جو مجھ کو جنت میں پہنچا سکے۔''

اس کے جواب میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

تعبد اللہ لا تشرک به شیئا و تقیم الصلاة و توتی الزکاة و تصل الرحم۔ (۱)

''تم ایک اللہ کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتوں کو جوڑو۔''

اسی سلسلے میں آپ ﷺ کی دوسری مشہور حدیث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کی روایت سے مدینہ تشریف لائے آپ ﷺ نے سب سے پہلے اسی کی تاکید کی:

یا ایها الناس افشوا السلام، و اطعموا الطعام، و صلوا الارحام، و صلوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام۔ (۲)

''اے لوگو! سلام کو رواج دو، کھانا کھلاؤ اور رشتوں کو جوڑو اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں، ایسا کرو اور تم آرام سے جنت میں جاؤ۔''

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب فضل صلة الرحم۔ صحیح مسلم جلد ا۔ کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل به الجنة و ان من تمسک بما امر به دخل الجنة۔

(۲) سنن الدارمی جلد ا۔ کتاب الصلاة، باب فضل صلاة اللیل، طبع جدید دار الریان للتراث القاهره، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۷ء ۱۴۰۷ھ تحقیق وتخریج: فواز احمد زمرلی اور خالد السبع العلمی۔ نیز مسند احمد ۵۰/۵۱۴ البتہ امام نووی م ۶۷۹ھ کے مشہور مجموعہ حدیث 'ریاض الصالحین' میں یہ حدیث جامع ترمذی کے حوالہ سے ہے/ ۳۴۴، کتاب السلام باب فضل السلام والامر بافشائه۔ دار الکتاب العربی بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۹۷۳ء ۱۳۹۳ھ مقابلہ وتعلیق: رضوان محمد رضوان۔ لیکن جامع الترمذی جلد ا۔ ابواب صفة القیام کے تحت باب بلا ترجمہ ص ۷۲ پر اس روایت کے الفاظ میں 'وصلوا الارحام' کا ٹکڑا نہیں ہے۔ جب کہ امام نووی کے مطابق امام ترمذی نے اس حدیث کو جو صحیح کہا ہے۔ ریاض الصالحین/ ۳۴۴، محولہ بالا۔ وہ ترمذی میں اس مقام پر موجود ہے۔ هذا حدیث صحیح، ترمذی: ۲/ ۷۲، رشیدیہ دہلی۔ اب دو ہی صورتیں یا تو امام نوویؒ سے چوک ہوئی ہے یا ان کے سامنے جامع ترمذی کا جو نسخہ ہے اس میں 'صلوا الارحام' کا اضافہ موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جامع ترمذی میں یہ روایت اس کہیں اور مذکور نہیں ہے۔

سسرالی رشتہ

چھتریوں کے پس منظر کے ہندستانی عرف میں 'سسرالی رشتے' سے دوری اور فاصلے کی بہت قدیم روایت ہے۔ غیر مسلم برادران وطن کی طرح مسلمانوں کے یہاں بھی قابل لحاظ اثر رہا ہے۔ اس کے لحاظ سے خاص طور پر لڑکے کے ماں باپ کو یہ بہت ناگوار ہوتا ہے کہ شادی کے بعد سسرال سے اس کی دل چسپی ہو۔ اور ساس سسر اور سالے سالیوں وغیرہ کے ساتھ اس کا ہم دردانہ رویہ ہو۔ اس کے بہ جائے وہ ہمیشہ اپنے بیٹے کو سسرال سے مقابلہ کی حالت میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ وہ وہاں جائے بھی تو جلد آ جائے اور اپنے گھر پر اپنی سسرال کا تذکرہ برائے نام رکھے۔ حالات کی تبدیلی سے مشترکہ خاندان کی طرح ہندی عرف کی یہ روایت بھی اب ٹوٹ رہی ہے۔ لیکن مسلمانوں بھی اس کے بقایاجات ابھی موجود ہیں۔ اسلام کے لیے 'پٹی داری' کے اوپر کے عرف کی طرح 'سسرال سے دوری اور عناد' کی یہ روایت بھی اجنبی ہے۔ اور وہ اس کو پوری طرح سے مسترد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاندانی رشتے 'نسب' کی طرح سسرالی رشتے 'صہر' کا بھی اسی اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ جس سے ان دونوں کے ساتھ یکساں طور پر حسن سلوک کا ثبوت فراہم ہوتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا۝ (الفرقان: ۵۴)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کے خاندان اور سسرال کے (دو رشتے) ٹھہرائے۔ اور تیرے رب کو (ہر چیز پر) قدرت حاصل ہے۔''

سورۂ قصص میں حضرت شعیبؑ [۱] اور حضرت موسیٰؑ کے قصے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت شعیبؑ نے طویل قصے کے پس منظر میں حضرت موسیٰؑ کی صحت اور ان کی امانت داری اور عفت مآبی سے متاثر ہو کر جب اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک سے ان کی شادی کا فیصلہ کیا تو حضرت موسیٰؑ کی ناداری کے سبب ان کی سہولت کی خاطر مہر میں ان کی خدمت گاری کو منظور کیا۔ اور اس کے لیے حضرت موسیٰؑ کے لیے آٹھ یا دس سال دونوں میں سے کسی کا اختیار (Option) رکھا۔ اس موقع پر انھوں نے اس معاملہ میں داماد کے ساتھ سختی نہ برتنے اور اپنی نیک روی کا یقین دلایا۔ آیت کریمہ کے الفاظ ہیں:

---

(۱) اس قصہ میں قرآن شریف میں حضرت شعیبؑ کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ لیکن تفسیروں میں عام طور پر اس کا ذکر ہے۔ اسی کے حوالہ سے یہاں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (القصص:۲۷)

''حضرت شعیبؑ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کردوں اس شرط پر کہ تم میرے یہاں آٹھ سال بہ طور ملازم خدمت انجام دو گے۔ (اس سے آگے) اگر تم نے دس سال پورے کردیے تو یہ تمھاری مرضی پر موقوف ہوگا۔ میری طرف سے (اس کے لیے) تمھارے اوپر کوئی سختی نہ ہوگی۔ اللہ نے چاہا تو تم مجھ کو بھلا آدمی پاؤ گے۔ جس کا تم کو جلد تجربہ ہوجائے گا۔''

اس کے جواب میں داماد نے اگرچہ اپنا آپشن کھلا رکھا:

قَالَ ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ۝ (القصص:۲۸)

''حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ یہ بات اب میرے اور آپ کے درمیان طے ہوچکی ہے۔ میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کردوں گا اس کی بابت میرے اوپر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ اور ہم یہ جو قول وقرار کررہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔''

لیکن روایتوں سے ثابت ہے اور حضرت موسیٰؑ کی اولوالعزمی سے یہی قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنی طرف سے سسرال کے اس احسان کا ایسا ہی بدلہ چکایا۔ اور بہ جائے آٹھ کے دس سال کی خدمت گاری کی مدت پوری کی۔ (۱) پیغمبر کی ذات امت اور انسانیت کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ اور قرآن کے صفحات سے حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کا یہ نمونہ قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید ہے۔ جس سے ضرورت کے تقاضے سے آدمی کے لیے سسرال میں طویل مدت تک قیام کے ساتھ اس کے ساتھ حسن سلوک کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی ایک حدیث سے بھی سسرالی رشتے کے اسی طرح لحاظ کی تاکید سامنے آتی ہے۔ اسی طرح اس میں خونی رشتے 'رحم' اور سسرالی رشتے 'صہر' کا تذکرہ ایک ساتھ ہے، جس سے ان دونوں کی یکساں اہمیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ یہ مصر کی سرزمین کا تذکرہ ہے جس

(۱) ابوالفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی م ۷۷۴ھ: البدایہ والنہایہ ۱/ ۲۲۹، طبع جدید دار الریان للتراث القاہرہ، مطبعہ اولی ۱۹۸۸ء ۱۴۰۸ھ۔

کے سلسلے میں آپ ﷺ تاکید فرماتے ہیں کہ جب وہ فتح ہو تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اپنایا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ تم لوگوں کا خونی اور سسرالی دونوں طرح کا رشتہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے جس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

انکم ستفتحون ارضا یذکر فیھا القیراط فاستوصوا باھلھا خیرا، فان لھم ذمة و رحما۔ (۱)

''تم جلد ہی ایک سرزمین فتح کروگے جہاں 'قیراط' کا چرچا رہتا ہے تو وہاں کے لوگوں سے تم اچھا سلوک کرنا اس لیے کہ ان سے تمھارا خونی رشتہ ہے جس کی تم پر ذمہ داری بنتی ہے۔''

اسی سلسلے کی دوسری روایت ان لفظوں میں ہے:

انکم ستفتحون مصر و ھی ارض یسمی فیھا القیراط فاذا فتحتموھا فاحسنوا الی اھلھا، فان لھم ذمة و رحما۔(۲)

''تم بہت جلد مصر کو فتح کروگے اور یہ وہ سرزمین ہے جس میں 'قیراط' کا نام چلتا ہے۔ تو جب تم اس کو فتح کرلو تو اس کے لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا اس لیے کہ تمھارا ان سے خونی رشتہ ہے جس کی تم پر ذمہ داری بنتی ہے۔''

ان دونوں حدیثوں میں خونی رشتے کی بنیاد پر اس ذمے داری کا تذکرہ ہے 'ذمة ورحما'۔ آخری حدیث کی دوسری روایت میں اس ذمہ داری کا لحاظ سسرالی رشتے کے حوالہ سے ہے:

او قال ذمة و صھرا۔(۳)

''یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تمھارا ان سے سسرالی رشتہ ہے جس کی تم پر ذمہ داری بنتی ہے۔''

علماء کی طرف سے خونی رشتے 'رحما' کی تفصیل میں کہا گیا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہؑ مصر کی تھیں۔ اسی طرح سسرالی رشتے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے صاحب زادے ابراہیمؑ جو آپ ﷺ کی زوجہ حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے، ان کا تعلق بھی مصر کی سرزمین سے تھا۔(۴)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب الفضائل، باب وصیة النبی ﷺ باھل مصر۔

(۲،۳) صحیح مسلم، حوالہ سابق

(۴) ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی م ۶۷۹ھ: ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین ص ۱۵۷، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۳۹ھ۔

عام رشتے

تیسری قسم عام رشتوں کی ہے جنھیں ان دونوں رشتوں کا مجموعہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن میں اس کے لیے 'ذی القربی' یا 'ذوی القربی' (۱) کی اصطلاح ہے اور ان کے ساتھ جا بجا حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ نساء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس میں اس کو بندگی رب کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا ہے، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى... (النساء:۳۶)

''اور ایک اللہ کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو ساجھی نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو...''

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ماں باپ کے حق کی ادائیگی کی تفصیل کے بعد ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ... (بنی اسرائیل:۲۶)

''اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو...''

کم زوروں کا خیال

ہم درد اور غم خوار معاشرے کا تصور نامکمل رہتا ہے جب تک عام مسلمان اور رشتہ داروں اور ناطے داروں کے ساتھ خاص طور پر سماج کے کم زور اور غریب طبقے کا خیال اور ان کی پریشانی اور تکلیف کو دور کرنے کی فکرمندی نہ ہو۔ کتاب اللہ کو ان غریبوں اور کم زوروں کا بھی اسی طرح لحاظ ہے اور ایسے تمام لوگوں کا نام لے لے کر اس نے ان کے ساتھ بھلائی اور ان کی خبر گیری کی تاکید کی ہے۔ چناں چہ اوپر سورۂ نساء اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیات کا متعلق حصہ جو اوپر نقل کیا گیا ہے، غریبوں اور کم زوروں کے تذکرہ کے ساتھ ہی یہ مکمل ہوتی ہیں۔

پہلی آیت کریمہ ہے:

---

(۱) نساء:۳۶ اور بنی اسرائیل:۲۶، میں 'ذی القربی' اور بقرہ:۱۷۷ میں 'ذوی القربی' ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ۝

(النساء:۳۶)

’’اور ایک اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمھارے ہاتھ کی ملکیت ہیں یعنی کہ باندی اور غلام۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو گھمنڈی ہو، شیخیاں بگھارنے والا ہو۔‘‘

اس آیت کریمہ میں پڑوسی کے معاملے میں رشتہ دار اور اجنبی پڑوسی کی تقسیم کے علاوہ پہلو کے ساتھی یعنی کہ دفتر، کارخانے اور سفر وغیرہ کے وقتی پڑوسی کی جو باریک تقسیم ہے، دنیا کے کسی قانون میں اس باریکی کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اسی طرح اس میں کم زور طبقے غریب، یتیم، مسافر اور اس زمانہ کے لحاظ سے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو تاکید ہے، کم زوروں کے بیان میں آج بھی اس وسعت اور احاطے کا مظاہرہ کم ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک

ہم درد معاشرے کی تشکیل میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کے لیے بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا سینہ اسی طرح کھلا ہوا ہے۔ چناں چہ قرآن کی تاکید ہے کہ عام حالات میں غیر مسلموں کے ساتھ انصاف اور بہتر سلوک کو یقینی بنایا جائے۔ سورۂ ممتحنہ کی آیت کریمہ اس سلسلے میں صریح ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنۃ:۸)

’’اللہ تم کو اس سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی ہے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے کہ تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا طریقہ اختیار کرو۔ بلا شبہ اللہ انصاف کی راہ چلنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘

مدینہ کے اندر نازل ہونے والی یہ آیت کریمہ مکہ اور اس کے اطراف کے کافروں اور مشرکوں کے پس منظر میں ہے۔ لیکن قرآن کے معروف اصول سے یہ اسی طرح دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں سے متعلق ہے۔ اور قیامت تک کے لیے ایسے کافروں اور مشرکوں کے سلسلے میں قرآن کا یہی حکم ہے۔ اس پس منظر میں آیت کریمہ کے دو الفاظ قابل توجہ ہیں۔ بر اور قسط۔ الٹی ترتیب سے پہلے ’قسط‘ کو لیتے ہیں۔

قسط کا مفہوم

’قسط‘ کا مطلب ہے انصاف۔ قرآن میں اس کا دوسرا متبادل ’عدل‘ ہے۔ چناں چہ یہ دونوں ہم معنی ہیں[1] قرآن کی دو آیتوں سے اس کے حق میں دلیل ہے جہاں ان دونوں کو مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ حجرات میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے کی صورت میں ان کے درمیان صلح کی کوشش ناکام ہو جانے پر ظالم کے ہاتھ کو پکڑ لینے کی تاکید کی گئی یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کو ماننے کے لیے مجبور ہو کر انصاف کے ساتھ صلح کے لیے آمادہ ہو جائے۔ اس کے لیے ’عدل‘ اور ’قسط‘ کے الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے۔

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الحجرات:۹)

’’اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں کی ایک دوسرے سے لڑائی ہو جائے تو تم ان کے درمیان ملاپ کرادو۔ اس کے بعد بھی ایک جماعت دوسرے پر چڑھائی کرے تو

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۱۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر۔ نیز: تفسیر الجلالین/ ۶۳۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت۔

چڑھائی کرنے والی جماعت سے تم جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔ تو جب وہ اس کے لیے تیار ہو جائے تو تم ان کے درمیان برابری کے ساتھ ملاپ کرادو اور انصاف کے راستے کو اختیار کرو۔ بلاشبہ اللہ انصاف کی راہ چلنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

سورۂ مائدہ کی مشہور آیت کریمہ میں بھی ان دونوں کا اسی طرح ایک ساتھ استعمال ہے۔ مزید اس سے اسلام میں عدل کے دائرے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان ہر حال میں اس کا پابند ہے اور دوست دشمن ہر ایک کے ساتھ اس کو اس کا یکساں لحاظ ہونا چاہیے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ٥ (المائدہ:۸)

''اے مسلمانو! انصاف کے گواہ بن کر اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے بن جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا گنہ گار نہ بنائے کہ تم عدل سے کام نہ لو۔ عدل سے کام لو۔ یہ تقویٰ (اللہ کے ڈر) سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ کو اچھی طرح پتہ کہ تم کیا کارگزاری کرتے ہو۔''

نبی ﷺ کی حدیث میں بھی عدل اور قسط کا ایک ساتھ استعمال ہے۔ اس سے بھی ان دونوں لفظوں کے ہم معنی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓو کی روایت سے اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

ان المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمن عزوجل و كلتا يديه يمين الذين يعدلون في حكمهم و اهلهم وماولوا۔(۱)

''انصاف سے کام لینے والے اللہ کے یہاں روشنی کے ممبروں پر ہوں گے۔ اور ان کو رحمٰن عزوجل کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ

(۱) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل و عقوبۃ الجائر والحث علی الرفق بالرعیۃ والنہی: عن ادخال المشقۃ علیہم۔ ایضاً رواہ النسائی بہ حوالہ تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۱۔

وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلے میں اور اپنے اہل و عیال کے معاملے میں نیز وہ جو ان کے ماتحت ہیں ان کے معاملے میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔''

برّ کے دائرے کی وسعت

زیر نظر آیت کریمہ میں لفظ 'برّ' مزید قابل توجہ ہے۔ قرآن و سنت کے نظائر سے جس کے دائرے میں غیر معمولی وسعت ہے۔ آیت کریمہ کو ایک بار پھر پڑھیے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْآ اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ (الممتحنہ:۸)

''اللہ تم کو اس سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی ہے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے کہ تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا طریقہ اختیار کرو۔ بلاشبہ اللہ انصاف کی راہ چلنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

غیر مسلم انسانیت کے ساتھ حسن سلوک کے معاملے میں اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ 'برّ' کے معنی و مفہوم کو اجاگر کرنے کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ قرآن اور حدیث میں یہ ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کے ہمہ جہتی حقوق کے ادائیگی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ کے بیان میں ہے:

وَّبَرًّا ۢبِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ (مریم:۳۲)

''اور اللہ نے مجھ کو اپنی ماں کا فرماں بردار بنایا۔ اور مجھ کو سخت گیر اور بدبخت نہیں بنایا۔''

معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزے کے طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، جس کی قرآن میں سورۂ مریم کے علاوہ بھی جا بجا تفصیل ہے، اس لیے اس جگہ ان کے سلسلے میں صرف اپنی ماں کا وفادار اور فرماں بردار ہونے کا ذکر ہے۔ حدیث میں اس لفظ کا استعمال ماں باپ دونوں کے لیے ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت

سے اللہ کے نبی ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک محبوب اعمال کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

عن عبد اللّٰه بن مسعودؓ قال: سألت النبی ﷺ: ای العمل احب الی اللّٰه عزوجل؟ قال: الصلاۃ علٰی وقتها قال: ثم ای؟ قال: ثم بر الوالدین، قال ثم ای؟ قال: الجهاد فی سبیل اللّٰه۔ (۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ عزوجل کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز اپنے صحیح وقت پر۔ انھوں نے پوچھا پھر اس کے بعد کون سی چیز؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ماں باپ کی فرماں برداری۔انھوں نے پوچھا پھر اس کے بعد کون سی چیز؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد۔''

قرآن میں دوسرے موقع پر دوسری چیزوں کے علاوہ رشتہ داروں اور غریبوں پر خرچ کرنے اور وعدے اور معاہدے کی پابندی کو 'بِرّ' کے تقاضوں میں شامل قرار دیا گیا ہے:

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَ لٰـکِنَّ الۡبِرَّ... وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ... وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ... اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ○ (البقرہ:۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم (نماز میں) اپنے چہرے کو پورب یا پچھم کی طرف پھیرو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب البر والصلة و قول اللّٰه تعالیٰ: و وصینا الانسان بوالدیه حسنا، نیز مسند احمد: ۲/ ۳۲۔ ریاض الصالحین/ ۱۵۱، دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۹۳ھ پر اس حدیث پر 'متفق علیہ' لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ صحیح بخاری کے ساتھ یہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ لیکن صحیح مسلم کے متعلقہ ابواب میں روایت نہیں ملی۔ ونسک کے 'المعجم المفہرس' میں اس پر صحیح مسلم کا حوالہ نہیں ہے: ۱/ ۳۸۸، مکتبہ بریل لیدن ۱۹۳۴ء۔ یہاں بھی دو ہی باتیں ہی جا سکتی ہیں امام نووی کے پیش نظر صحیح مسلم کے نسخہ میں یہ روایت ہو۔ دوسری صورت میں اسے امام موصوف کا تمہید ہی کہا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بلکہ اصل نیکی تو ان کی ہے... جو مال کو اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں اور گردنیں چھڑانے (غلام آزاد کرنے) میں دیں۔...اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب وہ عہد باندھ لیں تو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔... یہی وہ لوگ ہیں جو سچائی کی راہ پر گام زن ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صحیح معنوں میں اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔"

حدیث میں لفظ 'بر' کے استعمالات سے اس کی مزید وسعت سامنے آتی ہے۔ اس کے مطابق نیکی اور بھلائی کا ہر کام 'بر' میں شامل ہے۔ اس کا الٹا 'اثم' کا لفظ ہے۔ جس میں اسی طرح برائی اور گناہ کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ حضرت نواس بن سمعان صحابیؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں:

سألت رسول اللّٰہ ﷺ عن البر والاثم فقال: البر حسن الخلق، والاثم ماحاک فی صدرک و کرھت ان یطلع علیہ الناس۔ (۱)

"میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے نیکی اور گناہ کی بابت دریافت کیا۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔ اور گناہ وہ ہے جو تمھارے سینے میں کھٹکے اور تم کو ناگوار ہو کہ کسی دوسرے کو اس کا پتہ چلے۔"

اس حدیث میں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے 'بر' کے معنی حسن اخلاق کے بتائے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت جابرؓ کی روایت سے آپ ﷺ کی دوسری حدیث ہے:

ان من احبکم الیّ واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقا۔ (۲)

"میرے نزدیک تم میں سب سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو اخلاق میں سب سے اچھے ہوں گے۔"

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تفسیر البر والاثم۔ نیز: سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب الرقائق، باب البر والاثم، دار الریان للتراث، القاھرہ۔ طبع جدید ۱۴۰۷ھ۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الزھد عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب ماجاء فی البر والاثم، رشیدیہ دہلی۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلۃ والآداب عن رسول اللّٰہ ﷺ باب ماجاء فی معالی الاخلاق۔

امام ترمذی اپنی جامع میں اس سے پہلے کے ایک دوسرے باب میں مشہور تابعی حضرت عبداللہ مبارکؒ کے حوالہ سے 'حسن الخلق' حسن اخلاق کی یہ تشریح بیان کرتے ہیں:

هو طلاقة الوجه، و بذل المعروف و كف الاذى۔ (۱)

''یہ خندہ پیشانی، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان کو پریشانی اور زحمت سے محفوظ رکھنے کا دوسرا نام ہے۔''

اس سے اوپر کی حدیث میں لفظ 'بر' کی وسعت اور جامعیت واضح ہوتی ہے۔ اوپر کی اسی حدیث کے ہم معنی آپ ﷺ کی دوسری حدیث بھی ہے۔ اس کی روایت حضرت وابصہ بن معبد اسدیؓ سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر جب کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا:

جئت تسأل عن البر والاثم؟ قال: قلت نعم۔ قال: مجمع اصابعه فضرب بها صدره، و قال: استفت نفسك استفت قلبك ياوابصة ثلاثا۔ البر ما اطمأنت اليه النفس، واطمأن اليه القلب، والاثم ماحاك فى النفس و تردد فى الصدر، و ان افتاك الناس وافتوك۔(۲)

''تم نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھنے کے لیے آئے ہو۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہاں۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملایا اور اس سے ان کے سینے میں مارا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے وابصہؓ! اپنے دل سے پوچھو۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی۔ نیکی وہ ہے جس سے تمھارے جی کو اطمینان ہو اور تمھارا دل اس پر مطمئن ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو تمھارے جی میں کھٹکے اور جس سے تمھارے سینے میں دگھدا بنی رہے۔ اگرچہ لوگ اس کے حق میں تم کو فتوے پر فتوے دیے جائیں۔''

---

(۱) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فى حسن الخلق۔

(۲) سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب دع مايريبك الى مالا يريبك، نیز مسند احمد: ۴/ ۱۹۴، جہاں یہ قدرے فرق صحابی رسول حضرت ابوثعلبہ خشنی کی روایت سے ہے۔

یہی بات ہے جو نبی ﷺ کی دوسری احادیث میں اس طرح کہی گئی ہے:

دع ما یریبک الیٰ مالا یریبک۔ (۱)

''اس چیز کو چھوڑ دو جس پر تمھارا دل نہ جمے اور اس چیز کو اختیار کرو جس پر تمھارے دل کا اطمینان ہو۔''

نیز یہ کہ:

لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع مالا باس به حذر المابه الباس۔ (۲)

''بندہ متقیوں (اللہ سے ڈرنے والوں) کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ شبہے سے بچنے کے لیے اس چیز کو بھی نہ چھوڑ دے جس میں کہ کوئی شبہ نہ ہو۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر آیت کریمہ میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور 'بر' کا رویہ اپنانے کی جو بات کہی گئی ہے، اس کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، اور کس طرح اعلیٰ اخلاق اور حسن معاملت کی تمام دفعات اس کے اندر شامل ہیں۔ یہاں تک کہ فقہ کی اسی آیت کریمہ کی بنیاد پر مسلمان کے لیے اجازت ہے کہ وہ جس طرح اپنی زندگی میں کسی مسلمان کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، اسی طرح ذمی کافر کے حق میں بھی وصیت کر سکتا ہے:

و یجوز ان یوصی المسلم للکافر... لقوله تعالیٰ: لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ الآیه۔ (۳)

---

(۱) جامع الترمذی: ۲/ ۷۴-۷۵، ابواب صفة القیامة، باب بلا ترجمہ سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب دع مایریبک الی مالا یریبک۔ الفیا رواہ البخاری تعلیقا۔ جلد ۲۔ کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات۔

(۲) سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب الورع و التقویٰ جامع الترمذی جلد ۲ / ۶۸، ابواب صفة القیامة، باب بلا ترجمہ، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ اسی مضمون کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول بھی ہے: لا یبلغ العبد حقیقة التقویٰ حتی یدع ماحاک فی الصدر صحیح بخاری جلد ا، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ 'بنی الاسلام علی خمس' تعلیقا۔ بندہ تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہر چیز سے اپنے کو دور نہ رکھے جس کے سلسلے میں اس کے سینے میں کھٹک ہو۔

(۳) ہدایہ: ۴ /۶۴۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

"مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ (ذمی) کافر کے حق میں وصیت کرے... اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنیاد پر کہ: جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اللہ تم کو اس سے نہیں منع کرتا ہے کہ تم ان کے ساتھ۔" الخ

دوسرے موقع پر اسی آیت کریمہ کے حوالہ سے اسلامی ریاست کے مستقل غیر مسلم شہری 'ذمی' کے اوپر مسلمان کی طرف سے اپنی تفصیلات کے ساتھ منقولہ و غیر منقولہ جائداد کے وقف کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ فقہ حنفی کی دوسری مشہور کتاب 'الجوھرة الیترہ' میں ہے:

و ان وقف علٰی ذمی جاز لانه موضع القربة و لھٰذا یجوز التصدق علیه قال اللّٰه تعالٰی: لاَ یَنۡھٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ۔ (۱)

"اور اگر کوئی مسلمان (اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری) ذمی پر وقف کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اس لیے کہ وہ طاعت و بندگی کا محل ہے۔ اسی لیے اس کے اوپر صدقہ و خیرات کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تم کو اس سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی ہے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے کہ، تم ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرو۔"

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی بعض دیگر دفعات

اس کے ساتھ ہی قرآن وسنت سے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی بعض دوسری دفعات سامنے آتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ تمام چیزیں اوپر 'بِرّ' کی بحث کا حصہ ہیں اور اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ لیکن بات کو کھولنے کی غرض سے ان کو نمایاں کرنا مناسب ہے۔

صلہ رحمی

اس میں سرفہرست 'صلہ رحمی' ہے۔ قرآن میں اس کا حکم مطلق ہے۔ اس کا تذکرہ اوپر آیا ہے۔ حدیث میں متعین غیر مسلم رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کی تلقین ہے۔ اس سلسلے میں

(۱) الجوھرة الیترة علی ھامش القدوری ص ۱۳۹۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی عکس مجتبائی دہلی، ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت اسماءؓ کا واقعہ ہے جنھوں نے اپنی مشرک ماں کے ساتھ صلہ رحمی کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے کسی تحفظ کے بغیر ان کو اس کی اجازت دی:

عن عائشةؓ ان اسماء سألت النبی ﷺ عن ام لها مشركة جاء تنی اصلها قال نعم صليها۔ (۱)

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ان کی بہن) حضرت اسماءؓ نے نبی ﷺ سے اپنی ان ماں کے بارے میں پوچھا جو ان کے پاس (مکہ سے) آئی تھیں اور ہنوز حالت شرک میں تھیں کہ کیا میں ان کا رشتہ کا حق ادا کر سکتی ہوں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں تم ان کے رشتے کا حق ادا کرو۔''

امام ابو بکر جصاص رازی م ۳۷۰ھ اس واقعہ کو سورۂ ممتحنہ کی زیر نظر آیت کریمہ کے تحت نقل کرتے ہیں:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ... (الممتحنۃ:۸)

''اللہ تم کو اس سے منع نہیں کرتا ہے کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی ہے۔...''

اس سلسلے میں آیت کریمہ کے اگلے ٹکڑے:

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ (الممتحنۃ:۸)

''اس سے منع نہیں کرتا ہے کہ تم ان کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ انصاف سے کام لو۔''

عموم فی جواز دفع الصدقات الٰی اهل الذمة اذ لیس هم من اهل قتالنا۔ (۲)

''یہ الفاظ عام ہیں جس سے نکلتا ہے کہ اہل ذمہ کو صدقہ اور خیرات دی جا سکتی ہے اس لیے کہ وہ ہم سے لڑنے والے نہیں ہیں۔''

(۱، ۲) احکام القرآن: ۳/ ۵۳۷، بہیہ، مصر۔

اس سے پہلے امام بخاری (۲۵۶ھ) نے حضرت اسماء کے اس واقعہ کو سورۂ ممتحنہ کی اسی آیت کریمہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس پر انھوں نے باب اسی مضمون کا باندھا ہے:

باب صلة الوالد المشرک۔ (۱)

''مشرک باپ کے ساتھ صلہ رحمی کا باب۔''

اس سے بالکل متصل دوسرے باب کے تحت بھی انھوں نے ان کے واقعہ کو بیان کیا ہے:

باب صلة المرأة ولها زوج۔ (۲)

''اس کا باب کہ عورت کے ساتھ رشتے کا حق ادا کیا جائے دریں حالے کہ اس کا شوہر موجود ہو۔''

اس باب میں حضرت اسماءؓ کی ماں کے مشرک ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے پاس ان کے باپ یعنی کہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں:

عن اسماء قالت قدمت امی وھی مشرکة ...... مع ابیھا۔ (۱)

''حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ ان کی ماں ان کے پاس (مکہ سے آئیں)...... جب کہ ان کے باپ ان کے ساتھ موجود تھے۔''

جس سے امام بخاری اوپر کے باب سے یہ مزید استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی کافر ماں سے اس کے شوہر کی موجودگی اور سرپرستی کے باوجود صلہ رحمی کی جاسکتی ہے۔ اور اس کو اسی طرح دوسرے غیر مسلم رشتہ داروں تک دراز کیا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر امام بخاری کے قائم کردہ اوپر کے دونوں ابواب میں اس کی صراحت ہے کہ اس وقت حضرت اسماءؓ کی ماں اسلام سے دور اور اس سے بیزار تھیں:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ الادب، باب مذکور۔

(۲) صحیح بخاری، حوالہ سابق باب حوالہ بالا نیز ملاحظہ ہو: سنن ابوداؤد جلد ا۔ کتاب الزکوۃ، باب الصدقه علی اھل الذمه۔ مجیدی کان پور۔

اتتنی امی راغبة۔(۱)

''میری ماں میرے پاس (مکہ سے) آئی ہیں جب کہ وہ دین اسلام سے بیزار ہیں۔''

اور:

ان امی قدمت وھی راغبة۔(۲)

''میری ماں میرے یہاں آئی ہیں دریں حالے کہ وہ دین اسلام سے بیزار ہیں۔''

اسی باب کے تحت امام بخاری اسلام لانے سے پہلے جناب ابوسفیان کے شام کے مشہور سفر اور قیصر روم کے دربار میں حاضری کے موقع پر نبی ﷺ کی بابت ان کی گفتگو کے ایک حصہ کو بھی نقل کرتے ہیں، جس میں علاوہ اور باتوں کے، آپ ﷺ کی طرف سے صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے۔ ہرقل شہنشاہ روم نے جناب ابوسفیانؓ سے سوال کیا:

فما یامر؟ یعنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

تو وہ یعنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس بات کا حکم دیتے ہیں؟

اس کے جواب میں جناب ابوسفیان کا کہنا تھا:

قال یامرنا بالصلاة والصدقة والعفاف والصلة۔(۳)

''وہ ہمیں نماز صدقہ وخیرات، پاک بازی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔''

اس باب کے تحت امام بخاری حضرت اسماء کی مشرک والدہ کے بعد اس دوسری حدیث کے بیان سے بھی یہی استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر دوسری چیزوں کے علاوہ 'صلہ رحمی' کا جو حکم دیا ہے اس میں مسلمان رشتہ دار کے ساتھ غیر مسلم رشتہ دار بھی اسی طرح شامل ہیں۔ اور ان کے ساتھ بھی کسی تکلف اور تردد کے بغیر اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا ضروری ہے۔ ترجمہ باب کا یہ تقاضا الگ ہے کہ رشتہ دار کی مدد اور خبر گیری کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بالکل لاچار اور بے سہارا ہو، اس کے بجائے اس کا سرپرست اور نگراں ہوتے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب صلة الوالد المشرک۔

(۲) بخاری، حوالہ بالا، باب صلة المرأة الہا۔

(۳) صحیح بخاری، حوالہ مذکور۔

ہوئے بھی اسی طرح اس کے مال دار اور خوش حال ہونے کی، حالت میں بھی اس کی دلجوئی، اس کا مالی تعاون اور اس کو تحفے سے نوازا جاسکتا ہے۔ اس سے آگے امام بخاری نے غیر مسلم بھائی کے ساتھ صلہ رحمی کا باب قائم کیا ہے:

باب صلة الاخ المشرک ۔ (۱)

''مشرک بھائی کے ساتھ صلہ رحمی کا باب۔''

اس کے تحت انھوں نے حضرت عمرؓ کے اس مشہور واقعہ کو نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ایک قیمتی جبہ بھیجا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اس کو اپنے ایک بھائی کے پاس بھیج دیا جو مکہ میں تھے اور اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے:

...... **فارسل بها عمر الی اخ له من اهل مكة قبل ان يسلم۔** (۲)

''......تو حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے ایک بھائی کے پاس بھجوایا جو ابھی مکہ میں رہ رہے تھے اور ہنوز اسلام نہیں لائے تھے۔''

اس کے بعد امام بخاری نے صلہ رحمی کی اہمیت اور فضیلت کا باب باندھا ہے:

باب فضل صلة الرحم۔ (۳)

''صلہ رحمی کی فضیلت کا باب۔''

اس موقع پر صحیح بخاری کے نئے ایڈیشن کے محققین نے رحمی رشتوں کی جامع تعریف کی ہے۔ اس کو محفوظ کر دینا مناسب ہے:

الرحم الاقارب، وهم من بينه وبين الآخر نسب، سواء كان يرثه ام لا، سواء كان ذامحرم ام لا۔ (۴)

''رحم کا مطلب ہے رشتہ دار۔ یعنی کہ وہ لوگ جن کے اور اس کے درمیان خون کا رشتہ ہو۔

(۱، ۲) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب الادب، باب صلة الاخ المشرک۔

(۳) صحیح بخاری، حوالہ بالا، باب مذکور۔

(۴) صحیح بخاری: ۴/ ۸۸) کتاب الادب، باب فضل صلة الرحم۔

بلا لحاظ اس کے کہ اس کو اس کی وراثت سے حصہ ملا ہے یا نہیں۔ اسی طرح وہ محرموں میں سے آتا ہے یا نہیں۔"

نفقہ کا وجوب

قرآن شریف میں کافر ماں باپ کے سلسلے میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر وہ اپنی مسلمان اولاد پر اس کے لیے دباؤ ڈالیں کہ وہ شرک و بت پرستی کے راستے پر واپس لوٹ آئے تو اس معاملے میں تو اسے ان کی بات نہیں ماننی چاہیے لیکن اس کے باوجود دنیا کے معاملے میں ان کے ساتھ عمدہ اور اچھے برتاؤ کو یقینی بنانا چاہیے:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ز (لقمان:۱۵)

"اور اگر (کافر) ماں باپ تمہارے اوپر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ اس چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے بارے میں تم کو کچھ پتہ نہیں ہے تو تم ان کی بات نہ مانو۔ لیکن اس کے باوجود دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہو۔"

اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ عمدہ برتاؤ کا یہ حکم مسلمان اور کافر دونوں طرح کے ماں باپ کے لیے عام ہے:

ابان تعالٰی بذلک ان امره بالاحسان الى الوالدين عام في الوالدين المسلمين و الكفار۔(۱)

"اللہ تعالیٰ نے اس سے بتانا چاہا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اس کا حسن سلوک کا حکم تمام والدین کے سلسلے میں عام ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر۔"

اسی طرح آیت کریمہ کے ٹکڑے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ز (لقمان:۱۵)

"اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہو۔"

---

(۱) الجصاص الرازی الحنفی ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۳/ ۴۳۳، مطبعہ بہیہ، مصر۔

کی تفسیر میں علاوہ دیگر حقوق کے کافر ماں باپ کے نفقہ کے وجوب کو ثابت کیا گیا ہے:

وفی ذلک دلیل ...... ان علیه نفقتهما اذا احتاجاالیه اذکان جمیع ذٰلک من الصحبة بالمعروف وفعل ضده ینا فی مصاحبتهما بالمعروف۔ (۱)

''اس میں اس کے لیے دلیل ہے کہ...... اولاد کے اوپر اپنے ماں باپ کا نفقہ واجب ہے جب کہ وہ اس کے محتاج ہوں۔ اس لیے کہ دوسری چیزوں کی طرح یہ چیز بھلائی کا سلوک کرنے میں شامل ہے۔ اور اس کا برعکس طرز عمل بھلائی کے سلوک کے الٹ ہے جس سے اس کی نفی ہوتی ہے۔''

تجہیز و تکفین

دوسرے موقع پر اس آیت کریمہ کے حوالہ سے ماں باپ کے ساتھ عمدہ سلوک کے بیان میں غیر مسلم والدین کے دیگر حقوق کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین کو بھی شامل قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی (م ۳۷۰ھ) اس سلسلے میں حضرات حنفیہ کا یہی مسلک بیان کرتے ہیں۔ سورۂ لقمان کی زیر نظر آیت کریمہ:

وَ اِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ لا فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ز (لقمان:۱۵)

''اور اگر (کافر) ماں باپ تمھارے اوپر اس کے لیے دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ اس چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے بارے میں تم کو کچھ پتہ نہیں ہے تو تم ان کی بات نہ مانو البتہ اس کے باوجود دنیا میں تم ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے رہو۔''

پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

و قال اصحابنا فی المسلم یموت ابواه و هما کافران ان

---

(۱) الجصاص الرازی الحنفی ۳۷۰ھ: احکام القرآن: ۳/ ۳۳۳، مطبعہ بہیہ، مصر۔

یغسلهما و یتبعهما و یدفنهما لان ذٰلک من الصحبة بالمعروف التی امر اللّٰه بها۔ (۱)

’’ہمارے اصحاب (حضرات حنفیہ) کا اس مسلمان کے بارے میں کہنا ہے جس کے ماں باپ کافر ہوں اور اسی حالت میں وہ مرجائیں کہ وہ ان کو غسل دے گا اور ان کے جنازہ کے پیچھے پیچھے جائے گا اور ان کے دفن میں شریک ہوگا۔ اس لیے کہ یہ چیز اس بھلائی کے سلوک میں شامل ہے جس کا اللہ نے ان کے سلسلے میں حکم دیا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے غیر مسلم چچا ابو طالب کے انتقال پر جب ان کے صاحب زادے حضرت علیؓ کی طرف سے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور اپنے باپ کو زمین میں دفن کرکے آئیں: اذهب فوار اباک۔ (۲)

مریض کی عیادت

اس سے پہلے غیر مسلم مریض کی عیادت کے معاملے میں بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں تنگی نہیں ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے خود یہودی لڑکے کی عیادت کرکے اس کی مثال قائم فرمائی ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اس کو اسلام لانے کی دعوت بھی دی۔ اس پر اس کے یہودی باپ نے اس سے آپ ﷺ کا حکم بجالانے کی تلقین کی۔ جس سے آپ ﷺ کے یہود کے یہاں سچا نبی ہونے کا مزید ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت سے اس پوری حدیث کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

عن انس ان غلاما من الیهود مرض فاتاه النبی ﷺ یعوده فقعد عند رأسه فقال له اسلم فنظر الٰی ابیه و هو عند رأسه فقال له ابوه اطع ابا القاسم فاسلم فقام النبی ﷺ و هو یقول الحمد للّٰه الذی انقذه من النار۔ (۳)

---

(۱) احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۳۶، بہیہ، مصر۔

(۲) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الجنائز، باب الرجل یموت قرابة مشرک۔ سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب مواراة المشرک۔

(۳) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الجنائز، باب عیادة الذمی۔

”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تو آپ ﷺ اس کے سرہانے بیٹھے اور اس سے اسلام لانے کو کہا۔ اس پر وہ اپنے باپ کو دیکھنے لگا جو خود بھی اس کے سرہانے کھڑا تھا۔ تو اس سے اس کے باپ نے کہا کہ ابو القاسم (محمد ﷺ) کی بات مان لو۔ چناں چہ وہ مسلمان ہو گیا۔ تو نبی ﷺ وہاں سے یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے کہ جس نے اس کو میرے ذریعہ سے دوزخ کی آگ سے بچالیا۔“

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی یہ روایت مختصر ہے۔ البتہ یہاں اس کی صراحت ہے کہ یہ یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ اس کے الفاظ ہیں:

عن انسؓ ان غلاما یهود کان یخدم النبی ﷺ، فمرض، فاتاه النبی ﷺ یعوده، فقال اسلم فاسلم۔(۱)

”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا تو وہ بیمار ہو گیا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تو آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ تو وہ مسلمان ہو گیا۔“

اس پر امام بخاری کا قائم کردہ ترجمہ باب بھی قابل توجہ ہے:

باب عیادة المشرک۔(۲)

”مشرک کی عیادت کا باب۔“

اجتہاد اور امامت میں امت میں امام ابن تیمیہ م ۷۲۰ھ کا درجہ مسلم ہے۔ ایک سوال کے جواب میں وہ بھی اس کا جواب اثبات میں دیتے اور اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک موقع پر ان سے سوال کیا گیا کہ:

هل یجوز للمسلم اذا مرض النصرانی ان یعوده؟

”کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ نصرانی بیمار ہو تو وہ اس کی عیادت کے لیے جائے؟“

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب المرضی، باب عیادة المشرک۔

(۲) صحیح بخاری، حوالہ مذکور۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اما عیادۃ فلا باس بھا۔ فانہ قد یکون فی ذٰلک مصلحۃ لتألیفہ علی الاسلام۔(۱)

"جہاں تک اس کی عیادت کا سوال ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات اس میں مصلحت ہو سکتی ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کے لیے اس کا دل جیتا جا سکتا ہے۔"

تعزیت اور اس کا طریقہ

اسی طرح غیر مسلم کی اولاد یا اس کے کسی عزیز قریب کا انتقال ہو جائے تو اس کی تعزیت کی جا سکتی اور اس کے لیے اس کے یہاں جایا جا سکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی رائے اس کے حق میں ہے جو ساتھ ہی اس کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف م ۱۸۳ھ اپنی 'کتاب الخراج' میں کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا کہ یہودی اور نصرانی یا اس کا اور کوئی عزیز قریب مر جائے تو اس کی کیسے تعزیت کی جائے: سألت ابا حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی عن الیھودی والنصرانی یموت لہ الولد۔ کیف یعزّٰی؟

اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

قال: یقول: ان اللّٰہ کتب الموت علٰی خلقہ، فنسأل اللّٰہ ان یجعلہ خیر غائب ینتظر، و انا للّٰہ و انا الیہ راجعون و علیک بالصبر فی ما نزل بک لا نقص اللّٰہ لک عددا۔ (۲)

"آپ نے فرمایا کہ آدمی یہ کہے کہ: اللہ نے اپنے بندوں کے اوپر موت لکھ رکھی ہے۔ تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جانے والا سب سے اچھا آنکھ سے اوجھل ہونے والا ثابت ہو جس کا کہ انتظار کیا جائے۔ اور ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہم کو

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۴/ ۲۶۵ طبع جدید سعودی عرب۔ ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہٗ محمد۔

(۲) کتاب الخراج ص ۲۱۶، المطبعۃ السلفیۃ و مکتبھا لصاحبھا محب الدین الخطیب (مصر) ۱۳۵۲ھ، طبعہ ثانیہ۔

پلٹ کر جانا ہے۔تم پر جو مصیبت آئی ہے کہ تم اس پر صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔اللہ کریں کہ تمھاری گنتی (مزید) کم نہ ہو۔"

اسی سلسلے میں امام ابو یوسف مزید روایت کرتے ہیں کہ ایک نصرانی حضرت حسن بصری م ۱۱۰ھ کے پاس آیا کرتا تھا اور ان کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔اس کا انتقال ہو گیا تو حضرت حسن اس کے بھائی کے یہاں تعزیت کے لیے گئے۔اس موقع پر انھوں نے اس سے کہا:

اثاب اللّٰہ علیٰ مصیبتک ثواب من اصیب بمثلھا من اھل دینک، و بارک لنا فی الموت و جعلہ غیر غائب منتظرہ، علیک بالصبر فیما نزل بک من المصائب۔(۱)

"اللہ تعالیٰ تمھاری اس مصیبت پر تم کو ویسا ہی بدلہ دیں جیسا کہ وہ اس کی تمھارے کسی دوسرے ہم مذہب کی مصیبت پر بدلہ دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس کو موت میں برکت دیں اور اس کو آنکھ سے اوجھل ہونے والی وہ بہتر چیز بنائیں جس کا کہ ہم انتظار کر سکیں۔تم پر مصیبت کا جو پہاڑ ٹوٹا ہے اس پر تم صبر و ثبات کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔"

اس واقعہ سے غیر مسلم سے تعزیت کے طریقے کے علاوہ ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے دور اول میں کے علماء اور صوفیاء کی مجلس میں مسلمانوں کے ساتھ اسی طرح غیر مسلم بھی شریک ہوتے تھے۔اس سے آج کے زمانے میں غیر مسلموں کی الگ دعوتی مجالس کے علاوہ مسلمانوں کے درس قرآن مجید و حدیث اور تقریر کی مجالس میں بھی ان کی اسی طرح شرکت ہونی چاہیے۔اس پر توجہ دی جا سکے تو ہندستان اور امریکہ جیسے غیر مسلم اکثریتی ملکوں میں دعوت اسلامی کے کام کو زیادہ فطری اور سہج انداز میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔دوسرے موقع پر اس تعزیت کے مختصر الفاظ بھی ہیں۔مسلمان غیر مسلم کی تعزیت ان الفاظ میں بھی کر سکتا ہے:

اعظم اللّٰہ اجرک، و احسن عزاء ک۔(۲)

---

(۱) کتاب الخراج ص ۲۱۷ محولہ بالا۔

(۲) محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی م ۶۷۶ھ: الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار ﷺ ص ۱۳۶۔ دار العلوم الحدیثۃ بیروت۔مکتبۃ المتنبی۔وعلیہ شرح العلامۃ ابن علان ۱۹۷۹ء ۱۳۹۹ھ۔

اس کے علاوہ غیر مسلم کی تعزیت دوسرے الفاظ میں بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے خاص الفاظ کی پابندی ضروری نہیں ہے۔(۱)

سلام میں سبقت

سلام کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ غیر مسلم کے سلام کا جواب کا حکم خود قرآن میں ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ط (النساء:۸۶)

''جب تم سے سلام کیا جائے تو اس کا اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو۔''

اسی طرح اس کے سلسلے میں اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا سلموا علیکم فقولوا و علیکم۔ (۲)

''جب غیر مسلم تم سے سلام کریں تو اس کے جواب میں تم کہو کہ 'تم پر بھی'۔''

اس کی بنیاد پر غیر مسلم کے سلام کا جواب دینے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے(۳) لیکن مشہور فقیہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غیر مسلموں سے سلام میں سبقت میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کے سلسلے میں ان کے شاگرد مشہور تابعی حضرت علقمہ کا بیان ہے کہ:

عن علقمة قال صحبنا عبد اللّٰہ فی سفر و معنا اناس من الدھاقین قال فاخذوا طریقا غیر طریقنا فسلم علیھم۔(۴)

''علقمہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ کسی سفر میں ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ تھے۔ اس میں ہمارے ساتھ کچھ (غیر مسلم) دیہاتی بھی تھے۔ فرماتے ہیں کہ کچھ دور کے بعد انھوں نے ہمارے سے الگ دوسرا راستہ پکڑا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے سلام کیا۔''

اس پر حضرت علقمہ نے ان سے سوال کیا:

---

(۱) حوالہ سابق۔

(۲، ۳، ۴) احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۲۵، بہیہ، مصر۔

فقلت لعبد اللّٰہ الیس ھٰذا تکرہ۔(۱)

''میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ آیا اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے؟''

اس پر ان کا جواب تھا:

قال انه حق الصحبة۔(۲)

''آپؓ نے فرمایا یہ ساتھ چلنے اور کچھ دیر ساتھ رہنے کا حق ہے۔''

اس پر صاحب الاحکام اپنا تبصرہ نقل کرتے ہیں کہ:

قال ابوبکر ظاھرہ یدل علی ان عبد اللّٰہ بدأھم بالسلام لان الرد لایکرہ عند احد۔(۳)

''ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں کہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو پہلے سلام کیا تھا۔ اس لیے کہ غیر مسلم کے سلام کا جواب دینا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد جلیل القدر تابعی فقیہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کی بھی اس سلسلے میں یہی رائے ہے۔ ان کے شاگرد سلیمان اعمش ۱۴۸ھ کا بیان ہے کہ:

عن سلیمان الاعمش قال قلت لابراھیم اختلف الی طبیب نصرانی اسلم علیه قال نعم اذا کان الیک حاجة فسلم علیه۔(۴)

''سلیمان اعمش سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا کہ مجھے ایک نصرانی طبیب کے پاس جانا پڑتا ہے تو کیا میں اس کو سلام کروں۔ ان کا جواب تھا کہ ہاں جب تم کو اس سے کام ہو تو اس سے سلام کر سکتے ہو۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں غیر مسلم کے سلام کا جواب دینے کے ساتھ اس سے بڑھ کر پہلے بھی سلام کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ وہ سلام کرنے

(۱، ۲، ۳) احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۲۵، بہیہ، مصر۔

(۴) احکام القرآن: ۳/ ۵۲۶ محولہ بالا۔

والے مسلمان سے عمر اور مرتبہ میں بڑا اور عزت اور احترام کے لائق ہو۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ ان دونوں کے درمیان شاگرد استاد، جونیر سینیر اور افسر اور ماتحت کا رشتہ ہو۔ البتہ ہندستان کے پس منظر میں ایک بات کہی جاسکتی ہے۔ یہاں غیر مسلموں میں سلام کے بیشتر طریقے یا تو شرک اور کفر کی آلائش رکھتے ہیں یا ان کے اندر اس سے ملتی جلتی خرابی پائی جاتی ہے جو آخری محمدیؐ شریعت کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ نمشکار، نمستے، رام رام، پالگی، بندگی وغیرہ۔ تو مسلمان ان لفظوں میں غیر مسلم کے سلام کا جواب دے سکتا ہے، نہ ان کے ذریعہ اس کو ابتداءً سلام کر سکتا ہے۔ اس کے بہ جائے آداب، اور انگریزی کے 'گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ اور گڈ نائٹ' جیسے سلام کے کلمات سے ان کے سلام کا جواب دینے اور ابتداءً ان کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عربی کے 'صباح الخیر' اور 'مساء الخیر' وغیرہ انھی انگریزی کلمات کے ترجمے ہیں جن کا حکم اس سے مختلف نہیں ہوسکتا ہے۔ غیر مسلموں سے سلام کا سب سے محفوظ کلمہ یہی لفظ 'سلام' ہے۔ جس کے ذریعہ کسی تردد کے بغیر غیر مسلموں کے سلام کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ اور اوپر کی تفصیل کے مطابق ان سے بڑھ کر پہلے سلام کیا بھی جاسکتا ہے۔ دنیا کے دوسرے تمام خطوں، علاقوں اور ممالک میں غیر مسلموں کے سلام کے جو کلمات شرک و کفر کی علاقوں سے خالی ہوں ان کے ذریعہ سے اسی طرح ان کے سلام کا جواب دیا جاسکتا اور ضرورت کے تقاضے سے ان سے پہلے سلام کیا بھی جاسکتا ہے۔ جہاں تک غیر مسلم کے سلام کے جواب کا سوال ہے اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تنگی اور تحفظ کی گنجائش نہیں ہے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

> قال ابن عباس رضی اللہ عنھما من سلم علیک من خلق اللہ فاردد علیہ السلام و ان کان مجوسیا۔ ان اللہ تعالیٰ یقول: و اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا۔ (۱)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خلق خدا میں سے تم کو جو بھی سلام کرے تو تم اس کے سلام کا جواب دو چاہے وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا مطلق ارشاد ہے کہ جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس کو اس سے اچھا جواب دو یا پھر اسی کو دہرا دو۔"

(۱) امام غزالی م ۵۰۵ھ: احیاء علوم الدین ۳/ ۸۷، طبع قدیم، عامرہ شرفیہ، مصر۔

اسی سلسلے میں ان کا مزید کہنا ہے:

و قال ابن عباسؓ ایضا: لو قال لی فرعون خیر الرددت علیہ۔(۱)

”حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ بھی کہنا ہے کہ: اگر فرعون بھی مجھ سے کوئی بھلی بات کہے گا تو میں اس کو جواب سے محروم نہیں رکھوں گا۔“

نیکی اور اچھائی کے کام پر دعا

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ساتھ کوئی نیکی اور اچھائی کا کام کرے تو اس کو عمومی انداز کی دعا دی جاسکتی ہے۔ اس کے کفر اور شرک کی وجہ سے اس کو مغفرت وغیرہ کی دعا تو نہیں دی جاسکتی البتہ اس کے نیک کام پر اس کو ہدایت، صحت اور عافیت وغیرہ کی دعا دی جاسکتی ہے۔ امام نسائی کے ساتھی ابن السنی کی کتاب 'عمل الیوم واللیلۃ' (۲) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر نبی ﷺ نے ایک یہودی سے پانی طلب کیا تو اس نے آپ ﷺ اس کے پلانے کی سعادت حاصل کی۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کو دعا دی کہ:

جمّلک اللہ۔(۳)

”خدا تمھارے حسن و جمال کو قائم رکھے۔“

آپ ﷺ کی اس دعا کا اثر ہوا کہ مرتے دم تک اس کا ایک بال سفید نہیں ہوا۔ آخر وقت تک وہ کالا کالا ہی رہا۔(۴)

---

(۱) امام غزالی م ۵۰۵ھ: احیاء علوم الدین ۳/ ۸۷، طبع قدیم، عامرہ شرفیہ، مصر۔

(۲) امام نسائی کے شاگرد امام ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی م ۳۶۴ھ جن کی کتاب 'عمل الیوم واللیلہ' سے امام نووی نے زیر حوالہ کتاب 'الاذکار' میں غیر معمولی طور پر استفادہ کیا ہے۔ 'عمل الیوم واللیلہ' کے موضوع پر ہمارے علماء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اس پر ایک کتاب امام نسائی کی بھی ہے جس کی امام نووی نے تعریف کی۔ لیکن ابن السنی کی اس موضوع پر کتاب کو اس سے بھی بہتر، عمدہ اور فوائد کی حامل قرار دیا ہے۔ محی الدین ابوزکریا یحی بن شرف النووی الشافعی م ۶۷۶ھ: الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار ﷺ ص ۱۴۔ دار العلوم الحدیثیۃ بیروت۔ مکتبۃ المتبنی۔ و علیہ شرح العلامہ ابن علان۔ ۱۹۷۹ء ۱۳۹۹ھ۔

(۳) الاذکار ص ۲۸۲ بحولہ بالا۔ باب ما یقول المسلم للذی اذا فعل بہ معروفا۔

(۴) الاذکار/ ۲۸۲ بحولہ بالا۔ باب ما یقول المسلم للذی اذا فعل بہ معروفا۔

عام زندگی میں حسن سلوک

غیر مسلموں کے ساتھ عام زندگی میں بھی اسی طرح حسن سلوک کا حکم ہے۔ 'بِر' کے حوالہ سے یہ بحث اوپر آچکی ہے۔ اس کے سلسلے میں قرآن و سنت کے بعض دیگر نصوص کا حوالہ بہ طور یاد دہانی کے درج کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ بھلی بات کہنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے:

...وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا... (البقرہ:۸۳)

''اور لوگوں سے بھلی بات کہیے۔''

...وَافْعَلُوا الْخَيْرَ... (الحج:۷۷)

''اور بھلائی کا کام کرو۔''

اسی طرح حدیث میں اللہ کے آخری نبی ﷺ نے جہاں یہ فرمایا ہے:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ (۱)

''تم میں کا کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو کہ وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

وہیں دوسرے موقع پر اس کے لیے دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ:

فمن احب ان یزحزح عن النار و یدخل الجنة فلتاته منیة و هو یومن باللہ والیوم الآخر۔ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه۔ صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه من الخیر۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ، باب الامر بالوفاء ببیعة الخلفاء الاول فالاول۔

”تو جو چاہتا ہے کہ اس کو دوزخ سے دور رکھا جائے اور اس کو جنت کا داخلہ نصیب ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔“

اس کا اگلا ضروری جزا سے قرار دیا:

ولیات الی الناس الذی یحب ان یوتی الیه۔

”تو اس کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔“

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۱) کی روایت سے نبی ﷺ کی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جس میں آپ ﷺ نے قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والے فتنہ کے پس منظر میں اس سے بچنے کا نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ کی دوسری مشہور حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے سچے مسلمان کی پہچان یہ بتائی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔(۲)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں آپ ﷺ نے مومن کی علامت یہ قرار دی ہے کہ:

والمومن من امنه الناس علیٰ دمائهم و اموالهم۔(۳)

---

(۱) امام نووی کے مشہور مجموعۂ حدیث 'ریاض الصالحین' ص ۲۸۵، پر اس موقع پر سہو کتابت سے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے بجائے عبداللہ بن عمرؓ چھپ گیا ہے۔ دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۷۳ء ۱۳۹۳ھ، طبعہ اولیٰ۔ مقابلہ و تعلیق: رضوان محمد رضوان۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔ روایت کا پہلا ٹکڑا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔ صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔ صحیح مسلم جلد ا ۔ کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام۔

(۳) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔ روایت کا پہلا ٹکڑا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔ صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔ صحیح مسلم جلد ا ۔ کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام۔

"اور مومن وہ ہے جس سے (بلالحاظ کفر و اسلام) تمام لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں اطمینان محسوس کریں۔"

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی عام زندگی میں اپنے بدترین دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی اسی حسن سلوک کا نمونہ چھوڑا ہے۔ ابتداء اسلام میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہود کو جو عداوت اور مخاصمت تھی معلوم ہے۔ بلکہ حقیقت ہے کہ عرب کی سرزمین میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کے خلاف تمام تر مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کا یہی مرکز تھے۔ اور پورے عرب کو ایک طرح سے آپ ﷺ کے خلاف اکسائے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود عام زندگی میں آپ ﷺ کا معمول تھا کہ یہودی کے جنازے کو دیکھ کر بھی آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنهما قال: مر بنا جنازة فقام لها النبی ﷺ فقمنا به، فقلنا یا رسول اللّٰه انها جنازة یهودی، قال: اذا رأیتهم الجنازة فقوموا۔(۱)

"حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو نبی ﷺ اس کے لیے کھڑے ہوگئے تو ہم بھی کھڑے ہوگئے۔ پھر ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو کسی یہودی کا جنازہ ہے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔"

صحیح مسلم میں اس کی صراحت ہے کہ یہ یہودی عورت کا جنازہ تھا۔ یہاں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

عن جابر بن عبد اللّٰه قال مرت جنازة فقام لها رسول اللّٰه ﷺ و قمنا معه فقلنا یا رسول اللّٰه انها یهودیة فقال ان الموت فزع فاذا رأیتم الجنازة فقوموا۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب من قام لجنازة یهودی۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الجنائز، باب القیام للجنازة۔ نیز سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب القیام لجنازة اهل الشرک۔ سنن ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الجنائز، باب القیام للجنازة)۔

''حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو اللہ کے رسول ﷺ اس کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ پھر ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہ ایک یہودی عورت کا جنازہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: موت گھبرانے والی چیز ہے۔ تو جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ۔''

آپ ﷺ کے دو اصحاب حضرت سہل بن حنیفؓ اور حضرت قیس بن سعدؓ نے بھی ایک موقع پر آپ ﷺ کے اسی اسوہ پر عمل کر کے دکھایا اور اس موقع کے لیے آپ ﷺ کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ یہ دونوں حضرات ایک موقع پر قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو یہ دونوں حضرات کھڑے ہوگئے۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ:

انها من اهل الارض — ای من اهل الذمة۔

''یہ زمین والوں یعنی کہ ذمیوں میں سے کسی کا جنازہ ہے۔''

اس پر ان حضرات کا جواب تھا کہ:

ان النبی ﷺ مرت به جنازة فقام فقیل له: انه جنازه یهودی فقال: أ لیست نفسا۔(۱)

''نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ اس کے لیے کھڑے ہوگئے۔ تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ کسی یہودی کا جنازہ ہے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ جان نہیں ہے۔''

اس موقع پر اس جنازہ کے سلسلے میں عام ہے کہ یہ مطلق ذمی یعنی کہ غیر مسلم کا تھا۔ چناں چہ امام نسائی نے اسی کے متعلق اسی مضمون کا باب باندھا ہے:

باب القیام لجنازة اهل الشرک۔(۲)

''اہل شرک کے جنازے کے لیے کھڑے ہوجانے کا باب۔''

---

(۱) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، محولہ بالا۔

(۲) سنن نسائی حوالہ سابق۔

البتہ اس موقع پر غیر مسلم کو جو 'اہل الارض' کہا گیا ہے اور اس کی تشریح 'اہل ذمہ' سے کی گئی ہے، اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ:

سمی اهل الذمة باهل الارض لان المسلمین لما فتحوا البلاد اقروهم علیٰ عمل الارض و حمل الخراج۔(۱)

''اہل ذمہ کو اہل ارض (زمین والا) اس لیے کہا گیا کہ جب مسلمانوں نے علاقوں کو فتح کیا تو وہاں کے باشندوں کو بہ دستور اپنی زمینوں پر کام کرنے دیا۔ البتہ ان سے خراج وصولتے رہے۔''

دوسری مثال خزرج کے سردار عقیدے کے منافق عبداللہ بن ابی کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن معاملت اور حسن سلوک کی ہے۔ عبداللہ بن ابی جسے دوسرے 'ابن سلول' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ غزوۂ احد اور غزوۂ تبوک کے موقع پر اس نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے مختلف مواقع پر مسلمانوں کے خلاف انتہائی دلآزار تبصرے کیے تھے اور ان کو تکلیف پہنچائی تھی۔ عقیدے کے ایسے منافقین کے بارے میں قرآن کی صراحت ہے کہ یہ کافر ہیں:

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ٥ (المنافقون:۳)

''ان کا عمل برا اس لیے ہے کہ یہ ایمان لائے پھر انھوں نے کفر کا راستہ اپنا لیا تو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو یہ سمجھتے نہیں ہیں۔''

دوسری آیت کریمہ سورۂ توبہ کی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کے انتقال کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھائی اگرچہ حضرت عمرؓ کی رائے اس کے خلاف تھی اور انھوں نے آپ ﷺ کو اس سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اس کے

---

(۱) ابوالحسن محمد بن عبدالہادی الحنفی المعروف بالسندی م ۱۱۳۸ھ: السندی علی النسائی: ۱/ ۲۷۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند عکسی مجتبائی دہلی۔ ۱۹۵۹ء/ ۱۳۷۸ھ۔

باوجود آپ ﷺ نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھائی۔ جس کے فوراً بعد ہی سورۂ توبہ کی یہ آیت کریمہ اتری جس میں آپ ﷺ کو ایسے منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کی تاکید کے ساتھ ان کے کافر ہونے کی صراحت ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبہ:۸۴) (۱)

''تو آپؐ ان میں سے کسی مرنے والے کی کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ اور ان کو موت جو آئی تو اس حال میں کہ یہ نافرمانی پر ڈٹے ہوئے تھے۔''

اس کے باوجود اللہ کے آخری رسول ﷺ نے نہ صرف یہ کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے دعا کی، بلکہ اس سے پہلے اس کے صاحب زادے کی فرمائش پر اپنی قمیص اس کو مرحمت فرمائی جس میں لپیٹ کر اس کو دفن کیا جاسکے(۲) دوسری روایت میں اس پر اضافہ ہے کہ قبر میں لٹادیے جانے کے بعد آپ ﷺ نے اس کی نعش کو دوبارہ نکالنے کا حکم دیا اور اپنے ہاتھ سے دوبارہ اس کو اپنی قمیص پہنا کر دفن کرایا۔ اور اس پر اپنے لعاب دہن کی پھوار بھی ماری جس سے کہ اس کی آگے کی سخت منزل آسان ہوسکے(۳)

آخری نبی ﷺ کے جاں نثاروں اور فداکاروں کو بھی قیامت تک کے لیے اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے معاملے میں اسی کشادگی اور عالی ظرفی کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے غائبانہ میں ان کے گھر پر بکری ذبح کی گئی۔ گھر آنے پر اس کے سلسلے میں ان کو جو سب سے پہلے فکر دامن گیر ہوئی وہ یہ کہ:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من الصلاۃ علی المنافقین والاستغفار للمشرکین۔
سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی المنافقین۔

(۲) سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الجنائز، باب القمیص فی الکفن۔

(۳) سنن نسائی حوالہ سابق۔ نیز اسی کتاب کے آگے کا باب: باب اخراج المیت من اللحد۔

اهديتم لجارنا اليهودی اهديتم لجارنا اليهودی۔ (۱)

''تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ پہنچایا، تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ پہنچایا۔''

اسی موقع پر انھوں نے آپ ﷺ کی اس مشہور حدیث کا حوالہ بھی دیا:

ما زال جبرئيل يوصينی بالجار حتی ظننت انه سيورثه۔(۲)

''حضرت جبریلؑ مجھ کو برابر پڑوسی کے حق کی ادائیگی کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھ کو خیال گزرنے لگا کہ کہیں وہ اس کو وراثت میں حصہ دار نہ بنادیں۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام انسانوں کی طرح پڑوسی پڑوسی کے معاملے میں بھی اسلام میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱،۲) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ۔ باب حق الجوار، رشیدیہ دہلی۔

کتابیات

(عربی)

۱ – القرآن الکریم

–طبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م۳۱۰ھ) جامع البیان عن تاویل آی القرآن، المعروف بتفسیر الطبری، مکتبۃ مصطفٰی البابی الحلبی واولادہ، مصر طبعۃ ثالثۃ ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء دار المعارف مصر بتحقیق بتحقیق محمود محمود شاکر/دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

–زمخشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ) الکشاف عن حقائق التنزیل مصطفی البابی الحلبی وأولادہ، مصر، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء تحقیق روایات محمد صادق القمحاوی۔

–رازی، فخر الدین محمد بن عمر الرازی (م۶۰۴ھ) مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر مطبوعۃ عامرۃ شرفیۃ، مصر، ۱۳۰۸ھ۔

–ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی (م۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم المعروف بتفسیر ابن کثیر، مکتبۃ تجاریۃ کبریٰ مصر، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔

–جلال الدین، جلال الدین محمد بن احمد المحلی (م۸۶۴ھ) اور جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م۹۱۱ھ)، تفسیر الجلالین، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء طبعہ اولٰی۔

–جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی (م۳۷۰ھ) احکام القرآن، المطبعة البهية مصر ۱۳۴۷ھ باهتمام عبد الرحمن محمد۔

–بخاری محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۶۵ھ) الجامع الصحیح، اصح المطابع دهلی۔

–بخاری محمد بن اسماعیل الادب المفرد مع فضل اللّٰہ الصمد، طبع قاهرة، ۱۳۷۸ھ۔

–مسلم ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری (م۲۶۱ھ) صحیح مسلم، مطبعه عامرة مصر۔

–ابو داؤد سلیمان بن أشعث السجستانی (م۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد، مطبع مجیدی، کان پور ۱۳۴۵ھ۔

–ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م۲۷۹ھ) جامع الترمذی کتب خانه رشیدیه دهلی۔

–نسائی ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی (م۳۰۳ھ) سنن النسائی مطبع مجتبائی دهلی، کتب خانه رحیمیه دیوبند۔

–ابن ماجه ابو عبد اللّٰہ محمد بن یزید الربعی القزوینی (م۲۷۳ھ) سنن ابن ماجه مع شرحه مفتاح الحاجة۔

–مالک، مالک بن انس الموطا، مکتبة تجارية کبریٰ مصر بدون سنة۔

–محمد، محمد بن حسن الشیبانی موطا امام محمد، خورشید بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۲ مع التعلیق الممجد علی موطا محمد للعلامة عبد الحی اللکنوی۔

–احمد، ابو عبد اللّٰہ احمد بن محمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) مسند احمد بن حنبل۔ مطبعة میمنیه مصر ۱۳۱۳ھ۔

–دارمی، سنن الدارمی، دار الکتاب العربی بیروت، طبعه اولیٰ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء محقق ایڈیشن۔

–عبد الرزاق، ابوبکر عبد الرزاق بن همام الصغانی، المصنف، المکتب الاسلامی

بیروت طبعه ثانیه ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، بتحقیق و تخریج: حبیب الرحمٰن اعظمی

–خطیب تبریزی مشکوۃ المصابیح۔

–ابن حجر، شهاب الدین ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) فتح الباری بشرح صحیح البخاری دار المعرفة بیروت، توزیع دار الباز مکة المکرمة (محقق ایڈیشن)

–نووی ابو زکریا یحیی بن شرف النووی الدمشقی (م۶۷۶ھ) شرح مسلم دار الریان للتراث، قاهرة۔

–نووی ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین، دار الکتاب العربی بیروت طبعه اولیٰ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، مقابله و تحقیق: رضوان محمد رضوان۔

–خطابی الخطابی (م۳۸۸ھ) معالم السنن، مطبعه علمیة حلب، طبعه اولیٰ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء تصحیح محمد راغب الطباخ۔

–زیلعی جمال الدین ابو محمد عبد اللّٰه بن یوسف الحنفی الزیلعی (م۷۶۲ھ) نصب الرایة لأحادیث الهدایة دار الحدیث مکتبه ابن تیمیه، طبع جدید بدون مقام۔

–صنعانی، محمد بن اسماعیل الأمیر الصنعانی (م۱۱۸۲ھ) سبل السلام شرح بلوغ المرام مکتبة عاطف بحوار الازهر، مصر تحقیق و تعلیق: محمد عبد العزیز الخولی۔

–السندی، ابو الحسن محمد بن عبد الهادی الحنفی المعروف بالسندی (م۱۱۳۸ھ) السندی علی النسائی، کتب خانه رحیمیه دیوبند، عکسی مجتبائی دهلی ۱۲۷۸ھ/ ۱۹۵۹ء۔

–عبد الحق عبد الحق محدث دهلوی (م۱۰۵۲ھ) لمعات شرح مشکوۃ، علی هامش أبی داؤد مطبع مجتبائی کان پور۔

–ابن تیمیة، شیخ الاسلام احمد بن تیمیة (م۷۲۸ھ) فتاویٰ ابن تیمیة، طبع جدید سعودیه ترتیب: عبد الرحمٰن بن قاسم وابنه محمد۔

–شافعی محمد بن ادریس الشافعی (م۲۰۴ھ) کتاب الام۔ دار المعرفة بیروت، طبع جدید بدون سنة، نگرانی و تصحیح: محمد زهری النجار

–سرخسی شمس الائمة محمد بن أحمد بن أبی سهل السرخسی (م۴۸۳ھ) المبسوط، مطبعة السعادة مصر، ۱۳۲۴ھ، طبعه اولیٰ۔

—سرخسی شرح السیر الکبیر دائرۃ المعارف النظامیة، حیدرآباد دکن طبعه اولٰی ۱۳۳۵ھ۔

—مرغینانی برهان الدین أبو الحسن علی بن أبی بکر المرغینانی (م۵۹۳ھ) هدایة، کتب خانه رشیدیه دهلی ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء عکس مطبع مصطفائی دهلی ۱۳۰۲ھ، طبعه خامسه۔

—قرطبی ابوالولید محمد بن رشد القرطبی (م۵۹۵ھ) بدایة المجتهد و نهایة المقتصد، دار المعرفة بیروت، طبعه سادسة، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

—ابن نجیم زین الدین الشهیر بابن نجیم المصری (م۹۷۰ھ) الاشباه والنظائر ادارة النشر والاشاعة، دار العلوم دیوبند، طبع دوم ۱۴۰۶ھ، مع شرحه للعلامة الحموی۔

—ابن قدامة ابو محمد عبد اللّٰه بن محمد المعروف بابن قدامة المقدسی (م۶۲۰ھ) المغنی مکتبة الجمهوریة العربیة مصر تحقیق و تعلیق: محمد سالم محسن اور شعبان محمد اسماعیل۔

—قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم (م۱۸۳ھ) کتاب الخراج، المطبعة السلفیة و مکتبتها، قاصره ۱۳۵۲ھ، طبعه ثانیه۔

—ابو یوسف کتاب الآثار احیاء المعارف النعمانیة، حیدر آباد دکن (الهند) طبعه اولٰی، ۱۳۵۵ھ، مطبعة الاستقامة تصحیح و تعلیق: ابو الوفاء

—امام محمد بن حسن الشیبانی (م۱۸۹ھ) کتاب الآثار، شیخ الٰهی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاهور، ۱۹۱۱ء طبع قدیم۔

—شامی محمد أمین الشهیر بابن عابدین شامی (م۱۲۵۲ھ) رد المحتار علی الدر المختار، در سعادت، المطبعة العثمانیة مصر۔

—ابن حزم ابو محمد بن احمد بن حزم الأندلسی (م۴۵۶ھ) المحلی، ادارة الطباعة المنیریة مصر ۱۳۵۱ھ، طبعه اولٰی۔

—ابن الهمام فتح القدیر شرح الهدایة، مطبعة أمیریة کبریٰ، لولاق۔ مصر ۱۳۱۶ھ، طبعه اولٰی، و بهامشه العنایة شرح الهدایة لأکمل الدین البابرتی۔

–قدوری ابو الحسن القدوری م ۴۲۸ھ: مختصر القدوری مع حاشیہ التنقیح الضروری، کتب خانہ رشیدیہ دھلی، عکس مجتبائی دھلی ۱۳۳۳ھ۔ الجوھرۃ الیزۃ علیٰ ھامش القدوری، محولہ بالا۔

–ابن قیم الجوزیۃ (م ۷۵۱ھ) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ۔

–طبری ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م) تاریخ الرسل والملوک المعروف بتاریخ الطبری، دار المعارف مصر، طبعہ رابعہ تحقیق محمد ابو الفضل ابراھیم۔

–ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی بیروت، طبعہ سادسہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، جدید محقق ایڈیشن۔

–ابن جوزی جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) سیرۃ عمر بن الخطاب، أول حاکم دیمقراطی فی الإسلام، الدار القومیۃ مصر، بدون سنہ۔

–نووی محی الدین بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ) تھذیب الأسماء والصفات إدارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر۔

–خطیب بتریزی (م ۷۳۷ھ) الاکمال فی أسماء الرجال ملحقاً بآخر المشکاۃ کتب خانہ رشیدیہ دھلی۔

–ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) تھذیب التھذیب، دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ۔

–غزالی ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) إحیاء علوم الدین، مطبعہ عامرہ شرفیہ مصر ۱۳۲۶ھ۔

–ابن تیمیۃ الاستقامۃ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ سعودی عرب، طبعہ اولیٰ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء، تحقیق: محمد رشاد سالم۔

–نووی محی الدین یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ) الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار ﷺ، دار العلوم الحدیثۃ بیروت، مکتبۃ المتبنی و علیہ شرح العلامۃ ابن علان، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

–راغب اصفھانی ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفھانی

(م ۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفة بیروت، تحقیق و ضبط: محمد سید کیلانی، طبع جدید۔

–ابن منظور الافریقی (م ۷۱۱ھ) لسان العرب، دار صادر بیروت۔

–ابن اثر الجزری (م ۶۰۶ھ) النهایة فی غریب الحدیث، المطبعة العثمانیة مصر، ۱۳۱۱ھ۔

–بتنی محمد طاهر (م ۹۸۶ھ) مجمع بحار الانوار، المطبع العالی منشی نول کشور ۱۲۸۳ھ۔

–ونسفک المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف۔ مکتبة بریل لیدن، ۱۹۳۸ء۔

–الجاحظ البیان والتبیین، المطبعة التجاریة الکبریٰ، مصر، طبعه ثالثه۔ مطبعة الاستقامة قاهرة ۱۳۴۴ھ/۱۹۴۷ء۔ تحقیق و شرح: حسن السندوبی۔

(اردو کتابیں)

–شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سیرت النبی طبع سیزدہم ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ۔

–مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سود، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی

–مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نشہ بندی اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

–شمس پیرزادہ لاٹری، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

–علامہ اقبال کلیات اقبال (صدی ایڈیشن) ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۷ء

–مولانا سید جلال الدین عمری مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

–سلطان احمد اصلاحی اسلام کا تصور مساوات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

–سلطان احمد اصلاحی اسلام کا نظریۂ جنس، ادارہ علم و ادب، علی گڑھ

–سلطان احمد اصلاحی بچوں کی مزدوری اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

–سلطان احمد اصلاحی بندھوا مزدوری اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

- سلطان احمد اصلاحی — پردیس کی زندگی اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- سلطان احمد اصلاحی — مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ، بار دوم ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء

(انگریزی)

Vinod Kumar, Prof. Aging - Indian Perspective and global senario.

مقالات

- شہناز بیگم — ہندستانی خواتین کے مسائل اور جماعت اسلامی کا موقف، ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۹ء
- سلطان احمد اصلاحی — شہرت پسندی کا رجحان اور اسلام، سہ ماہی تحقیقات اسلامی جنوری - مارچ، اپریل، جون ۱۹۹۷ء

DATE SLIP

This book may be kept for eight days.
A fine of one rupee per volume will be charged
for each day, if the book is kept over-time.